بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر

روح البیان

تصنیف

جناب محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی امینی کشمیری

الحاج مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی کشمیری (قطب الاقطاب)

شعبۂ نشر و اشاعت

سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد (ہزارہ)

پاکستان۔ بھمبر آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

روح البیان

تصنیف

جناب محمد نور الدین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی امینی کشمیری

الحاج مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ

اویسی کشمیری (قطب الاقطاب)

شعبۂ نشر و اشاعت

سلسلہ عالیہ اویسیہ ایبٹ آباد (ہزارہ)

پاکستان۔ بھمبر آزاد کشمیر

سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: روح البیان

مصنف: حضرت محمد نورالدین اویسیؒ

ایڈیشن: دوم

تاریخ طباعت: اکتوبر ۲۰۱۵ء

﴿برائے رابطہ وحصول کتب﴾

(۱)محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون:00441254671126

(۲)ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون:03007424574,03451566483

(۳)محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون:03465259352

فہرست مشمولات

نمبر شمار	عنوان/ مضمون	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ طبع ثانی	۲
۲	گزارش احوال	۴
۳	دیباچہ	۶
۴	سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم	۹
۵	معراج النبی صلے اللہ علیہ وسلم	۷۲
۶	اصولِ تصوف	۹۸
۷	موت وحیات	۱۲۴
۸	پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ I	۱۳۵
۹	پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ II	۱۴۷
۱۰	مشاہدہ	۱۶۱

دیباچہ طبع ثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

انسان اپنی جبلی خصوصیت جسکی طرف ملائکہ نے اِنِّیۡ جَاعِلٌ" فِی الۡاَرۡضِ کے ارشاد پر عرض کیا تھا کہ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡہَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡہَا۔ کی وجہ سے جب اپنے مقصدِ حقیقی کو فراموش کر گیا تو اللہ رب العزت نے اسکی ہدایت اور مقصد حقیقی وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ کی طرف دوبارہ لانے کیلئے رسول مبعوث کئے۔ جیسا کہ سورۃ النحل میں ارشاد ہے وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا ۔تاریخ انکے احوال محفوظ نہ رکھ سکی۔ سوائے محدود سے چند کے۔ اور اس سلسلہ کی تکمیل خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ جنہیں کسی مخصوص قوم۔ قبیلہ یا علاقہ کیلئے نہیں بلکہ کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ کیلئے مبعوث کیا گیا۔ آپکے بعد آپ کے نائب۔ خلیفہ۔ علمائے حقہ تا قیام قیامت بھٹکے ہوئے انسانوں کی راہنمائی یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ کے فارمولا کے مطابق کرتے رہیں گے۔ قبلہ وکعبہ محمد نورالدین اویسیؒ کو قسام ازل نے اس منصب جلیلہ کیلئے منتخب کیا تھا۔ اور آپ نے اس کارِ عظیم یعنی تبلیغ وترویج دین محمدیؐ کیلئے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا۔ مختلف موضوعات پر آپکی متعدد معرکۃ الآرا تصانیف بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

جس دور میں ''تاریخ خلافت اسلامی'' پر طباعت کا کام ہو رہا تھا اور اس میں کسی حد تک تعطل آیا ہوا تھا۔ میں نے عرض کی کہ مختلف اوقات میں لکھے گئے متفرق اور متعدد مضامین میں چند اگر کتابی شکل میں طبع کر دیئے جائیں تو یہ مضامین نام نہاد عدیم الفرصتی کے اس دور میں قارئین کیلئے بالعموم اور سلسلہ کے احباب کیلئے بالخصوص انتہائی سودمند ہونگے۔ آپؒ نے ''تاریخ خلافت اسلامی'' کے جاری کام کی اہمیت کے پیش نظر اسکی تکمیل تک ''روح البیان'' کو التوا میں رکھنے کا ارشاد فرمایا۔

''تاریخ خلافت اسلامی'' کی طباعت کے بعد ''روح البیان'' کی طباعت کی آپؒ نے اجازت مرحمت فرمائی۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسکا دیباچہ بھی آپ لکھیں گے۔میں نے سؤ ادب سمجھ کر معذرت کی کہ دیباچہ تو آپ ہی تحریر فرمائیں گے۔بہرحال گزارش احوال کے عنوان سے اپنی گزارشات پیش کیں۔اب دیباچہ طبع ثانی لکھتے ہوئے عجب احساسات طاری ہیں۔

''روح البیان'' سات مضامین پر مشتمل ہے۔سیرۃ النبی قبلہ وکعبہ محمد نورالدین اویسیؒ کا انتہائی پسندیدہ موضوع تھا۔کہ حقیقت محمدیؐ کا ادراک ہی مقصد حقیقی ہے۔سیرت النبی اور معراج النبیؐ کے مضامین اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔اصول تصوف۔موت وحیات۔مشاہدہ جیسے موضوعات نورالعرفان۔علم العرفان۔راہ حقیقت۔سیرۃ النبی میں تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔جبکہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟'' دیگر کتب میں بالعموم اور تاریخ خلافت اسلامی میں بالخصوص اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ خلافت وحکومت کا قیام مقصد تھا؟ یا مقصد کے حصول اور حالات کی مجبوری!___ تفصیل کے متلاشی آپؒ کی متذکرہ کتب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔قطع نظر اسکے یہ حقیقت ہے کہ ان مضامین کا اپنا مخصوص اور اچھوتا رنگ ہے۔

''روح البیان'' کا گزشتہ ایڈیشن کتابت شدہ تھا موجودہ تقاضوں کے مطابق قبلہ وکعبہ محمد نورالدین اویسیؒ کی دیگر تصانیف کی طرح ''روح البیان'' کا کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں گزشتہ ایڈیشن میں کتابت وغیرہ کی سہواً رہ جانے والی اغلاط کی درستگی کردی گئی ہے۔محترم محمود احمد طائر صاحب کی حسب سابق مجھے ہمہ وقت معاونت اور راہنمائی میسر رہی۔اللہ رب العزت انہیں اپنی معرفت میں اکمل کرے۔آپؒ کی کتب کو کمپیوٹرائزڈ کرنے میں محترم سلطان احمد طائر صاحب کی مسلسل تحریک اور حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا نہ کرنا زیادتی ہوگا۔انشاءاللہ موجودہ ایڈیشن آپکو پسند آئے گا۔کتاب کی بہتری کیلئے آپکی آرا اور راہنمائی کا مشکور رہونگا۔

ریاض احمد خیال اویسی
(سابق ناظم اعلیٰ تعلیم سکولز آزاد حکومت جموں وکشمیر)
یکے از غلامان محمد نورالدین اویسی امینی کشمیریؒ

گزارشِ احوال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اللہ رب العزت نے انسان کو بحیثیت خلیفہ (اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً) پیدا فرمایا۔ اور اسکے ذمہ معرفت آثار و اسرار الٰہی اور ذاتِ الٰہی رکھی۔ پھر جب انسان اپنی سفلی فطرت اور مادیت کی وجہ سے صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی فرمائی۔ کہ انہی لوگوں میں سے رسول مبعوث فرمائے۔ تا کہ لوگوں کو راہِ حقیقت کی طرف لایا جائے۔ رسول کے بعد یہ مشن نائب رسول۔ ولی اکمل۔ علمائے حقہ کے ذمہ ہوا۔

قبلہ وکعبہ جناب صوفی محمد نورالدین اویسی امینی کشمیری گزشتہ ستاون سال سے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اور سلسلہ اویسیہ کے اس سرچشمہ رشد و ہدایت سے نہ صرف برصغیر بلکہ براعظم یورپ۔ افریقہ اور امریکہ کے لوگ بھی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِیْمًا وَ تَكْرِیْمًا ۔

قارئین! صاحب موصوف کے مختلف اوقات میں مختلف موضوعات پر لکھے ہوئے مضامین میں سے محدود سے چند "روح البیان" کے نام سے طبع کئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند امور محلِ غور ہیں۔

(۱) اگرچہ کتاب میں مشمول موضوعات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن یہ ایسے موضوعات ہیں۔ جن پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہی ہے۔ نیز ان مضامین کی تصنیف و طباعت میں یہ اہم مقصد مضمر ہے۔ کہ علمائے اکرام کو یہ ترغیب دی جائے۔ کہ وہ قرآن و حدیث (اسکی تشریح و توضیح) کو عربی اصطلاحِ قریش کے مطابق عوام الناس کے سامنے پیش کریں۔ جس سے صرفِ نظر کرنے کا نتیجہ اختلاف و فرقہ بندی کی صورت میں رونما ہوا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ قرآن کو اصطلاحِ قریش کے

مطابق سمجھا جائے۔تا کہ امتِ مسلمہ بجائے فرقہ بندی کے امت واحدہ کی شکل میں متشکل ہو۔اور مخلوق انسانی اس سے فیض یاب ہو۔

(۲)چونکہ یہ مضامین مختلف اوقات میں لکھے گئے۔اوراس بات کے پیشِ نظرنہیں لکھے گئے تھے۔کہ کتابی صورت میں ایک ہی جلد میں شائع ہوں گے۔اسلئے ہوسکتا ہے۔کہ سطحی مطالعہ سے بعض مقامات پرتکرارمحسوس ہو۔لیکن اسکی اصل وجہ موضوعات کا آپس میں قریبی ربط ہے۔

(۳)اگرچہ جناب مولانا محمد نورالدین صاحب اویسی۔امینی۔کشمیری کی ان موضوعات پر تفصیلی کتب طبع ہوچکی ہیں۔لیکن اس تیز رفتاری کے دور میں جبکہ اکثر لوگ عدیم الفرصتی کے شاکی نظر آتے ہیں۔ یہ قدرے چھوٹے مضامین ایک ہی نشست میں آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ اور یقیناً مصروف حضرات کیلئے یہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوں گے۔وہ حضرات جن کو تفصیل مطلوب ہو۔ وہ قبلہ وکعبہ جناب پیر صاحب کی کتب نور العرفان۔منازل فقر مع شرح۔حقیقت تصوف۔راہ حقیقت۔علم العرفان۔تاریخ خلافت اسلامی۔سیرت النبیؐ سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے۔کہ اپنے پہلے سے قائم کئے ہوئے نظریات و اعتقادات سے صرف نظر کر کے مطالعہ فرمائیں۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ ط

شعبہ نشرواشاعت

سلسلہ اویسیہ ایبٹ آباد(ہزارہ)

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۴ آیت ۱۷) اور البتہ ہم نے قرآن کے علم کو سمجھنے میں آسان بنایا۔ محققینِ امت نے مخلوقِ انسانی میں انسانی کردار و عمل میں تمدّن کا ایک لائحہ عمل مرتب کیا۔ جسے انسانی تاریخ سے تعبیر کیا گیا۔

جہاں تک الدّین (دین) سے مخلوقِ انسانی کا ضابطہ فراہم ہوا۔ یہ ضابطہ براہ راست اللہ کی طرف سے فراہم ہوا ___ جو انسانی کردار و عمل کی صحیح راہ (راہِ مستقیم) متعین کرتا ہے ___ جسے الدین الاسلام سے تعبیر دیا گیا ___ اصولِ انسانی میں دین کے اصول کی اطاعت کرنا اشد ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نجات ___ اصلاحِ انسانی کیلئے "قرآن" کے نام سے ضابطۂ انسانی وضع کیا۔ اس سلسلہ میں۔ ایک رسول ___ معلم کی حیثیت میں اور ضابطۂ ہدایت قرآن کی شکل میں مخلوقِ انسانی کیلئے مقرر کیا ہے ___ گزشتہ زمانوں میں بھی۔ مختلف قوموں۔ قبیلوں میں ایک معلم۔ رسول کی شکل میں۔ اور ایک کتاب کلامِ الٰہی کی شکل میں ہدایت کیلئے پیش کئے۔ مگر حالات زمانہ ___ تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوا۔ کہ مخلوقِ انسانی نے ایسی ہدایات کو طویل وقت تک زیرِ عمل نہ آنے دیا۔ اسطرح مخلوقِ انسانی کو پیشتر قوموں میں۔ دینِ الٰہی۔ رسول اور کتاب الٰہی سے فیض یاب نہ ہونے دیا۔ اس انحراف۔ نافرمانی کے بہت سے قوی اسباب ہیں۔ جو اس کفر و انکار۔ اور بے دینی کے سبب ہیں۔ لیکن اصل سبب ایک معلم ___ بحیثیت ہادی۔ راہنما۔ ایک رسول کے کردار کو بڑا دخل ہے۔ وہ یہ کہ ایک رسول کے بعد خلفائے رسول۔ اس راہنمائی میں پورے نہ اتر سکے۔ جس بنیاد پر کلامِ الٰہی

۔ کتابِ الٰہی میں۔ اصل علم میں خلفاءؑ کی غرض مندی کے جذبہ کے تحت۔ من گھڑت تاویلات شامل کر کے اصل علم کو مسخ کر دیا گیا اور مخلوق انسانی میں اکثر امتوں میں ایسی تاویلات وجہِ گمراہی۔ غلط راہ کی تقلید سے نہ اصلِ دین کا علم حاصل ہوا۔ اور نہ ہی صراطِ مستقیم کی راہ کسی کو حاصل ہو سکی۔

قرآن کریم ایک الٰہی کتاب ہے۔ جو کائنات کے ایک عظیم معلم۔ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو عطا ہوا۔ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مخلوقِ انسانی کے آخری رسول ہیں۔ جن کو کائناتِ عالم کی راہنمائی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس حیثیت میں معلمِ قرآن قیامت تک کی مخلوق کو ہدایت پہچانے والے رسول مقرر ہوئے ہیں ۔۔۔ قرآن نے خود اس امر کی تائید فرمائی کہ آپکی ذاتِ اقدس۔ آپکی عطا کردہ کتابِ الٰہی تا قیامت باقی رہیگی۔ آپ کا علم۔ علم الکتاب۔ قیامت تک مخلوقِ انسانی کو فراہم ہوتا رہیگا۔ عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۔ آپؐ کی رسولی حیثیت۔ آپ کا حاصل کردہ علم۔ علم الٰہی (قرآن) مخلوقِ انسانی کو راہ ہدایت۔ علم الٰہی ۔۔۔ علم العرفان فراہم ہوتا رہیگا۔ وہ حقیقت یہ ہے۔ کتاب الٰہی میں کائنات کے ذرہ ذرہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ رسول آخر الزماں کی حیثیت میں کوئی ایسی کیفیت موجود نہیں جسکی محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو بحیثیت نبی (خاتم النبیّن) آگاہی حاصل نہ ہو سب سے اہم خصوصیت اجرائے کتاب الٰہی۔ اجرائے دین الٰہی میں خلفائے دین محمدیؐ ہر زمانہ میں موجود ہونگے جن پر اجرائے دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہوگی۔ کہ ذاتی اغراض۔ ذاتی انا۔ کوتاہ علمی۔ غلط تاویل کی بناء پر۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اجراءُ کردہ عظیم کتاب قرآن عظیم کی مثل سابق پیروان دین کے وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۔ بجائے ہدایتِ قرآن۔ بجائے حصولِ معرفت۔ بجائے حصولِ جنت۔ مخلوق انسانی میں فساد وطغیان پھیلانے کا سبب بنیں اور مخلوق انسانی کی وحدت میں تفریق کا سبب بنیں۔

اس سلسلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے مرتب شدہ قرآن کو سامنے رکھکر دین اسلام (الدین الاسلام) کی روحانی۔ الٰہی ہیئت کا حقیقی تصور پیش کر کے دین محمد رسول

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقی ہیئتِ واحد سے۔ دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی منتشر ہیئت کو قرآن کریم کے حقائق پیش کر کے دنیا پر اسلام۔ قرآن وحدیث کی حقیقی ہیئت واحدہ نافذ کر کے مخلوق انسانی کی راہنمائی فرمائی جائے۔ فقط

العارض

محمد نورالدین اویسی۔ امینی۔ کشمیری

ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان

محررہ:۔ ۳ فروری ۱۹۹۶ء

بمطابق ۱۳۔ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

سیرت النبی ﷺ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ط لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ وَالْحَمْدُ لِنَبِيِّ نِ اسْمُه' مُحَمَّد'' صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِی الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط۱ اَمَّا بَعْدُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ ط

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحاً وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۳) ترجمہ۔ تحقیق اللہ نے منتخب کئے۔ آدم۔ نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران باقی مخلوق میں سے۔

اس آیت کا خصوصی تعلق سیرت النبی کے مضمون سے ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے

---

۱ تمام تعریف و پہچان واسطے اللہ کے ہے۔ وہ ظاہر و باطن کا علم رکھنے والا ہے۔ ظاہر وہ جو ادراک و حواس کے احاطہ میں آنے والی کیفیتیں ہیں اور باطن وہ جو ماورائے ادراک کیفیتیں حواس و عقل کے احاطہ میں نہ آنے والی ہیں۔ جن کیفیتوں میں آسمان۔ عرش و کرسی اور تمام اسرار و آثارِ نورانی تا ذاتِ الٰہی واقع ہیں۔ نہیں پایا جا سکتا اس ذات کو آنکھوں سے اور وہ تمہیں دیکھ سکتا ہے۔ وہ ''مجسم نور'' ــــ اور با اعتبار نورِ قوی ولا محدود۔ ہر کیفیتِ مخلوق کی خبر رکھنے والا ہے۔

اور تعریف و پہچان اس نبی کے واسطے ہے۔ جنکا اسم مقدس پہچانا گیا ہے۔ تعریف کیا گیا ہے۔ جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مقدس کی صفت بیان کی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم (جنکی تعریف و پہچان ہر مخلوق سے زیادہ کی جاتی ہے) منتخب رسول ہیں۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قرآن حکیم میں۔ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ: اور نبیوں کی نبوت پر مہر کرنے والے محمد رسول اللہ۔

مخصوص انداز میں انبیاؑ کی خصوصیات کا اشارہ کیا ہے۔جس میں انبیاؑ کی سیرت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

قبل اسکے کہ سیرت النبی پر کچھ بیان کیا جائے۔یہ ضروری ہے کہ ہم لفظ سیرت اور نبی کے معنی کو ذہن میں لائیں۔کہ سیرت سے کیا مراد ہے۔اور نبی کسے کہتے ہیں۔

سیــرت ۔فارسی لفظ ہے۔جسکے معنی کسی شے میں اسکے ذاتی۔صفاتی کمالات کا پایا جانا۔ یعنی جس شے کی ہم تعریف کر رہے ہیں اسکا جسمانی مرکب کیا ہے۔اور اس وجود کی صفت کیا ہے؟

نبــی ۔عربی لفظ ہے۔جسکے معنی۔خبر پانے والا۔خبر دینے والا۔۔یعنی ایک ذات جو کسی کیفیت کی آگاہی دے۔

وہ کیفیت کیا ہے؟ وہ کیفیت ایک علم ہے۔جو عام ذہنوں میں نہیں آسکتا۔یہ علم ظاہری حواس وعقل سے حاصل نہیں ہوسکتا۔پس جو شخص اس علم کا دعوے کرنے والا ہوگا۔اس میں عام انسانوں کے مقابلہ میں کچھ خصوصیت کا ہونا ضروری ہوگا۔اسی خصوصیت کے اعتبار سے ایک ذات کو نبی کہا جاتا ہے۔ایسے ہی نبی کے کمالات کا اظہار سیرت النبی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔کہ اس میں ذاتی کمال یعنی جسمانی کمال کیا ہے؟ اور اس میں کون سی صفات یا خصوصیات پائی جاتی ہیں۔جس وجہ سے اسکی تعریف کی جاتی ہے۔

سیرت کا لفظ زیادہ تر انسان کیلیۓ استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اس کائنات میں۔انسان ہی ایک واحد ہستی ہے۔جسکے ذاتی صفاتی کمالات۔تمام مخلوق کے مقابلہ میں انتہا کو پہنچے ہیں۔اور انسانوں میں ایک مخصوص اور منتخب مخلوق رسول ہیں۔جنکے کمالات عام مخلوق کے مقابلہ میں برتر ہیں۔ اسلیۓ سیرت بیان کرنے میں ایک رسول کے ہی کمالات کی تعریف کی جاتی ہے۔

چونکہ سیرت سے مراد ایک ہستی کے ذاتی۔صفاتی کمالات ہیں اسلیۓ سیرت النبی میں ایک رسول کی ذات یعنی جسمانی خصوصیات اور اسکی صفات پر بحث کی جاتی ہے۔

قبل اسکے کہ ایک رسول کی سیرت بیان کی جائے یہ ضروری ہے۔کہ انسانی حیثیت میں۔اول انسانی پیدائش کا جائزہ لیا جائے۔کہ انسان کی ابتدائی پیدائش کیسے ہوئی۔اسکا جسمانی

مرکب کیا ہے۔پھراس جسم میں کیا خوبی ہے۔جو اِسے عام مخلوق سے ممتاز واعلےٰ بناتی ہے۔اور نبی ہونے میں ایک انسان میں کیا خوبی پائی جاتی ہے۔اسکے ساتھ ہی۔رسول ہونے کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔نبی کسے کہتے ہیں اور رسول کسے کہتے ہیں۔نبی ورسول کے ظہور کے کیا اسباب ہیں۔ انکا ظہور کس غرض سے ہوتا ہے۔اِسکے لئے ضروری ہے۔کہ انسانی ابتدائی پیدائش کا جائزہ لیا جائے۔

انسانی ابتداُ کب سے ہوئی ہے؟۔یہ زمانہ انسانی علم سے باہر ہے۔کیونکہ ابتدائی انسان کے پاس تواریخی مواد جمع کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔حالاتِ زمانہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ ابتدائی پیدائش ایسے لوازمات سے خالی تھی۔اسکی زندگی فطری تھی۔اسلئے اسے ایسی ضروریات سے سابقہ نہیں پڑا جسکے لئے اُسے ایسے انتظامات کا احساس ہوتا۔اسلئے ابتدائی دور کی کوئی ایسی تواریخ موجود نہیں ہوسکتی جس میں انسانی ابتداُ کا علم مل سکے۔لیکن اسکے باوجود ہمارے ذہنوں میں ابتدائی انسان کا ایک تصور پایا جاتا ہے۔یہ تصور گزشتہ انسانوں کا روایتی تصور ہے جو ہمیشہ پشت در پشت ذہن در ذہن انتقال کرتا رہا۔اسی انتقالِ ذہنی کے تصور پر ہم یہ جان لیتے ہیں۔کہ انسانی پیدائش کی ابتداُ کیسے ہوئی۔لیکن۔چونکہ ہمارے پاس ابتداُ کی کوئی تواریخ موجود نہیں اسلئے اس تصور میں تاویلیں کی گئیں۔جو تاویلیں محققین (یعنی تحقیقات کرنے والوں) کی اختراعیں ہیں۔مختلف زمانوں میں انسانی پیدائش پر بحثیں اور تحقیقیں ہوئیں۔جس پر مختلف قسم کے ذہنوں نے انسانی ابتدائی پیدائش پر مختلف نظریات قائم کئے۔چنانچہ بعض کی تحقیق یہ ہے۔کہ انسان عام مخلوقِ حیوانی کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔اور بعض کا خیال ہے۔کہ انسان ایک علیٰحدہ مخلوق ہے۔جو ابتداُ سے ہی انسانی ہیئت میں پیدا ہوا اسی انسانِ اول سے سلسلہ تناسل کے ذریعہ انسان پیدا ہوتے رہے۔یہ نظریات باہم دگر ایک دوسرے کی رد کرتے ہیں کیونکہ ان نظریات کی اساس قیاس اور تخمینہ پر ہے۔یہ اسوجہ سے کہ انکی تصدیق کیلئے کوئی تواریخ موجود نہیں۔جو ان نظریات کی تائید وتصدیق کرتا ہو۔اسکے علاوہ زمانہ میں بعض قوموں میں ایسے محقق ہوئے۔جنہیں نبی یا رسول کہا گیا۔انہیں الٰہی علم حاصل تھا۔ ایسے رسولوں کے زمانے میں یا تو الہامی کتابیں پائی گئیں۔یا قوموں نے خود روایتی واقعات کو ترتیب

دیا۔لیکن ایسے واقعات بھی ذہنوں کے ذریعہ پشت در پشت منتقل ہوتے رہے۔اور بہت کم واقعات کو کتابی صورت دی گئی۔اسلئے گزشتہ قوموں کی خود ساختہ کتابوں یا الہامی کتابوں کے ذریعہ ہمیں ابتدائی پیدائش کا پتہ ملتا ہے۔لیکن ایسے واقعات میں بھی۔انسانی پیدائش کی صحیح ترکیب معلوم نہیں ہوتی۔کہ انسان کا جسمانی مرکب کیا ہے۔اور انسان کیسے بنا۔الہامی کتابوں میں مشہور رسولوں کی مشہور کتابیں۔توریت۔زبور۔انجیل ہیں۔یہ کتابیں اگرچہ الہامی ہیں۔لیکن زمانے کی طوالت اور پیروان مذاہب کی اغراضی پرستی کے باعث ان کتابوں کا الہامی علم اپنی اصلی ہیئت میں قائم نہ رہ سکا اسلئے گزشتہ واقعات خصوصاً انسانی پیدائش کا صحیح علم و تصور ہمیں ان کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔البتہ ایک الہامی کتاب قرآن ہے۔جو زمانہ قدیم سے ہمیشہ اپنی اصلی حالت میں قائم رہا۔اور اس پر باوجود زمانہ کے عظیم حادثات کے کوئی اثر نہ ہو سکا۔اسکا علم علےٰ حالہ ثابت و سالم ہے۔اس قرآن میں ابتدائی پیدائش اور انسانی مرکب کی تمام تر ترکیبیں بیان کی گئی ہیں جو اگر بادیٔ النظر عام تحقیق میں لائی جائیں۔تو انکے حق ہونے میں کسی قسم کا شبہ یا تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔قرآن نے انسانی ابتدا اور اسکے مرکب پر تفصیلی بیان دیا ہے۔جسکی ابتدا اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط [1] ـــ ترجمہ۔جب آپکے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر ایک انسان کو پیدا کرنے والا ہوں جسے خلیفہ کی صفت سے پکارا جائیگا۔

یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی قرآن کے حامل رسول ہیں۔جن پر یہ قرآن نازل کیا گیا۔ اس قرآن میں کائناتِ ارض و سماوات کے کھلے واقعات اور اسرار بیان کئے گئے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش سے متعلق واقعات۔اسکی تمام ترکیبوں اور جسمانی مرکبات کے واضح نشان بیان کرتا ہے۔کہ زمین پر پہلی پیدائش ایک انسانی ہیئت ایک خلیفہ ہوگا۔اس آیت سے ظاہر ہوتا

---

1 خلیفہ سے مراد ـ قرآنی مکالمہ سے یہ ہے۔کہ انسانِ اول (آدم) کو صاحب معرفت ذات پیدا کرنا ہے۔

ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے۔جسوقت ابھی زمین کی آبادی کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ملائکہ سے انسانی آبادی کا ذکر کیا۔

اس آیت میں خلیفہ اور ارض (زمین) کا ذکر ہے۔جسکا مطلب یہ ہے۔کہ زمین کی پیدائش میں ایک انسان پیدا ہوگا جس میں خلیفہ کی صفت ہوگی۔یہی انسان۔خلیفہ اور زمین۔تین کیفیتیں ہیں جن میں انسانی کمالات ظاہری و باطنی۔ذاتی وصفاتی کا اظہار کیا گیا ہے۔

یہاں اس قرآنی بیان میں ــــ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کے جواب (سوال) سے ایک واضح حقیقت کی تفسیر پیش کرنا مقصود ہے۔کہ ابتدائے زمانہ کی تخلیق کا ایک تصور پیش کرتا ہے۔کہ زمین سے قبل (كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ) اللہ نے ابتدائی تخلیق ایک نور (نورِ مجرد) سے کی اور ہر موقع پر نور کی ذاتی خاصیت کی وضاحت کی۔کہ پیدائشی طور۔نور بھی ایک نوری خاصیت رکھتا ہے۔وہ یہ کہ اس خاصیت کا اشارہ ــــ نوری عمل سے ہوتا ہے۔گویا وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ ــــ بیان کرنے سے مراد۔نوری قوتوں کا عمل وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ۔یہ ایک کہ قبل ازیں۔نوری وجود پیدا کئے گئے جنکے ذمہ انکی فطری خاصیتوں میں تسبیح وعبادت واضح ہے ــــ اسکا مطلب یہ ہوا کہ خالق کائنات کی تخلیق میں۔ہر وجود ایک پیدائشی خصوصیت (مرکب) رکھتا ہے۔جس پر ہر کیفیت کی پیدائش منحصر ہے۔اسی کیفیت سے اسکی عبادت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط ترجمہ۔تسبیح کرتی ہے (عبادت سے) اللہ کی آسمان وزمین (کائنات) کی ہر شے۔اور نہیں کوئی کیفیت (مخلوق کائنات) مگر اسکے ذمہ (اسکی ہیئت کے مطابق) ایک عبادت ہے۔جسکا ادراک تم کر نہیں سکتے۔

دوسرے نشاندہی کرتا ہے۔کہ ابتدائے پیدائش نوری وجود پیدا ہوتے ہیں۔جنکا خاصہ تسبیح وعبادت ہے۔یہ عمل ملائکہ (نوری) سے سرزد ہوتا ہے۔"نَحْنُ نُسَبِّحُ" سے مراد۔اصلاً تسبیح وحمد (پہچان) کیلئے نوری ملائکہ کا وجود مخصوص ہے۔سفلی وجود کی خاصیت خونریزی ہے۔(تسبیح وحمد نہیں) یہ

بیان ملائکہ سے مخاطب ہوکر دیا گیا۔اور ملائکہ کے علم میں یہ کیفیت تھی۔ کہ زمین ایک مادی اور سفلی مقام ہے۔اسلئے اس زمین کی پیداوار سفلی ہوگی۔مگر سفلی ہیئت میں خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ ملائکہ نے جواب دیا۔قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ط کہاملائکہ نے کیاتو زمین پر اِسکی ایسی پیداوار کوخلیفہ بنائیگا۔جس مٹی کی خاصیت فساد وخونریزی ہے۔اور خلیفہ سے مراد تسبیح وحمد کرنے والا ہے۔یہ تسبیح سفلی پیدائش کا خاصہ نہیں۔ یہ تو نوری پیدائش کا خاصہ ہے۔جو ہم سے ادا ہورہی ہے۔؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کے جواب میں کہا۔اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ترجمہ۔ تحقیق میں جانتاہوں اس پیدائش کے بارے میں جوتم نہیں جان سکتے۔یعنی ایک سفلی پیدائش سے۔جسکی خاصیت فساد و خونریزی ہو۔اس میں تسبیح وحمد کی صلاحیت کا پایا جانا۔یہ میرے منصوبہ میں آچکا ہے۔لیکن ابھی تمہیں اسکا علم نہیں کہ سفلی پیدائش کیسے تسبیح وحمد کی صلاحیت کی حامل ہوسکتی ہے۔

اسکے بعد زمانہ گزرتا گیا۔اور پھر قرآن نے انسانی مرکب کا ایک اور ذکر چھیڑا۔اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ترجمہ۔ جب کہا آپکے رب نے ملائکہ سے میں اب بنانے والا ہوں ایک بشر (انسانی ہیئتِ جسمانی میں) مٹی کے لیس دار کیچڑ کے مرکب سے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی جسمانی مرکب کے اجزأ کی نشاندہی کردی۔کہ انسان کا جسم زمین کے لیس دار کیچڑ سے بنیگا۔اسکا جسم ہوگا۔اور ''بشر'' ہاتھ۔ پاؤں۔ناک۔کان۔منہ۔دل ودماغ کا ایک مجسمہ ہوگا!۔۔۔۔اس مقام پر طین (مٹی) اور حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کا خصوصی طور ذکر کیا گیا۔اسلئے ضروری ہے۔کہ انسانی مرکب کی تحقیق میں زمین کی مٹی (طین) اور لیس دار کیچڑ کی خاصیت کا اندازہ کیا جائے کہ ان کیفیتوں میں کیا قوتیں پائی جاتی ہیں۔

قرآن نے زمین اور اسکی مخلوق کی بناوٹ اور اسکے مرکب کا ایک بنیادی تصور پیش کیا ہے۔اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۳۰) ترجمہ۔کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا کہ یہ

آسمان اورزمین ملے [1] ہوئے تھے۔پس ہم نے انہیں جُدا کر دیا۔اورزمین میں ہر شے کو پانی سے زندگی (حرکت) دی۔

اس آیت میں زمین کی ابتدأ سے لیکر اسکی آخری ہیئتِ مادی کا ذکر اورزمین کے بنیادی مرکب کا حوالہ دیا گیا ہے۔یعنی ایک وقت جبکہ مادی زمین کا وجود موجود نہیں تھا۔اسکا مواد آسمانوں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔یعنی اسکا مواد نوری کیفیت (آسمانوں) میں تھا۔پھر ہم نے آسمان نوری سے زمین کو بطریق علت ومعلول الگ کر دیا۔اور اِس زمین کو خاکی حالت میں لایا۔اوراس پر پانی کے ذریعہ آثارِ حیات ظاہر کئے۔قرآن نے اس کیفیت کو سمجھنے کیلئے ایک اشارہ دیا ہے کہ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا ۔کیا یہ کافر لوگ جو اللہ کی خالقیت اور ربوبیت سے منہ پھیر کر اسکی ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔''نہیں دیکھتے''!___نہیں دیکھتے سے مراد ایک تو یہ ہے۔کہ یہ کیفیت اُنکے علم میں آچکی ہے۔اور دوسری یہ کہ انھیں تفکر فی الافاق کی تحریک دی جاتی ہے۔کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۰) تم زمین کی وسعتوں میں پھرو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتدأ کیسے کی؟ اَوَلَمْ یَرَا سے مراد انہوں نے تحقیق نہیں کی! کہ اس کائنات کے ہر نظام میں اللہ تعالیٰ نے ایک سبب (علت یا Mater) مقرر کیا ہے۔تم کائنات کے کسی ذرے کو اٹھا کر دیکھو اس پر فکر و تحقیق کرو۔تو تمہیں ایک سبب۔علت ومعلول کا وسیع نظام نظر آئیگا کہ ہر شے ایک معلول کی حیثیت رکھتی ہے۔اور ہر معلول ایک علت سے فنا و بقا کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔یہاں تک کہ یہ تمام معلول ایک علت لامحدود پر ختم ہو جاتے ہیں۔اور وہی علتِ لامحدود ہر معلول کی خالق کہلاتی ہے۔اور جبکہ وہ ذاتِ لامحدود سمع۔بصر۔فہم وارادہ کی مالک ہے۔اسلئے یہ سب نظام اسکے ارادہ سے چل رہا ہے۔اسی طرح

---

[1] ملے ہوئے سے مراد آسمان اور زمین وجود یکجان تھے۔یا زمین آسمانوں کے نور میں مدغم (ایک ہی وجود) تھی۔یہ تصور پانا بسا مشکل ہے۔کہ آسمان سات اور زمین ایک ذرہ کی حیثیت میں کیسے یکجان تھے؟ یہ ایک تخلیقی الٰہی عمل ہے۔جو کیفیت بغیر ''معرفت'' تصور میں نہیں لائی جاسکتی!

اَوَلَمْ یَرَا تحریک ہے۔فکر کیلئے کہ زمین آسمانوں کی معلول ہے۔یعنی زمین سے پیشتر آسمان نوری ہیئت میں تھے۔جن میں آسمان دنیا سے یہ تمام سورج۔چاند۔ستارے معلول ہوئے۔اور زمین بھی ان کیفیتوں میں ایک معلولی کیفیت تھی جو سورج سے معلول ہوئی۔یا براہ راست اور سیاروں کے ساتھ آسمان سے ہی معلول ہوئی۔اور یہ اصولِ فطرۃ ہے۔کہ نوری کیفیت تنزل اور منتشر حالت میں ناری ہیئت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اسلئے۔چونکہ زمین آسمان کی تنزلی ہیئت ہے۔لہٰذا یہ اپنی ابتدأ میں ناری تھی۔

مادی سائنسدانوں نے قیاس اور تحقیق سے یہ معلوم کرلیا کہ زمین ابتدأ میں ایک کرۂ نار تھی۔اور یہ ایسے مقام پر معلق فضا میں قائم ہوئی جہاں۔اس میں مزید تنزلی آثار پیدا ہونے لگے۔کہ اس زمین سے اور سیارے جدا ہوئے جو اسکی کشش میں اسکے گرد گھومنے لگے۔انہی سیاروں میں چاند اور بعض وہ سیارے ہیں جو زمین کے چاروں طرف گھومتے ہماری نظروں کی حدود میں آتے ہیں اس حالت سے زمین کی ناری قوت منتشر ہو کر کم ہوگئی۔اور اس میں سے گیس کی شکل میں ہوا پیدا ہوئی۔ جس ہوا نے زمین کو ہر جہت (چاروں طرف) سے احاطہ میں لے لیا۔ہوا کے وجود نے زمین کی آتش کو کم کرنا شروع کر دیا۔جسوجہ سے زمین پر پانی کے آثار ظاہر ہو گئے۔یعنی ہوائیں ٹھوس اور نم دار ہونے لگیں۔جس سے بادل بنے اور ان بادلوں سے زمین پر پانی برسنے لگا۔اور یہ حالت مدتوں تک جاری رہی۔کہ زمین پر طوفانی بارشیں برستی رہیں۔کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا کہ اس بناوٹ میں کتنا زمانہ گزرا یہ مدت انسانی عقل وحواس میں کوئی محدود تصور نہیں قائم کر سکتی۔البتہ فطری طور ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں۔کہ نوری ہیئت سے علیٰحدہ ہونے میں زمین ایک قوی آگ تھی (جسکی رنگت ہماری مادی آگ کے تصور کے ساتھ نہیں بلکہ سورج کی تیزی اور رنگت میں کی جا سکتی ہے) اور اسی کرۂ نار نے طویل مدت کی بارشوں سے ہیئت ورنگت بدلکر ٹھوس مادی ہیئت اختیار کر لی اسوقت یہ زمین ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی کی طرح محسوس ہوتی تھی۔اور جب زمین کی حرارت کم ہوگئی تو پانی نے اس پر غلبہ پا لیا۔کہ زمین میں پانی جذب نہ ہو سکا اور زمین پانی سے سیراب ہوگئی۔یہاں تک کہ اب زمین کے

ناری ذرّات پانی میں گھل کر جذب ہونے لگے۔نتیجہ یہ ہوا کہ پانی میں ان زمین کے ذراتِ ناری نے ایک نئی متحرک ہیئت اختیار کرنی شروع کی اور زمین پر۔پودے۔کیڑے۔مکوڑے حرکت کرنے لگے۔اور طویل مدت گزرنے کے بعد ان جانداروں نے بڑھنا شروع کیا۔جس سے۔درخت۔اور حیوان نمودار ہوگئے۔اسی کیفیت کی طرف قرآن کا اشارہ ہے۔وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط۔یعنی بنایا ہم نے ہر چیز کو ایک مادی اور متحرک ہیئت میں پانی کے ذریعہ۔سو اس آیت میں قرآن نے زمین کی علت اور زمین کی ناری ہیئت اور مادی ہیئت اور اسکے مرکب کا تصور دیا۔اور اسی تصور میں انسان کی ابتدائی پیدائش کا ذکر مختلف کیفیتوں اور ہیئتوں میں دیا۔جسکا ذکر قرآنی آیات میں واضح طور کیا گیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۴،۱۵) ترجمہ۔بنایا انسان کو مانند ٹھیکری صلصال سے اور بنایا جنوں (ناری مخلوق) کو آگ کے شعلوں سے۔

اس آیت میں انسان کی تخلیق کا تصور۔زمین کی ناری ہیئت کے مطابق کیا جائیگا۔کیونکہ۔قرآن نے پیشتر ہی یہ بتادیا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط میں۔زمین کی مٹی سے انسان کو بناؤنگا۔لہذا یہی وہ مٹی ہے۔جو ابتدا میں صلصال تھی۔عربی اصطلاح میں کمہار کے آوے سے نکلی ہوئی مٹی ٹھیکری کے مانند ہیئت کو صلصال کہتے ہیں۔یہ وہ ہیئت ہے۔جو زمین کی ابتدائی ہیئت بارش برسنے سے ہوئی۔اسکے ساتھ ہی جنوں کا دانستہ ذکر بھی کیا گیا ہے۔یہ ذکر اصلی ہیئت کے تصور کو پانے کیلئے ہے۔کہ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۲۷) یعنی انسان بنانے سے پہلے جنوں کو آگ کی لوؤں [1] سے بنایا گیا۔اسکے بعد اسی آگ کی مادی ہیئتِ

---

[1] یہ شعلے یا لوئیں اصلاً ناری زمین کی لوئیں ہیں جن سے جنوں کا وجود ہوا چونکہ جنات لطیف ہیں اور نظر نہیں آتے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔کہ ابتداءً ناری زمین کی کیفیت بھی ایک لطیف گیس کی سی تھی۔جس لطیف گیس سے انسانی جسم کا مرکب بنا۔جسے صلصال کہا گیا۔۔۔اور حماءٍ مسنون میں بنیادی جوہر اسی لطیف گیس سے آیا ہے۔

صلصال سے انسان کو بنایا گیا۔ یہی صلصال بارشوں سے خالص طین (مٹی) بنی جسکے تصور کے مطابق انسانی پیدائش کا دوسرا تصور دیا گیا۔

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ مِنْ حَمَاءٍ مَّسْنُوْنٍ ○ میں بنانے والا ہوں مٹی سے۔ مٹی کے لیس دار مہین کیچڑ سے ایک بشر کو۔ یہ تصور وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط کی کیفیت کے ساتھ ہے۔ کہ زمین جب پانی سے سیراب ہوگئی۔ اور زمین کے ناری (جوہری) اجزأ پانی میں جذب ہو گئے۔ اور جب بارشوں نے قرار پکڑا۔ اور پانی زمین میں جذب ہونے لگا۔ تو زمین کی ہزاروں میل گہری گھائیوں [1] میں پانی نے سمندر کی شکل اختیار کی اور اونچی ڈھلوانوں سے پانی ختم ہوا تو پانی کے جاندار حیوانوں کا وجود محسوس ہوا ــــ اور زمین کے وسط میں بقیہ جوہر دار پانی جمع ہو کر جذب ہونے لگا یہاں تک کہ پانی اور مٹی نے دلدل کی شکل اختیار کی یہی دلدل اور مہین کیچڑ قرآنی اصطلاح میں حماءٍ مسنون کہلاتا ہے۔ جو زمین کی تمام جوہری توانائی کا مرکب و مجموعہ ہے۔ اسی ہیئت کے تصور میں قرآن نے انسانی پیدائش کا ایک اور تصور دیا۔ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاءٍ مَّسْنُوْنٍ ○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۲۶) بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند مٹی سے جو کیچڑ کی شکل میں آئی اور خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ○ بنایا انسان کو مٹی

---

[1] محققین مغرب زمین کی ابتداً اور زمین کی ہیئت پر تحقیق کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ محققین علم ہیئت و ریاضی سے زمین کی ہیئت کا ابتدائی اندازہ کر سکتے ہیں لیکن زمین کے آثار اتنے قدیم ہیں کہ زمین کی ابتداً کا تعین انکے لئے قطعی ناممکن ہے۔ البتہ یہ امر قابلِ تسلیم ہے۔ کہ زمین سورج سے نکلی ہے۔ کیونکہ زمین پر سورج کے طلوع و غروب میں۔ کششِ مقناطیسی خود اسکی دلیل ہو سکتی ہے۔ لیکن اسکا تعین کہ زمین کب سورج سے علیٰحدہ ہوئی انسانی ادراک سے قطعی باہر ہے۔ اور یہ جو زمین میں یا باقی سیاروں میں گہری گھائیاں ظاہر ہوئی ہیں۔ گو اسکے کچھ بھی اسباب ہوں۔ تاہم یہ باور کرنا ضروری ہے کہ ہر سیارے اور زمین کی ذاتی ہیئت ایسی ہے کہ اس میں انکی پیدائش کے ساتھ ہی یہ گھائیاں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ایسا ہونا بھی درست ہے۔ کہ ستاروں پر حادثات رونما ہونے سے گھائیوں کی ساخت میں تبدیلی ہوتی رہی۔ بعض گھائیاں پُر ہوتی رہیں۔ اور بعض گھائیاں عمیق گہرائی میں تبدیل ہوتی رہیں۔

کے جوہر[1] سے۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ○ (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۳ آیت ۱۲، ۱۳) پھر تمہاری آخری پیدائشی ترکیب نطفہ سے مقرر کی۔ اور یہ آخری ترکیب انسانی ہے۔ اس آیت میں عام انسانوں کی پیدائش کی ترکیب بتائی گئی ہے۔ مگر اس سے پیشتر جو حالات انسان سے مخاطب کر کے بتائی گئیں وہ صرف ایک انسان کیلئے تھیں کہ ان ترکیبوں سے زمین پر ایک انسان بنایا گیا اور اس انسان سے باقی مخلوق بنائی گئی۔ لہذا اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ کا اشارہ زمین پر پہلے انسان کی طرف ہے۔

ان آیات میں قرآن نے انسان اور زمین کی تمام پیدائشی ترکیبیں اور انسانی جسم کے مرکب کا واضح بیان پیش کیا کہ انسانی وجود ناری زمین کے قوی جوہر کا مجموعہ و مرکب ہے جس مرکب میں ہر اس قوت کا جوہر ہے جو زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ مثل ایتھر۔ الیکٹرک سٹی۔ ہائیڈروجن اور جمادات و نباتات کا جوہر۔ اور یہ ترکیبیں انسانی جسم کیلئے ہیں۔ اسکے بعد انسانی جسم میں اور بھی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو اسی آیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ ترجمہ۔ تحقیق میں ایک جسمِ انسانی مٹی کے لیسدار جوہری مادے سے۔ بنانے والا ہوں۔ جب میں اسے سنوارونگا اور اس میں اپنی روح پھونک دونگا تو تم اسے سجدہ کرنا۔

قرآنی آیات کی روشنی میں کائنات کی تخلیق پر فکر و تحقیق کرنے سے۔ یہ کیفیت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت نظام کے ساتھ مخلوق کو بنایا۔ اور وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط میں ایک خوبصورت ترکیب رکھی کہ ہر شے مخلوق کی پیدائش کی ابتداً ایک ہی انداز سے ہوئی یعنی زمین میں بہ اعتبار صلصال قوی ناری قوتیں پائی جاتی ہیں جنہیں بہ الفاظ دیگر ایتھری

---

[1] اس جوہر میں صلصالی قوت و مرکب کا مادہ پایا جاتا ہے۔

قوتیں کہا جاسکتا ہے۔انہیں ایتھری ذرات نے پانی کے ذریعہ مختلف ہیئتیں اختیار کیں۔انہیں قوتوں سے۔نباتات کی شکل بنی۔انہیں قوتوں سے حیوانات کی شکل بنی۔انہیں قوتوں کے سب سے قوی جوہر (سب سے قوی ایٹری ذرہ) سے انسان کی شکل بنی۔ان قوتوں کی پیدائشی ترکیب ایک ہی ہے۔کہ زمین سے انکے وجود پیدا کئے گئے۔اس ترکیب کا ذکر بھی قرآن نے بتایا۔وَاللّٰہُ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ یُعِیْدُ کُمْ فِیْھَا وَیُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا ○ (پارہ۲۹سورۃ ۷۱آیت ۱۷،۱۸) وہ اللہ ہے جس نے تمہیں اگایا (زمین سے نکالا) زمین سے مانند اُگنے والی اشیاٗ کے۔پھر تمہارا اعادہ اسطرح کریگا کہ تم مرکر زمین کے اجزاٗ میں جذب ہوجاؤ گے اور پھر تمہیں زمین سے ایک مقررہ وقت قیامت پر نکالیگا۔

ان آیاتِ قرآنی میں انسانی جسمانی ساخت کی تکمیل اور مرکب کا اندازہ ہوتا ہے۔کہ انسان مٹی کے لیس دار مادے سے مثل اور حیوانات اور نباتات کے پیدا ہوا۔یعنی یہ ایک قوی ذرۂ ناری تھا جو زمین کی لیس دار جوہری مٹی میں مقیم ہوا۔اسی مٹی سے اس جوہر نے مادہ حاصل کر کے انسانی ہیئت اختیار کی۔اس ہیئت میں یہ ایک کیڑے کی ہیئت میں بھی تھا۔پھر بڑھتے بڑھتے ہر درجہ کی ہیئت سے گزرا۔یعنی کیڑے سے بڑھکر مینڈک جتنا بھی بڑھا۔پھر آگے مینڈک سے بڑی ہیئت بلی جتنا بھی ہوا۔پھر اس سے بڑھکر بندر جتنا بھی ہوا۔پھر اسکی آخری ہیئت انسانی قد تک پہنچی۔چونکہ انسان حیوانی ساخت میں ہی بڑھتا گیا۔اسلئے اسکی آخری ساخت ایک بن مانس (بندر) جیسی محسوس ہوئی۔اس مقام پر قیاس پر چلنے والے محققین نے انسان کو بندر کی ترقی یافتہ ہیئت سمجھکر انسانی قوت میں غلطی کھائی۔مگر یہ عام حیوان کے مقابلہ میں ایک مخصوص قوی ذرۂ ناری یا ایتھری یا نوری تھا جو صرف انسان کیلئے مخصوص تھا۔جو ایک ذرے سے مختلف مدارج اور ہیئتوں سے گزر کر انسانی شکلِ بشر میں آیا۔اس ہیئت میں۔اسکے اعضاٗ ہاتھ پاؤں۔کان۔ناک۔آنکھ۔دل ودماغ مکمل تھے۔جن سے یہ ایک چلتا پھرتا انسان محسوس ہوا۔اسکے قویٰ (جسمانی اعضاٗ) باقی مخلوق کے مقابلہ میں قوی تھے۔اسکے دل ودماغ باقی مخلوق کے مقابلہ میں قوی تھے۔یعنی باقی مخلوق حیوانی نے ایک مقام پر قرار

کیا۔انکی جسمانی ترقی اِنکی آخری ہیئتوں اور شکلوں پر ختم ہوگئی۔لیکن انسان کی جسمانی ترقی کیلئے کافی وسعت رہی۔اور باقی مخلوق کے مقابلہ میں اسے دماغی قوی قوت عطا کی گئی۔جس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے سوّی کہا۔فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ ۔یعنی جب اسکے دل و دماغ قوی ہوجائینگے اور انسان اپنی سوچ اور اپنے ارادہ سے کام کرنے لگیگا۔تو اسکے لئے جسمانی ترقی کا ایک راستہ یہ ہوگا کہ یہ اپنی مادی حالت کو پھر سے ناری اور نوری حالت میں منتقل کرسکتا ہے۔یہ اسکا عروج وارتقاً کہلائیگا۔اسوقت انسان کی پیدائشی ترکیب مکمل ہوجائیگی۔اسکے بعد چونکہ اسے خلیفہ کی حیثیت سے دنیا پر پیدا کرنا مقصود ہے۔اسلئے اس میں ایک اضافی قوت وکیفیت ودیعت کی گئی۔وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔ اور اس میں اپنی روح پھونکونگا۔(نفخت ماضی ہے اور معنی مستقبل کے ہیں۔اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ تخلیق مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَراً میں بنانے والا ہوں ایک بشر) یہ روح ایک علیٰحدہ کیفیت ہے جسکا انسانی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔کہ انسان کو زندہ رہنے میں معاون ہو۔انسان کے مرکب جسمانی کی تکمیل اس وقت ہوچکی جسوقت اس نے انسانی شکل و ہیئت پا لی۔لیکن یہ وہ انسانِ کامل نہیں جسکا تصور اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط میں دیا گیا ہے۔بلکہ یہ انسان ملائکہ کے تصور کا انسان ہے۔جسکے متعلق انہوں نے کہا۔قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج ۔کیا تو اس زمین کے مادے سے ایسی مخلوق بنائیگا یعنی اس زمینی مادے سے ایک حیوانی قسم کی مخلوق بنیگی جسکی خاصیت آپس میں درندگی۔اور ایک دوسرے کے ساتھ خونریزی ہے۔سو ظاہر ہے۔کہ ہر حیوانی مخلوق کی عادت میں ایک دوسرے سے لڑنا اور خون بہانا ہے۔اسی طرح انسانی مخلوق بھی مثل حیوان بنی اسلئے انکا خاصہ بھی ایک دوسرے سے خونریزی کرنا ہے۔اب انسانی تصور میں کچھ زائد کیفیتیں ہونی چاہئیں جس سے اسے خلیفہ کے تصور میں دیکھا جائے۔وہ کیفیت ایک سوّی ہے۔سوّی سے مراد انسانی اعضاً وخواص کی اصلاح ہے۔کہ باقی مخلوق کے مقابلہ میں انسانی قویٰ۔کارآمد اور صالح ہوں۔چنانچہ قرآن نے اس سوّی کے متعلق کیفیات کا بھی ذکر کیا ہے۔وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ○

ترجمہ۔اور بنائے تمہارے واسطے کان اور آنکھیں اور دل و دماغ۔مگر بہت کم ہی لوگ اِسکا شکر ادا کرتے ہیں ـــ یعنی بہت کم لوگ ہیں جوان قوتوں کو استعمال کر کے شکران نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔یوں تو ہر جاندار میں۔کان۔آنکھیں۔دل و دماغ ہیں۔لیکن انسان واحد ہے۔اسکی خصوصیت واحد ہے۔اِسلئے باقی مخلوق کے مقابلہ میں۔جبکہ اِسے سنوارا گیا۔اسکے کان۔آنکھ۔دل و دماغ میں بہتر صلاحیت پیدا کی گئی۔کہ انسان ان قوتوں کو استعمال کر کے ترقی کی طرف جا سکتا ہے اور ان قوتوں سے خیر و شر میں تمیز کر کے نقصان سے بچے اور نفع حاصل کرے۔باقی مخلوق کی قوتیں انکے تلاشِ رزق میں کام دیتی ہیں۔کہ وہ اپنی زندگی کے سامان کو پہچان سکیں۔لیکن انسان اپنی ان قوتوں سے اپنے لئے حصول رزق سے علاوہ۔مزید آسانی اور ترقی کے راستے پاتا ہے۔اور اپنے ارادہ سے اپنے لئے جو چاہے۔حاصل کر سکتا ہے۔اور کسی شے کے حصول میں محتاج اور عاجز نہیں ہو سکتا۔یہ سوّی صرف خَلِیْفَۃُ کیلئے مخصوص ہے۔جس سے اسکی بشری خاصیت میں فساد و خونریزی کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور انسان نیک و بد میں تمیز کر کے بدی ترک کرتا ہے۔اور نیکی قبول کرتا ہے۔اسی سوّی سے انسانی جسم کی تکمیل ہو جاتی ہے۔اسی سوّی سے ایک پیدائش کو انسان نام دیا جاتا ہے یہی وہ انسان ہے۔ جسے آدم کہا گیا ـــ بس ـــ یہاں انسانی مرکبِ جسمانی کی کلی تکمیل ہو جاتی ہے۔اب اسے زندہ رہنے یا ترقی کی طرف قدم اٹھانے کیلئے کسی اور قوت کی ضرورت نہیں۔اب یہ بشر۔یہ انسان۔زمین کی تمام مخلوق میں اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے کہا فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ ۔پس تم اس بشر کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔سٰجِدِیْنَ سے مراد اپنے سے اشرف و افضل سمجھو۔کس چیز میں ـــ؟۔وہ قرآن خود بتاتا ہے۔وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ۔اور ہم تیری تسبیح ساتھ تیری پہچان کے کرتے ہیں اور تیری بزرگی بھی۔یعنی ہم عبادت سے تجھے پہچانتے ہیں کہ تو کس قدر اعلےٰ و ارفع ہے ـــ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ کہا تھا کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔اسکے جواب میں ملائکہ نے دو باتیں کہیں۔ایک یہ کہ وہ فساد پیدا کرنے والا ہوگا۔پس انسان کیلئے اتنی کمتری کا اظہار کافی تھا۔تو پھر تسبیح و حمد کا اظہار کیوں کیا گیا۔تو صاف ظاہر ہے۔کہ ملائکہ

کا تسبیح وحمد کا اظہار۔ دراصل خلیفہ کی صفت ہے ۔وہ صفت اسی کلام میں ہے۔ کہ خلیفہ کو ہم سے اگر شرف ہوسکتا ہے۔تو وہ تسبیح وتقدیس سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرنے سے اشرف ہوسکتا ہے۔اسلئے ضروری ہے اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کا راز ظاہر ہو۔سو اللہ تعالیٰ نے اس ارضی بشر میں جو فساد و خونریزی کا حامل ہے۔ایک تو سوٴی عطا کی کہ وہ اپنے آپکو خیر کی حد میں پابند کرنے کی قوت پا سکے جس سے وہ اشرف المخلوقات بنا۔دوسری قوت وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ اور اس میں اپنی روح پھونک دونگا۔یہ روح انسانی مرکب سے زائد کیفیت ہے۔جو صرف اسلئے دی گئی کہ اس قوت سے۔ تسبیح وتقدیس کے ذریعہ پہچان (معرفت) حاصل کی جائے۔یہی وہ روح ہے۔جسکے نفخ ہونے سے بشر خلیفہ کہلایا! یہی وہ روح ہے۔جس میں اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کا راز مضمر تھا۔!۔۔ زمینی پیداوار کی حیثیت سے تو ملائکہ نے اسے دیکھا۔کہ زمینی پیداوار کے اعتبار سے۔یہ پیدائش اشرف المخلوق الۡاَرض ہوسکتی ہے۔مگر تسبیح وحمد کے اعتبار سے یہ پیدائش اشرف الۡمَلٰٓئِکَۃ نہیں ہوسکتی۔ لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ اس بشر میں ایک اضافی روح بھی پھونکی جائیگی جو اس میں تسبیح وحمد کی صلاحیت پیدا کر کے اَشۡرَفُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بنائیگی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی کہا کہ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ۔اب تم پر واجب ہوگا کہ تم اسے اپنے سے اشرف وبرتر تسلیم کرو۔اللہ تعالیٰ نے بلا دلیل ایسا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس تسلیم کیلئے ایک ثبوت فراہم کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خلیفہ کے پیدائشی واقعہ کے بیان میں اس ثبوت کا ذکر بھی کرتا ہے۔کہ جب بشر پیدا ہوا۔تو۔اس میں دو کیفیتیں اضافی جو اسکی تخلیق کا حصہ نہ تھیں انسانی جسم میں ودیعت کیں۔جو ملائکہ کے علم میں نہ آئی تھیں۔ وہ کیفیتیں وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ ۔۔۔ اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کی نشاندہی تھی۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ اور آگاہ کیا آدم کو تمام اسماء سے۔پھر پیش کیا اسکو ملائکہ کے آگے۔اور کہا ملائکہ سے خبر دو مجھکو اپنے اسماء سے اگر تم سچے ہو ۔۔۔اس بیان پر عمیق نظر سے فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ جب آدم میں روح پھونکی اور یہ انسان مکمل ہو چکا۔تو اب ایک دانستہ بیان کی کیا ضرورت ہے؟ کہ آدم کو اسماء کا علم دیا

گیا۔اور پھر کس لئے ملائکہ سے کہا گیا کہ خبر دو اسماء کی۔؟ اور اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔؟

یہ دانستہ بیان صرف ملائکہ کے اعتراض میں خلیفہ کی خصوصیت کے اظہار کیلئے دیا گیا۔ اور اظہار عِلْمٌ سے کیا گیا۔عَرَضَھُمْ سے مقصود تسبیح وحمد کی خصوصیت۔ اَنْبِئُوْنِیْ سے غرض علم۔یعنی تسبیح وحمد کے ذریعہ معرفت کے نتیجہ میں اسماء واسرار کی آگاہی! کس میں کسقدر ہے! اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کا اشارہ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط۔کی طرف ہے کیا تو اس کو بنائیگا جسکا خاصہ فساد وخونریزی ہے اور تسبیح و حمد تو ہم کرتے ہیں! اگر تم اس قول میں سچے ہو تو تم اپنی تسبیح وحمد کے نتیجہ میں اپنے اسرار ملکوتی کی ہی خبر دو! مگر چونکہ انسان ہی کو یہ شرف روح کے ذریعہ عطا کیا گیا۔اسلئے ملائکہ نے اپنی کمتری کا اظہار و ثبوت پیش کرتے ہوئے کہا۔

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ تو غلط کہنے غلط کرنے سے پاک ہے۔نہیں خبر ہمیں اسماء کی مگر جتنا تو نے ہمیں علم دیا۔تحقیق تو جاننے والا ہے۔چھپی باتوں کو۔

اب اللہ تعالیٰ نے بشر کو خلیفہ بنانے کے ثبوت میں بشر سے دلیل پیش کی قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآءِ ھِمْ اے آدم تو اِنکو اِنکے اسماء واحوال کی خبر دے۔یہ اسلئے کہ بشر کیلئے بشری خاصیت میں ملکوتی احوال کی خبر دینا ممکن نہیں۔بشر تو اپنے ماحول کی اشیاٗ کی خبر دے سکتا ہے۔کیونکہ یہ اشیاٗ اسکے قریب ہیں۔اور ملائکہ بھی تو ان سفلی مادی اشیاٗ پر احاطہ کر سکتے ہیں۔! کیونکہ وہ نوری ہیں انکی قوتِ علم بشر کے مقابلہ میں وسیع ہے۔ان کیلئے جبکہ وہ یہ جان سکتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کیا ہے۔زمینی اشیاٗ جاننا آسان ہے۔اسلئے اس مقابلہ میں بشر کی افضلیت تب ہی ثابت ہوسکتی ہے۔کہ یہ ملائکہ کی قوت علم سے زیادہ کیفیات کی خبر دیکر اپنی افضلیت کا ثبوت دے تو یہ تب ہی ہوسکتا ہے۔ بشر روح کے ذریعہ دیئے گئے علم یعنی اسماء واسرارِ ملکوتی کی خبر دے۔فَلَمَّآ اَنْبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ

جب آدم نے ملکوتی احوال واسرار کی خبر دی۔تو اسکی خلافت کا ثبوت اسکی نبوت سے ملا۔فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ۔پس اس مظاہرے پر آدم خلیفہ و نبی تسلیم کیا گیا اور تمام ملائکہ جتنے بھی مقامات ملکوتی میں موجود تھے سب نے آدم کے علم وروح کے آگے تسلیم کیا۔اور اسی روح۔اور علم وخبر نے اسے اشرف المَلٰٓئِکَةُ بنایا۔یہی روح وعلم وخبر ہے۔جسے خلیفہ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔یہی خلیفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں ازل سے مقرر ہو چکا تھا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں زمین پر بشری ہیئت میں ایک روح وعلم وخبر والا انسان پیدا کرونگا۔اسکے سوا اور کچھ نہیں یعنی زمین پر جو پیدائش بشری ہیئت میں پیدا ہو۔اسے سوّٰی اور نفخِ روح عطا ہو۔اسے علم وخبر بھی حاصل ہوگا۔وہ خلیفہ کہلائیگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنی تمام مخلوقِ ارض وسمٰوٰت میں صرف ارضی اور انسانی پیدائش کے بارے میں واضح بیان میں ذکر کیا۔کہ میرا ازلی ارادہ صرف یہی تھا کہ میں زمین کی ایک پیدائشِ انسانی کو خلیفہ کی حیثیت سے پیدا کروں۔حالانکہ اس انسانی ہیئت سے علاوہ کائنات میں اور بھی نوری۔ناری مخلوق پیدا کی گئی جو بظاہر انسانی قوت اور انسانی مرکبِ جسمانی سے برتر محسوس ہوتی ہے جسکی خصوصیت بیان میں نہیں لائی گئی۔تو پھر اس ازلی ارادے میں صرف انسان کی پیدائش میں کچھ خصوصیت ہونا ضروری ہے۔کہ انسان کو پیدا کرنے کی غرض وغایت کیا ہے؟ یہ کیفیت اِن آیاتِ قرآنی پر بہ غور مطالعہ کرنے سے واضح ہو جاتی ہے۔کہ انسان مخلوق کائنات میں سب سے کمتر قوتِ ارض کی کمتر مخلوق ہے۔اس سے بالاتر قوتیں۔آسمان نوری اور اسکی مخلوق ان سے بالاتر قوتیں عرش اور عرش سے بالاتر مقاماتِ نوری تا ذاتِ احد اور ان مقامات کی کیفیاتِ نوری بھی پیدا کی گئیں۔لیکن انسان کو باوجود سفلی حیثیت میں پیدا کرنے کے اسے ملائکہ نوری سے بالاتر مرتبہ عطا کیا گیا۔ یہ مرتبہ صرف۔روح (وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ) اور علم سے عطا ہوا۔اب اس روح اور علم عطا کرنے سے انسان پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ وہ یہ کہ یہ چیز ارادۂ ازلی میں ہے۔کہ انسان ان دونوں کیفیتوں کی حفاظت کر کے معرفتِ الٰہی کو اپنی زندگی میں قائم رکھے۔یعنی تسبیح وحمد کو قائم رکھتے

ہوئے علم وخبر سے ہر لحہ آگاہ وعارف رہے۔ ہر مخلوق نوری ومادی اپنی فطرت کے مطابق اپنے افعال پر پابند ہے۔ یہ تمام مخلوق آزمائش سے خالی ہے مگر انسان پر ایک عظیم آزمائش ڈالی گئی۔ کہ اسے سفلی حالت میں پیدا کر کے ایک عظیم روح دی گئی۔ اسی روح کے ذریعہ اسے اسرار ومعرفت کا علم دیا گیا۔ ایک طرف اسکی سفلی قوتیں اسے پستی کی طرف لے جارہی ہیں۔ دوسری طرف اسے سوٰی کی قوتِ سمع وبصر۔ دل ودماغ دیا گیا۔ اور ایک ارادہ دیا گیا۔ کہ اب یہ تیرے ذمہ ہے۔ کہ تو سمع وبصر دل ودماغ کو کام میں لا کر عروج وترقی کی طرف جائے۔ یا آرام طلبی میں اپنے مرتبہ کا خیال نہ کرتے ہوئے۔ اسرار ومعرفت سے غافل ہو کر پستی کی طرف چلا جائے۔ اسلئے تیرے لئے دو نتائج مقرر ہیں۔ اپنی شرافت کو قائم رکھا تو تُو دنیا میں سرخرو ہو کر واپس لوٹے گا۔ اگر تو اپنے مقام سے گرا تو تیرے لئے شدید ذلت اور عذاب ہوگا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ کے ارادہِ ازلی میں صرف انسان کو پیدا کرنے کی غرض وغایت یہ ہے۔ کہ سبحانک اللہ تعالیٰ غلط کرنے سے پاک ہے۔ اس نے یہ ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس کیلئے مادۂ حُب یعنی محبت کو پیدا کیا۔ یہ محبت انسان کو عطا کی کہ میں محبت کیا جاؤں۔ سو اس کیلئے اتنی عظیم ہستیوں میں منتخب کر کے تُجھ سفلی انسان کو مرتبۂ اعلےٰ دیا اسلئے تو ہی مجھ سے محبت کریگا۔ میں نے تجھے روح دی اس روح سے اپنا پر کیف ولطیف جلوہ دیا۔ جو کسی کو نہ دیا۔ اب تو میرے بغیر کسی سے محبت نہ کرنا۔ البتہ ایک سفلی مرکب کو اتنی افضلیت عطا کرنے کے ساتھ ایک آزمائش ہے۔ یہ کہ ملائکہ نوری ہیں۔ تسبیح وحمد میں مشغول ہیں۔ ان سے نافرمانی نہیں ہو سکتی یہ میرے حکم کے تابع ہیں۔ مگر تجھے ارادہ دیکر آزاد کر دیا۔ ہاں آزمائش یہ ہے۔ کہ تیری سفلی قوتیں قائم ہیں۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ تیری سفلیت تجھے پستی کی طرف لے جائے۔ اسلئے تجھ پر کٹھن محنت ہے۔ کہ تو ہر لحہ محبت کیلئے محنت میں رہے۔ اسلئے تجھ پر بار عظیم ہے۔ جس کو تو نے اپنی زندگی میں سر پر اٹھائے رکھنا ہے۔ تیرا مقام ایک دلکش اور خوبصورت زمین پر ہے۔ مگر یہ مادی خوبصورتی ہے۔ تیرا مادہ مادی خوبصورتی کا دلدادہ رہیگا۔ مگر تو روح اور سوٰی کے ذریعہ اسکی خوبصورتی کا مائل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے تو اپنے ارادے کو کام میں لا۔ اور میری طرف ہی متوجہ رہ۔ بس یہی غرض وغایت ہے۔

ایک خلیفہ پیدا کرنے کی۔ جسے روح اور علم دیکر دنیا میں ملائکہ کے مقابلہ میں ایک عظیم نبی بنا کر بھیجا گیا۔ یہی معنی نبی کے ہوتے ہیں۔ اور دنیا میں رہ کر اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا اسکی سیرت مراد ہے۔ سو دیکھنا ہے۔ کہ اس نبی کی سیرت دنیا پر کیا رہی! اس کیلئے بھی ابتدائے پیدائش کے واقعات کو قرآنی تواریخ سے مطالعہ کرنا ہے۔ کہ انسان نے دنیا پر اپنی ذمہ داری کا کسقدر خیال رکھا۔ چنانچہ قرآن نے انسانی کردار کے متعلق آئندہ واقعات کو بھی پیش کیا۔ اول واقعہ انسانِ اول کے کردار کا ہے۔

جب انسانِ اول حضرت آدمؑ کو سفلی مرکب سے پیدا کر کے۔ سوّی نفخِ روح اور علم سے مزین کر کے خلیفہ و نبی بنا کر اسکی کلی تکمیل کی تو حکم ہوا۔ کہ اب تم معرفتِ الٰہی میں مسرور رہو۔ اور دنیا پر رہو۔ یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۵) اے آدم تو اور تیرا جوڑا اسکونت کرو۔ اس باغ میں۔ پس کھاؤ اس باغ میں جو چاہو جی بھر کر۔ اور نہ جانا قریب اس درخت کے (اگر گئے) پس تم ظالموں سے ہو جاؤ گے۔

یعنی اے آدم اب اپنے جوڑے کے ساتھ تمہارا قیام زمین پر ہوگا اور تمہارے اس باغ میں ہر قسم کی غذا تمہاری جسمانی نشو ونما کیلئے کافی ہے۔ یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ مگر یہاں ایک احتیاطی آزمائش ہے کہ ایک درخت ہے۔ اسکے قریب نہ جانا یا اسکا پھل نہ کھانا۔ اس حکم میں۔ ایک تو تعمیل حکمِ الٰہی مقصود ہے۔ دوسرے اس میں مادیت کا غلبہ ہے۔ اگر تم دونوں صورتوں میں اسکے قریب گئے۔ تو تمہاری لطافت اور مشاہدۂ علم و اسرار تم سے جاتا رہے گا۔ اور تم پر مادیت یکسر غالب ہو کر رہیگی۔ مگر یہ مقام دلکش اور لذت آور تھا۔ چونکہ یہ مقام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا۔ اسلئے آدم بافراغت نعمتوں کو کھاتے رہے۔ اس وقت آدم کی جسمانی کیفیت لطیف تھی۔ اول یہ وہ جسم تھا جسے صلصال کا لفخار اور حماءٍ مسنون کے مرکب سے بنایا گیا۔ ظاہر ہے یہ جوہری مادہ بھی اگرچہ مٹی کا تھا لیکن اس میں لطافت اور پاکیزگی تھی۔ اسکے ساتھ ہی روح کے تعلق نے آدم کو لطیف بنا رکھا تھا۔ لیکن آدم کی مادیت نے مادیت کی طرف صرف لذتِ نفس کیلئے ذرا سی توجہ کی۔ نتیجہ

یہ نکلا۔ کہ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۰) پس وسوسہ ڈالا شیطان نے۔ تا کہ ظاہر کردے انکے واسطے جو کچھ چھپایا گیا تھا اُنسے انکی شرمگاہوں سے۔ یعنی شیطان کو ایسی حالت میں موقع ملا۔ کہ آدم وحوا کو بہکائے اور انہیں لطافت سے نکالکر سفلیت کی طرف لائے۔ اور شیطان نے درخت کے قریب جانے کی تحریک دیدی اور آدم وحوا نے فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ط (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۲) پس انہوں نے درخت کے پھل کو چکھا۔ ظاہر (محسوس) ہوگئیں شرمگاہیں انکی اُن پر اور لگے باغ کے پتوں سے اپنی شرمگاہوں کو ڈھانپنے۔

یعنی انکی مادیت نے لطافت پر غلبہ پالیا اور انہیں اپنی شرمگاہیں محسوس ہونے لگیں کہ ان پر شہوت کے آثار غالب آچکے تھے اور مشاہدۂ اسرار ومعرفت بند ہو چکا تھا اسلئے انہوں نے اپنی شرمگاہوں کو چھپانے کیلئے درخت کے پتوں سے اپنے آپکو ڈھانپنا شروع کیا۔

غرض اس واقعہ کی کیفیت کچھ بھی ہو نتیجہ اسکا یہی نکلا کہ وافر نعمتوں اور بے محنت رزق نے آدم وحوا کو آرام طلب اور نتیجہ سے بے خبر کردیا۔ جس سے انکے مشاہدۂ علم وخبر میں فرق آگیا۔ اور وہ مقام نبوت سے گر گئے۔ اور پریشان ہوکر ندامت سے پکارنے لگے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۲۳) اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہوجائینگے۔ اللہ نے معاف کیا۔ اور اب کہا۔ اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ نکلو اس باغ سے اور زمین کی وسعتوں میں اترو۔ اب تمہاری اولاد میں ایک دوسرے سے عداوت ہوگی۔ اور تمہارا مستقل ٹھکانا زمین ہے۔

ظاہر ہے کہ آیت بالا میں خطاب صرف يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ۔ آدم اور اسکے جوڑے کی طرف ہے۔ لیکن بھول ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ــــ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" اترو اس باغ سے تم سب اور تمہارے واسطے ایک دوسرے سے دشمنی ہو گی۔ظاہر کرتا ہے کہ یہ اشارہ ایک کثیر جماعت کی طرف ہے۔حالانکہ باغ میں صرف دو ہی نفوس آدم وحوا ہیں۔اس اشارہ سے آیت اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج کی تائید ہوجاتی ہے۔کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط میں زمین کی ہر پیدائش شامل ہے۔اور اس پیدائش کا پہلا مظہر حضرت آدمؑ ہیں۔اسلئے زمین پر اولادِ آدم میں مثلِ آدمؑ ہر انسان خلیفہ ہی پیدا ہو گا۔اور ہر انسان کی ہیئتِ جسمانی میں مثلِ آدم وہی خاصیت ہوگی جو حضرت آدمؑ کے جسم میں حَمَاءٍ مَّسْنُوْنٍ۔سَوّٰی اور نَفَخْ رُوْحْ مرکب کئے گئے۔سو ظاہر ہے کہ ہر انسان ایک سُلٰلَةٍ (جوہر) سے فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (رحم مادر) میں پیدائش کی ابتدا کرتا ہے۔یہ جوہر ابتداءً زندہ ہوتا ہے۔رحمِ مادر میں ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا انسانی ہیئت میں آتا ہے۔یہاں تک کہ چار ماہ تک اسکی ہیئت مکمل ہو جاتی ہے۔چار ماہ گزرنے کے بعد جبکہ یہ زندہ انسان ہوتا ہے۔اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔یہ روح نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ مقرر کردہ روح ہوتی ہے۔جو خلیفہ بننے کیلئے انسان میں نفخ کی جاتی ہے۔اسی روح سے علم الاسماء کی آگاہی ہوتی ہے۔لہٰذا جب ہر انسان میں روح پھونکی گئی تو اس کیلئے لازم ہوگا کہ اسے بھی علم الاسماء دیا جائے۔ورنہ اس روح کا نفخ بے مقصد رہ جائیگا۔اور جب ہر انسان کی ہیئت ومرکب حضرت آدمؑ جیسی ہے۔تو خلیفہ ہونے کے اعتبار سے ہر انسان اپنی پیدائش میں۔خلیفہ ہی پیدا ہوگا۔خلیفہ کی خصوصیت۔روح ــــ اور علم وخبر سے ہے۔کہ انسان کو اسماء کی خبر دی گئی۔اسلئے ہر انسان اپنی پیدائش میں نبی کہلائیگا۔اسلئے ہر انسان کیلئے لازم ہے کہ وہ دنیا میں اپنی خلافت اور نبوت کو ہر لمحہ قائم رکھے تو خلیفہ کہلائیگا۔

زمانہ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ ابتدائے پیدائش میں اولادِ آدم کا ہر فرد۔پاکیزہ جسم۔پاکیزہ روح پیدا ہوتا رہا۔اسلئے انکا علم وخبر اور مشاہدہ اسرار واسماء بھی قائم رہا۔جبکہ ارادۂ الٰہی بھی یہی تھا کہ زمین پر ایک خلیفہ ونبی ہی پیدا ہو۔فرق صرف اتنا رہا۔کہ حضرتِ آدمؑ کو انکی جسمانی تکمیل پر روح نفخ کی گئی اور ہوش وحواس کے قائم ہونے پر اسماء کا علم دیا گیا۔اور اولادِ آدم

میں چونکہ تخلیقی ترکیب رحمِ مادر سے ہوئی۔انہیں نفخ روح بھی رحم مادر میں کی گئی تو ضروری ہے کہ ایسے وقت میں اسکے حواس مکمل نہیں۔تو جو علم اسے دیا جاتا ہے۔وہ روح کے ذریعہ دیا جاتا ہے۔لیکن انسان ہوش وحواس کامل نہ رکھنے کے باعث اپنے علم سے جب تک اسکی دماغی قوت سالم نہ ہو ظاہراً بے خبر رہتا ہے۔اور اپنی عمر کے بلوغ پر ہی اسے اس علم کی آگاہی ہوسکتی ہے۔لہٰذا جوں جوں اسکی دماغی قوت سالم ہوتی جاتی ہے۔یہ اپنے علم ومشاہدہ میں کامل ہوتا جاتا ہے۔اور اپنی جسمانی اور ذہنی تکمیل پر پہنچکر یہ صاحب خبر صاحبِ مشاہدہ ہو جاتا ہے۔فرق یہی ہے کہ حضرت آدمؑ ابتدا میں ہی اپنی نبوت سے باخبر ہوئے اور اولاد آدم نفخ روح پر علم نبوت پالیتی ہے۔لیکن قوتِ ذہنی (دماغی) کی تکمیل پر باخبر ہو جاتی ہے۔اسکے بعد یہ چیز اسکے ارادے پر منحصر ہو جاتی ہے۔کہ وہ اپنے ارادے سے اسکی حفاظت کر کے اپنی زندگی کے انجام (اِلٰی حِیْنٍ) تک خلیفہ ونبی کے مقام پر قائم رہے۔ اسلئے ابتدائے پیدائش کا ہر فرد اسی انداز سے خلیفہ رہا۔یہاں تک کہ سلسلہ تناسل سے آبادی بڑھتی گئی اور انسان زمین کی وسعتوں میں پھرتا رہا۔اسکا شب وروز کا شغل معرفتِ الٰہی رہا۔زمین پر انسانی حالت میں رہ کر زندگی کے قیام کیلئے جسمانی حالت میں نشوونما کیلئے غذا کی بھی ضرورت رہی۔تو انسان چونکہ فطری زندگی بسر کر رہا تھا اسلئے اسے حصولِ سامان زندگی میں کسی سامان کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ انسان سے پیشتر زمین پر نباتات۔حیوانات کا ظہور ہو چکا تھا اسلئے حضرت آدمؑ نے جسطرح فطری (قدرتی نباتات) غذا حاصل کی اسی طرح اولاد آدم میں بھی فطری غذا میووں۔پتوں پر ہی بسر اوقات رہی۔کیونکہ انسان کیلئے یہی فطری غذا اسکی نشوونما کیلئے زیادہ مفید اور موزوں تھی۔جب تک ابتدائی پیدائش میں وسعت نہ تھی انسان ایک ہی غذا کا عادی رہا۔جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوا۔ انسان۔ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگا انسان کی رہائش بھی فطری تھی۔اسے کسی مکان کی ضرورت نہ تھی اسلئے اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں کوئی دقت نہ تھی اسطرح انتقالِ مکانی سے انسان نے ایک لذت سے دوسری لذت کا احساس کیا۔ایک جگہ کے میووں۔پتوں اور پانی میں ایک لذت تھی دوسری جگہ اس لذت میں فرق پایا۔تو انسان میں لذت اور لذتِ نفس کا

احساس پیدا ہوا۔اور انسان پر اب وہ وقت آیا کہ انسانی ارادے کی آزمائش ہو۔جس نے اپنے مشاہدۂ علم میں کسی دوسری لذت کے تصور کو ذہن میں جگہ نہ دی اسکا تصور و مقام علےٰ حالہٖ قائم رہا۔لیکن انسانی آبادی میں اضافہ ہونا ضروری تھا۔اسلئے متواتر مختلف لذتوں کو پا کر انسان لذتوں کے حصول کا عادی ہوتا گیا یہاں تک کہ ان لذتوں نے اسکے تصور حقیقی میں مخل ہونا شروع کیا۔اب انسان ارادۂ لذتوں کا دلدادہ ہوتا گیا۔اس لذتِ نفس نے اسکے حقیقی تصور کو کھوڈالا۔اور ایک زمانہ آیا کہ انسان اس پیدائشی علم وخبر سے قطعاً بے خبر ہو گیا اسے احساس تک نہ رہا کہ میری پیدائش ایک خلیفہ۔ نبی صاحبِ مشاہدہ کی سی ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا۔کہ انسان کی پاکیزگی اور جسمانی صلصالی اور جوہری قوتیں بھی کمزور ہونے لگیں۔اور اب اسکا سارا زور صرف حصول سامان زندگی پر صرف ہونے لگا۔اب ہر شخص اپنے حصول کیلئے ایک دوسرے پر سبقت لینے لگا۔جسکا نتیجہ ایک دوسرے سے عداوت اور فساد وخونریزی ہوا۔یہاں قرآنی بیان کے دونوں مقام پورے ہو گئے۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا اور یہ اسلئے کہ انسان نے۔خلافت کی خصوصیات کو چھوڑ دیا اور حیوانی زندگی اختیار کی۔اسلئے خلیفہ کے مقام سے گر گیا۔اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" کی پیشگوئی بھی پوری ہوئی کہ انسان نے وافر نعمتوں میں آرام طلبی اور نفس پرستی شروع کی جس سے انمیں خصوصیت خلافت باقی نہ رہی اور مثل حیوانوں کے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔آخر زمانہ ایسا آیا۔کہ باوجود خلیفہ پیدا ہونے کے انسان اپنی ذہنی تکمیل پر مشاہدۂ علم نبوت نہ پانے کے باعث یکسر حیوانی زندگی گزارنے لگا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے زمین پر خلیفہ پیدا کرنا تھا۔اور خلیفہ کیلئے یہ آزمائش تھی کہ وہ اس سفلی زندگی میں مشاہدۂ اسرار و معرفت میں کامل رہے۔مگر انسان آزمائش میں پورا نہ اترا۔اب ضرورت تھی کہ انسان پھر اپنا مقام حاصل کرے۔تو اللہ تعالیٰ نے انسانی خاصیت کے مدنظر انسان پر پھر احسان [1] کیا۔اور ایک نئے منصوبہ کا آغاز کیا۔فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ" عَلَیْهِمْ وَلَا

---

[1] لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۳۸، ۳۹) پس آئے جب تمہارے پاس میری ہدایت۔ پس جس نے میری ہدایت پر تابعداری کی۔ پس اسے نہ خوف ہے۔ نہ غم۔ اور جس نے میری ہدایت ماننے سے انکار کیا اور اسے جھٹلایا یہ لوگ جہنمی ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہینگے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی غفلت اور کوتاہی پر جبکہ انسان مقام خلافت اور نبوت سے گرا اور اسکا مشاہدہ اسرار الٰہی جاتا رہا۔ اِسے دوبارہ خلافت کے مقام پر پہنچنے کیلئے ایک طریق دیا کہ اس طریق پر چل کر دوبارہ اپنا مقام حاصل کرسکیگا۔ چنانچہ انسانی آبادی میں جب خلافت ونبوت کا تصور معدوم ہوگیا اور ہر انسان۔ انسانیت سے گر کر حیوانیت پر آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسانی اصلاح کیلئے ایک انسان کو منتخب کیا۔ لازمی طور جب انسانوں میں خلافت نہ رہی۔ نہ مشاہدہ رہا نہ علم رہا۔ تو انسانی پیدائش باوجودیکہ وہ خلیفہ پیدا ہوتا رہا۔ مگر انسانی گمراہ کن ماحول اور علم نہ ملنے کے باعث ہر پیدائش اس علم ومقام سے بے خبر رہی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو منتخب کر کے اسکی خلافت ونبوت کی حفاظت کی اور اس انسان کو ماحول سے متاثر نہ ہونے دیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایسے انسان کی نبوت محفوظ رہی اور اپنی عمر بڑھنے کے ساتھ اسکا علم ومشاہدہ قائم رہا۔ اسی علم ومشاہدہ کے ذریعہ اس انسان کو اپنی ایک ہدایت وحی کی یہی ہدایت تھی جس میں وہ احکام تھے جن پر چل کر لوگوں نے اپنا جسمانی تزکیہ کیا۔ اور لذتِ نفس کو ترک کیا۔ جس سے انہیں دوبارہ قوتِ مشاہدہ حاصل ہوئی اور انہیں دوبارہ علم نبوت یعنی اسرار الٰہی کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اب آئندہ کیلئے ایک انسان کیلئے لازم ہوگیا۔ کہ وہ اس ہدایت الٰہی پر عامل ہوکر اپنی خلافت اور مشاہدۂ اسرار الٰہی کو ہر وقت قائم رکھے اسی۔ ہدایت۔ کو کلامِ الٰہی۔ شریعت یا دینِ الٰہی سے تعبیر دیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نبوت انسان کی ازلی صفت ہے۔ جو زمین کی ہر انسانی پیدائش کو اسکی پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور ہدایت۔ ایک زائد چیز ہے۔ جو ایک منتخب انسان و نبی کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ تاکہ اس شریعت پر عامل ہونے سے ایک خلافت سے گرا ہوا انسان دوبارہ اپنا مقامِ خلافت حاصل کرے۔ اس شریعت

کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ کہ انسانوں میں ایک انسان کی خلافت ۔نبوت اور مشاہدہ۔ محفوظ رہے۔ تا کہ اسی قوت سے وہ وحی کے ذریعہ شریعت ۔ہدایت یا کلام الٰہی پا سکے اور یہی انسان راہنما بن کر باقی لوگوں کو ہدایت کا راستہ بتائے ۔ایسے انسان کو رسول کہا جاتا ہے اور اسکی وحی کو شریعت یا رسالت کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایسے وقت میں انسانوں میں کوئی نبی تصور نہیں کیا جاتا۔ اسلئے اس رسول کو ہی نبی کہا جاتا ہے کہ عام انسانوں کے مقابلہ میں یہ نبی ہوتا ہے اس حال میں کہ یہ فرد انسان پیدائشی صاحب معرفت نبی ہوتا ہے۔ اور نبی ہونے کی صورت میں ہی اسے وحی و رسالت حاصل ہوتی ہے۔ اسکے بعد عام انسانوں میں جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اپنا جسمانی تزکیہ کیا۔ تو لازمی طور جیسا کہ وہ پیدائشی خلیفہ و نبی ہوتا ہے۔ علم و خبر کے مشاہدے سے پھر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ یہی طریق ہے۔ اس ہدایت کا جسکا اللہ تعالیٰ نے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی میں ذکر کیا۔ اس ہدایت کے بھیجنے کی غرض سوائے اسکے کچھ نہیں کہ انسان جب مقامِ خلافت سے گر جائے تو اُسے اس ہدایت کے ذریعہ اپنے مقام [1] پر دوبارہ لایا جائے۔

اس سے پیشتر انسانی پیدائش میں باقی مخلوق کے مقابلہ میں ہر انسان خلیفہ ہونے کے اعتبار سے افضل تھا۔ اب انسانی پیدائش میں ایک رسول باقی مخلوق میں افضل پیدا ہوا۔ ایک تو جسمانی اعتبار سے ایک انسان باقی مخلوق میں افضل تھا۔ دوسرے علمی اعتبار سے ملائکہ سے افضل تھا۔ اب ایک انسانی پیدائش کا ظہور ہوا۔ جو جسمانی حیثیت میں بھی افضل ہے۔ علمی حیثیت میں بھی افضل ہے

---

[1] ایسی صورت میں انسانی نبوت کی اگرچہ کیفیت ایک ہی ہے مگر قسمیں دو ہو جاتی ہیں۔ یعنی پیدائشی لحاظ سے ہر انسان تو نبی کہلاتا ہے۔ لیکن ایک منتخب رسول جب اپنی رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو وہ اپنی رسالت کے ثبوت میں خود کو نبی کہتا ہے۔ یہ اسلئے کہ رسول عام انسانوں کے مقابلہ میں صاحبِ علم ہوتا ہے۔ اور باقی مخلوق رسول کی بعثت کے وقت نبی نہیں ہوتی چونکہ انسان کے ذہن میں اپنا پیدائشی تصور قائم ہے۔ اسلئے ایک رسول اسی پیدائشی خصوصیت کو بطور ثبوت رسالت کیلئے دلیل پیش کرتا ہے۔ اسلئے آئندہ ایک رسول تشریعی نبی یا رسول نبی یا مصطفےٰ نبی کہلاتا ہے اور عام انسان خلیفہ نبی کہلاتا ہے۔

اور ہدایت حاصل ہونے کی ایک اور فضیلت اسے عطا ہوئی۔لیکن جسمانی اور علمی یعنی پیدائشی حیثیت اور خلافت ونبوت میں یہ رسول پیدائشی اعتبار سے عام انسانوں سے مساوی ہے اگر افضلیت ہے۔تو اس چیز کی کہ اسکے ظہور پر انسانوں میں خلافت نہیں پائی جاتی تو رسول علمی حیثیت سے بھی عام انسانوں سے افضل نبی ہو جاتا ہے۔اور رسالت کیلئے چونکہ ایک واحد ہستی منتخب کی جاتی ہے اسلئے عام انسانوں میں یہی نبی بوجہ ہدایت وشریعت کے افضل ہوتا ہے۔البتہ جسمانی ہیئت ہر انسان کی خواہ عام انسان ہو یا رسول ہر ایک کی پیدائش کا طریق اور مرکب ایک ہی ہے۔اور جیسا کہ ہر بشر کو روح کے ذریعہ علم الْاَسماء بتایا جاتا ہے۔وہی علم الْاَسماء رسول کو بھی بحیثیت (اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط) خلیفہ بتایا جاتا ہے۔فرق یہاں اتنا ہی ہے۔کہ عام انسان میں گمراہی کے دور میں یہ صفت باقی نہیں رہتی اور نبی میں اس صفت کی حفاظت رہتی ہے جسوجہ سے اسے عام انسانوں کے مقابلہ میں نبی پکارا جاتا ہے۔ورنہ پیدائشی اعتبار سے رسول اور عام انسان مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔اس حیثیت میں کسی کو فضیلت نہیں۔جیسے ایک انسان کو باقی مخلوقِ ارضی (حیوانی) پر جسمانی فضیلت حاصل ہے۔اور اگر جسمانی فضیلت حاصل ہوئی تو وہ یا تو عطائی یا اصطفائی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ خود کسی جسم کو فضیلت عطا کرے۔یا کسی مصطفٰے کے ذاتی عمل سے تزکیہ ومجاہدہ سے فضیلت ہوسکتی ہے۔ورنہ پیدائشی اعتبار سے بحیثیت انسان ہر ایک کا وجود ایک ہی ہے۔

اِن آیات سے معلوم ہوا۔کہ انسان کی ابتداً کیسے ہوئی اسکا جسمانی مرکب کیا ہے۔ انسان نبی کیسے کہلاتا ہے۔اور رسول کا ظہور کیسے ہوا اور نبی ورسول میں کیا فرق ہے۔اور رسول کے ظہور کی ضرورت کیوں ہوئی اور مخلوقِ انسانی میں ایک انسان کو دوسرے پر فضیلت کن صفات اور خصوصیات سے حاصل ہوتی ہے۔

اسکے بعد انسانی پیدائشیں اسی طرح پیدا ہوتی رہیں۔یعنی ہر آدمی سلسلہ تناسل کے ذریعہ پیدا ہوتا رہا۔ہر انسان کا جسمانی مرکب ایک ہی (نطفہ) ہے۔ہر انسان کو ایک ہی علم (اسرار واسماء) دیا گیا۔اور جب انسان نے مشاہدۂ اسرار الٰہی سے غفلت برتی اور دنیوی لذتوں کی طرف مائل ہوا۔

تو اسکا نتیجہ فساد وخونریزی ہوئی ایسے وقت میں ایک نبی ورسول کی ضرورت ہوئی تو ایک نبی رسول کی حیثیت سے مبعوث ہوا۔ اسلئے ایک رسول شرعی اعتبار سے سب سے افضل نبی ورسول قرار دیا گیا۔ اسکے بعد قرآن نے انسانی خصوصیات اور افضلیت اور انتخاب کیلئے ایک خصوصی بیان دیا۔ جس میں سیرت النبی کی تمام خصوصیات بیان کی گئیں۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ تحقیق اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا انسانی پیدائش میں آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو تمام انسانوں میں سے۔ یعنی آدم۔ نوح۔ آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو باقی مخلوق میں فضیلت عطا کی۔ اب قرآنی تواریخ سے دیکھنا ہے کہ ان منتخب انسانوں کو کس قسم کی فضیلت عطا کی گئی ہے۔

اول حضرت آدمؑ ہیں۔ کہ انہیں ابو البشر تمام مخلوق انسانی میں خواہ نبی ہوں خواہ رسول سب کے باپ کہا گیا۔ دوسرے ارادۂ ازلی کا اولین مظہر۔ یعنی پہلا خلیفہ اور وہ انسانِ اول جس سے انسانی عظمت وخلافت کا مظاہرہ کیا گیا۔ جسے ملائکہ نے اپنے سے افضل تسلیم کیا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے تمامی اسرار واسماء کا علم دیا اس صورت میں اولاد آدم کا استاذِ اول آدم ہیں۔ اور زمین پر خلافت کی ابتدأ کرنے کیلئے آدم کو منتخب کیا گیا۔

دوسرے نوحؑ۔ یہ نبی ہیں۔ منتخب نبی اسلئے کہ جب بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" کا وعدہ پورا ہوا تو زمانہ میں کوئی انسان خلافت کے مقام پر قائم نہ رہ سکا تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت انسانوں تک پہنچانے کیلئے پہلے رسول نوحؑ نبی منتخب کئے گئے اسلئے زمین پر انسانی مخلوق میں افضل نبی نوح رسول ہیں جنہیں رسالت کیلئے منتخب کیا گیا۔ نوح کا اصطفا (انتخاب) رسول ہونے کے اعتبار سے ہے۔

اسکے بعد آلِ ابراہیم کا اصطفٰے ــــــ

حضرت نوحؑ کے بعد اولادِ آدم قبیلوں (قوموں) کی صورت میں بٹ گئی۔ اور ایک زمانہ میں انسان نے پھر حقیقی تصور کھو ڈالا۔ اور فساد وخونریزی کرنے لگا تو ہر قوم میں ایک نبی یا رسول بھیجا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا۔ کہ انسانی آبادی میں خلافت کا نام مٹ گیا۔ اسکے برعکس انحراف

نافرمانی اس حد کو بڑھ گئی کہ انسان نے خدائی کا دعویٰ کرنا شروع کیا خود کو خدا کہنے لگا اور عام انسانوں کو اپنا غلام بنانا شروع کیا۔ ایسے انسان نے دنیا پر اپنا تسلط جما کر انتہائی قوت حاصل کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت کو مٹانے کیلئے حضرت ابراہیمؑ کو منتخب کیا۔ چنانچہ انہوں نے نمرود کی خدائی اور اقتدار کو نیست و نابود کر دیا۔ اور دنیا پر ہدایت الٰہی کا اجرأ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ ایک مخصوص منتخب ہستی تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانی خصوصیتِ خلافت کی آزمائش کے امتحان کیلئے منتخب کیا۔ تا کہ ملائکہ کے اعتراض اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ کی رد میں اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ انہیں خلیفہ کی خصوصیات اور اسکے کردار کا مظاہرہ دکھائے۔ چنانچہ قرآن نے اس واقعہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خصوصیت میں بیان کیا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۲۴) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آزمائش ڈالکر انکا امتحان لیا۔ تو وہ اس امتحان میں پورے نکلے۔

پہلی آزمائش یہ کہ انسان کس طرح اپنے رب کو پہچانتا ہے؟

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ج قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ج فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ع (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۷۶ تا ۸۰) ترجمہ۔ اسطرح دکھائے ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کی قوتیں عظیم۔ تا کہ وہ یقین کرنے والوں سے ہو جائے۔ پس جب رات نے اسکو ڈھانپا تو ستاروں کو دیکھا۔ کہا یہی میرا پروردگار ہے؟ پس جب تارا چھپ گیا۔ تو کہا میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پس جب چاند کو روشن دیکھا۔ کہا

یہ میرا رب ہے؟ پس جب چاند چھپ گیا۔تو کہا اگر میرا حقیقی رب میری راہنمائی نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤنگا۔پس جب سورج کو روشن دیکھا۔تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑی قوت والا ہے۔پس جب سورج غروب ہو گیا۔تو کہا اے میری قوم تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جسے کہ تم شریک کرتے ہو۔تحقیق میں نے اپنا رخ اسی کی طرف کیا جس نے بنائے یہ آسمان اور زمین۔ اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں۔

یہ مظاہرہ تھا ایک انسان کا کہ وہ اپنی پیدائش کے ساتھ کس طرح اپنے پروردگار کی پہچان کیلئے سمع و بصر۔دل و دماغ سے تحقیق کرتا ہے اس تحقیق میں حضرتِ ابراہیمؑ نے صحیح راہ پا کر اپنے رب اور معبود کو پالیا۔دوسری آزمائش اس سے شدید تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ حضرت اسماعیلؑ اور اُنکی والدہ کو مکہ کے ریگستان میں چھوڑ آؤ۔یہ وہ جگہ تھی جہاں ایک انسان کیلئے کھانے پینے رہنے کا کوئی سامان مہیا نہ تھا صرف لق و دق ریگستان تھا۔حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو بمعہ انکی والدہ کے اس جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے نورِ نظر تھے اور آپکی بیوی بھی آپکو عزیز تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اللہ کی محبت پر سب کچھ قربان کر دیا۔اور بتا دیا کہ بشر خلیفہ کی صفت میں صرف تسبیح و عبادت پر ہی اکتفا نہیں کرتا۔بلکہ اپنی جان اپنی اولاد اور مال اللہ کی محبت میں قربان کر دیتا ہے۔

تیسری آزمائش اس سے زیادہ شدید تھی۔وہ حضرت اسماعیلؑ کو قربانی دینے کی آزمائش تھی۔

جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور انکی والدہ کو مکہ کے ریگستان میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر آئے تو اللہ تعالیٰ نے اسی ریگستان میں قدرت کاملہ سے انہیں رزق پہنچایا۔اور اسی جگہ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کے پاک قدموں سے ایک بستی وجود میں آئی۔حضرت اسماعیلؑ نے جب ہوش سنبھالا۔تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اِنکی قربانی دینے کا حکم دیا۔چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی دی۔یہ انتہائی تسبیح وحمد اور جذبۂ محبت و رضا کا مظاہرہ تھا۔تا کہ اللہ تعالیٰ

ظاہر کردے۔اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ جوتصور خلیفہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ملائکہ اس تصور سے آگاہ نہیں۔ کہ ارضی انسان۔نافرمانی اور فساد وخونریزی ہی نہیں کریگا بلکہ وہ انتہائی فرمانبردار اور اللہ تعالیٰ کی محبت ورضا میں اپنی ہر شے قربان کرنے والا ہوگا جسکے آگے تمہاری تسبیح کی کچھ حیثیت نہ رہے گی! اسلئے حضرت ابراہیمؑ کا اصطفٰے مظاہرِ خلافت۔یعنی آزمائشِ انسان کیلئے تھا۔کہ آپ نے اپنی انسانیت وخلافت کا وہ مظاہرہ کیا کہ ملائکہ نے انسانی عظمت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔اور انہیں معلوم ہوا۔کہ ارضی خلیفہ کی صفت کیا ہے۔اور ابھی اور مظاہر باقی ہیں۔جو اِصۡطَفٰۤی ءِ آل عمران میں ظاہر کئے جائینگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اصطفائے آل ابراہیم ہے۔آپکی آل حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔حضرت اسحاقؑ سے حضرت یعقوبؑ۔حضرت یعقوبؑ سے قوم بنی اسرائیل۔بنی اسرائیل سے مراد بنی یعقوب۔حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا۔اسی قوم بنی اسرائیل سے تمام انبیاؑ ورسول ہوئے۔یہی انتخاب آل ابراہیم کا ہے کہ آپکی آل سے تمام رسول حضرت یوسف۔داؤد۔سلیمان۔موسیٰ علیہم السلام وغیرہ ہوئے۔

اسکے بعد قرآن نے آلِ عمران کی خصوصیت واصطفٰے کا ذکر کیا۔یہ ذکر قرآن نے تفصیل کے ساتھ کیا۔جس میں انسانی تخلیق اور نبوت کے ظاہر نشان بتائے۔آلِ عمران آلِ ابراہیم اور بنی اسرائیل میں ہی شامل ہے۔لیکن عمران کا خصوصی طور ذکر اسلئے ہوا۔کہ آل عمران کے اصطفٰے میں چند واقعات نہایت عجیب اور انوکھے ہیں۔جن میں اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش اور خصوصیات کو ایک انوکھے انداز سے ظاہر کیا ہے۔قرآن نے آل عمران کے واقعات کو ایک قصہ کی صورت میں بیان کیا۔جسکی ابتدا حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ○ جب پکارا زکریا نے اپنے رب کو پوشیدہ طور رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ○ اے رب میرے بدن کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں۔اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گیا ہے۔لیکن میں تجھ سے

مانگتا ہوں ایک اولاد اور میں نامراد نہ ہونگا ـــــ حضرت زکریاؑ نے اس وقت دعا مانگی جب انکی عمر ضعیف ہو چکی تھی اور اس حد سے گزر چکے تھے کہ انسے کسی اولاد کا ہونا۔ ناممکن تھا۔ دوسری طرف انکی بیوی بانجھ تھی۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ○ میں اپنے بعد اپنے اقارب سے مخدوش ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنی قدرتِ کاملہ سے مجھے لڑکا عطا کر۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت زکریاؑ اور انکی بیوی میں طریق تناسل سے کوئی لڑکا پیدا ہونے کی صورت نہ تھی۔ اسکے باوجود حضرتِ زکریاؑ نے اللہ سے ایک لڑکا مانگا۔ بظاہر قانونِ فطرت کے مطابق ایک ضعیف مرد اور بانجھ عورت سے بہ طریق تناسل لڑکا ہونا۔ غیر فطری (یعنی خلافِ فطرت) ہے۔ لیکن زکریا کی دعا کی اگر قبولیت ہو۔ تو اس کیلئے ایک پیدائش کیلئے قدرتِ کاملہ ایک روحانی سبب پیدا کریگی۔ اور یہ پیدائش گزشتہ طریق پیدائش سے بالکل نئی اور علیٰحدہ پیدائش ہوگی۔ کیونکہ جب انسانی پیدائش کیلئے نطفہ کا سبب موجود نہیں تو اسکے لئے کوئی اور سبب ضرور ہوگا۔ تو اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ ایک نئی تخلیقی ترکیب کا آغاز کرتا ہے۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کو بشارت دی کہ اے زکریا تمہیں ایک لڑکا دیا گیا جسکا نام یحییٰ ہوگا۔ یہ ضروری ہے۔ کہ جب مرد میں قوتِ تناسل نہیں اور عورت میں بچہ پیدا کرنے کی قوت نہیں۔ تو پھر اسکی کیا ترکیب ہوگی۔ یہی سوال حضرت زکریاؑ کے دل میں پیدا ہوا۔ کہ آیا اس تخلیق کے اسباب اور ترکیب پیدائش اور مرکب کیا ہوگا۔ تو اللہ سے پوچھا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عَتِیًّا ○ کہا زکریا نے اے رب میرے کیسے لڑکا ہوگا؟ جب کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں ضعیف بوڑھاپے تک پہنچا ہوں؟۔ تو اللہ نے مختصر جواب دیا۔ کہ ابھی اس کیفیت سے تو آگاہ نہیں ہوسکتا۔ میرے پاس ایسی پیدائش کیلئے اسباب وذرائع موجود ہیں لہٰذا قَالَ رَبُّکَ تیرے رب نے کہا کَذٰلِکَ اسی طرح ہوگا! هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ یہ میرے لئے آسان ہے۔ وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ

وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ○ اس سے پیشتر بھی میں نے انسان اس حالت میں پیدا کیا جب کہ اسکے لئے کوئی ظاہر سبب ماں باپ سے موجود نہ تھا۔ اور اس سے پیشتر کوئی انسانی وجود بھی موجود نہ تھا۔ لیکن ہم نے بغیر ماں باپ کے ایک ذرہ سے انسان کا وجود تیار کیا۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ اس انسانی پیدائش میں اگر نطفہ یا مادہ نہیں۔ تو غیر مادی قوت (نوری قوت) ضرور ہوگی سو یہ پیدائشی ترکیب گزشتہ ترکیبوں سے علیٰحدہ ترکیب ہے۔ جس میں قدرت کاملہ سے ایک نئی ترکیب کے ساتھ ایک خلیفہ ایک نبی پیدا ہوتا ہے۔ جسکا جسمانی مرکب باقی مخلوق سے مختلف ہے۔ مرکب اگر مادہ سے حاصل نہ ہوا۔ تو نور سے ہوگا۔

قرآن کا یہ ابتدائی اور نئی طرز کا بیان اصطفائے آل عمران کی تمہید ہے۔ کیونکہ اصطفٰے آل عمران میں تخلیق کا ایک نیا باب کھلنے والا ہے۔ جسکے لئے بطور پیشگوئی یا بطور دلیل تخلیق یحیٰی کو پیش کیا گیا۔ اور تخلیق یحیٰی کی دلیل ایک اور پیدائش سے دی جائیگی جس میں خالصتاً پیدائشی مرکب وسبب نور ہوگا۔ چنانچہ قرآن نے آل عمران کے اصطفٰے کو آل عمران سے ہی شروع کیا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ج اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ جب کہا عمران کی بیوی نے اے رب میں نے نذر کیا جو کچھ میرے پیٹ میں ہے پس تو اسے قبول کر میری طرف سے تحقیق تو میری دعا سننے والا جاننے والا ہے۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَآ اُنْثٰی ۔ پس جب اُس نے لڑکی جنی۔ تو عمران کی بیوی کو پریشانی ہوئی۔ کہ لڑکی کیسے لڑکے کی جگہ نذر مانی جائیگی۔ لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ج نہیں لڑکی مانند لڑکے کے! وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط مگر اللہ جانتا تھا جو کچھ اس نے جنا۔ کہ اصطفٰے آل عمران میں ارادۂ الٰہی سے لڑکی ہی پیدا ہونی تھی اس لڑکی کا نام سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ مریم رکھا گیا۔

حضرت موسیٰؑ کے دین میں یہ طریق چلا آتا تھا۔ کہ لڑکوں کو نذر مان کر ہیکل (گرجہ) میں لایا جاتا۔ جہاں دین موسوی کے عالم ہیکلوں میں احکامِ دین کا چرچا کرتے۔ اور نذر مانے ہوئے لڑکوں کو اپنی پرورش میں رکھکر انہیں پرہیزگاری اور علم سکھاتے۔ تا کہ ایسے لوگ عالم بنکر دین کا اجرا

کریں۔لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ عمران کی بیوی نے لڑکے کی جگہ لڑکی کی نذر پیش کی۔خلافِ معمول لڑکی کا نذر میں قبول ہونا۔مشکل تھا۔لیکن ارادۂ الٰہی کے تابع راہبوں نے حضرت مریمؑ کو نذر میں قبول کیا۔فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ پس اللہ تعالیٰ نے بہ طریق احسن حضرت مریمؑ کو قبول کیا۔اور القائے ربانی کے تحت راہبوں نے بھی اسے قبول کیا اور حضرت مریمؑ کی پرورش میووں سے کی گئی اور انکا کفیل حضرت زکریاؑ کو بنایا گیا۔

حضرت مریمؑ چونکہ لڑکی تھیں اسلئے انکی پرورش کا خصوصی انتظام کرنا پڑا۔کہ راہبوں میں سے کون حضرت مریمؑ کی پرورش کرے۔چنانچہ انکا کفیل منتخب کرنے کیلئے القائی طریقہ اختیار کیا گیا۔ راہبوں نے رواجی طور دریا میں قلمیں پھینکیں ہر قلم دریا کے بہاؤ میں بہہ گئی۔لیکن حضرت زکریاؑ کے نام کی قلم بجائے نیچے کی طرف بہنے کے اوپر کی طرف چڑھنے لگی۔علمائے یہود میں یہ ایک القائی طریقہ فال نکالنے کا تھا۔چنانچہ حضرت زکریاؑ کو حضرت مریمؑ کا محافظ و پرورش کنندہ مقرر کیا گیا۔اور حضرت مریمؑ کو ہیکل کے مشرقی حجرے میں مقفل رکھا گیا۔کیونکہ دین موسوی میں یہ طریق مقرر تھا۔ کہ ہیکل کے محراب کی دائیں جانب ایک حجرہ ہوتا تھا۔جس میں راہب چلہ کشی کرتے۔اور زیادہ وقت اسی حجرے میں مراقبہ کیا کرتے۔اسی حجرے میں ایک نذر مانے ہوئے لڑکے کو رکھتے اور اسکی پرورش کی جاتی۔راہبانہ طریقہ پر اسے تربیت دی جاتی تا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر راہب بنے اور صاحب علم۔خبریں بتانے والا ہو۔اسکے لئے ایسے لڑکے کو تزکیہ (فاقہ) کرایا جاتا اور اسے دینی تعلیم دی جاتی۔اسی حجرے میں حضرت مریمؑ کو رکھا گیا۔اور حضرت زکریاؑ انکی پرورش اور نگہداشت کرتے رہے۔حضرت مریمؑ کو راہبہ بننے کو صورت میں۔ایسی ہی غذا دی جاتی جس میں مادیت کا غلبہ اثر انداز نہ ہو سکے۔بہت کم مقدار میں میوے دیئے جاتے۔اور انہیں مقفل رکھا جاتا۔یہاں تک کہ حضرت مریمؑ اس عمر کو پہنچیں کہ انکے ہوش و حواس مکمل ہو گئے۔ایسے ہی موقع پر ایک دن جب حضرت زکریاؑ باہر سے حجرے میں داخل ہوئے تو ایک عجیب واقعہ دیکھنے میں آیا۔كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ مقفل حجرے میں حضرت مریمؑ کے سامنے مقررہ

مقدار سے زیادہ غذا (قسما قسم میوے) پائی تو حیرت میں پڑ گئے کہ اس مقفل حجرے میں یہ میوہ کہاں سے آیا تو پوچھا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا ط اے مریمؑ یہ میوہ تیرے لئے کہاں سے آیا؟ تو حضرت مریمؑ چونکہ اپنے تزکیہ۔ مراقبہ اور تحلیل نفسی میں کامل ہو چکی تھیں۔ تو بتایا۔ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ یہ رزق تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ اللہ جسے چاہے دیتا ہے۔ بغیر حساب کے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو مصطفٰے کیا تھا۔ اسلئے انہیں تمام نفسانی کثافتوں سے پاک رکھنا تھا۔ جسکے لئے اللہ نے انہیں اپنی طرف سے پاک (روحانی) غذا بھیجی جسکے کھانے سے حضرت مریمؑ کا وجود۔ پاکیزہ اور لطیف ہو گیا۔ اور وہ صاحب معرفت یعنی اسرار الٰہی سے آگاہی پانے والی ہو گئیں چنانچہ انکی پاکیزگی کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بشارت دی۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ○ جب کہا ملائکہ نے اے مریم تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہیں منتخب کیا۔ اور تمہیں پاکیزہ جسم کیا دنیا کی عورتوں میں سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کے ذریعہ حضرت مریمؑ کو بشارت دی کہ تمہیں دنیا کی عورتوں میں سے کسی خاص وقوعہ کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔ چونکہ ہم نے تمہیں غیب سے روحانی غذا عطا کی ہے۔ وَاَنْبَتَھَا نَبَاتًا حَسَنًا (اور دیا ہم نے اسے لطیف میووں سے) اسلئے تمہارا جسم مادی کثافتوں سے پاک اور لطیف رکھا گیا۔ اب یہ اصطفٰے اور طہارت کس غرض سے تھی۔ اسکا ذکر قرآن نے دانستہ طور اور واضح الفاظ میں کیا ہے۔ یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے بطور دلیل پیش کئے ہیں۔ اسلئے ان واقعات کو دانستہ (جان بوجھ کر) بیان کیا گیا ہے۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ م اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا ○ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ ذکر کیجئے اس قرآن میں سے حضرتِ مریم کا جبکہ راہبوں نے اسے ہیکل کے مشرقی حجرے میں مقفل کر رکھا تھا۔ پس ہم نے حضرت مریم کی طرف (اس مقفل حجرے کے اندر) ایک اپنا روح (ملائکہ) بھیجا۔ پس وہ ایک انسانی اعضاء والا مثل بشر اسکے سامنے آیا۔ اس آیت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک آئندہ آنے والے واقعہ کے تسلیم و یقین کیلئے۔ اس میں ثبوت اور مثالی دلیلیں پیش کی

گئی ہیں۔اسلئے اس آیت پر عمیق نظروں سے غور کرنا ہے۔کہ پیشتر آیت میں اِذْقَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ میں ایک ملائکہ کا ذکر ہے جسکے معنی نوری پیکر کے ہیں۔یعنی ملائکہ کا وجود نوری ہے۔اسی لئے دوسری جگہ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا بتایا گیا یہاں ملائکہ کو روحنا اپنی روح کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کو روح کہا جاتا ہے۔اور روحنا سے بھی مراد روح اور روح سے مراد نور ہے۔کیونکہ ملائکہ آسمانی مخلوق کا جسم نوری ہوتا ہے۔اسلئے ملائکہ۔روح سے مراد نور ہے۔اور روحنا سے بھی مراد مخلوق نور لیا جائیگا کیونکہ یہاں روحنا سے مراد ملائکہ ہے۔اور ملائکہ آسمانی مخلوق ہے۔فَتَمَثَّلَ پس وہ انسانی ہیئت (ہاتھ۔پاؤں۔سر۔جسم انسانی) میں محسوس ہوا سَوِیًّا سَوّٰی سے ہے اور سوّٰی سے مراد وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ ط بنائے بشر میں آنکھ۔کان۔دل و دماغ۔یہ انسان کی جسمانی قوی ساخت کی نشاندہی کرتے ہیں۔اسلئے بَشَرًا سَوِیًّا میں بشری ہیئت کا اظہار کیا گیا۔جس سے ثابت ہوتا ہے۔کہ نور بشری ہیئت اختیار کرنے پر قادر ہے۔اور نور بشر محسوس ہوتا ہے۔جسکے لئے قرآن نے پھر دانستہ طور حضرت مریمؑ کی زبانی دلیل پیش کی۔قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا ○ حضرت مریمؑ نے جب بے موقع ایک انسان کو حجرے میں پایا۔تو ایسی حالت میں ایک غیر شخص کے بے موقع موجود پانے پر۔ملائکہ (مثل بشر) سے کہا۔کہ میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن (اللہ) سے کہ تو کس نیت سے حجرے میں داخل ہوا ہے؟ تو ملائکہ نے کہا۔اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۖ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ○ سوائے اسکے نہیں۔کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ایک ملائکہ ہوں۔تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دیا جائے۔

اس بیان سے ثابت کرنا ہے۔کہ اگر نور بشری ہیئت اختیار کرے یا بشر محسوس ہو۔تو اس میں نوری صفت قائم رہتی ہے۔بشری ہیئت پانے سے نوری خاصیت نہ بدل جاتی ہے۔نہ نوری جسم میں تنزل واقع ہوتا ہے۔دوسرے بشری ہیئت محسوس ہونے کے باوجود بشری جسم میں نوری خاصیت ویسی ہی رہتی ہے۔جیسے نوری جسم میں ہوتی ہے۔تیسرے یہ کہ روح یا نور بشری ہیئت میں آسکتا ہے۔اسکے علاوہ ایک خصوصی واقعہ کا اظہار کیا گیا۔کہ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا حضرت مریمؑ کو جو

ابھی تک حجرے میں معتکف رہیں۔ بغیر اسباب ظاہری کے ان سے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو قدرتِ کاملہ کے ذریعہ پیدا ہوگا۔ حضرت مریمؑ نے پوچھا قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ" وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ" وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ○ کہا حضرت مریمؑ نے میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ اور نہ مجھے کسی بشر نے چھوا۔ نہ میں خلاف فطرت چلی ہوں؟ یہی وہ واقعہ ہے۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے واقعہ سے پہلے چند واقعات کا بطورِ دلیل ظہور کیا۔ اور اسکا ذکر قرآن میں دانستہ طور کیا۔

ماں باپ ہیں مگر بطریق تناسل ان میں قوت وصلاحیت موجود نہیں۔ سبب موجود نہیں۔ اگر ظاہری سبب موجود نہیں۔ تو قدرت کاملہ میں ایسی پیدائش کیلئے بھی ایک نوری مرکب سبب ہے۔ جو نطفہ کی جگہ اسی طرح کام کرتا ہے۔ جسطرح بغیر ماں باپ کے حضرت آدمؑ کا وجود ظاہر ہوا ــــــ حضرت یحییٰؑ کے نوری وجود ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ ــــــ ثبوت آئندہ دانستہ واقعات میں روحنا اور فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔یعنی نور بھی بشری ہیئت حاصل کر لیتا ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے نطفہ کی جگہ نور سے بشر پیدا کیا۔ سوال ــــ یہ تو ملائکہ صاحبِ ارادہ ہے۔ جو بشری ہیئت میں آیا۔ مگر نور کا بطن مادر میں نطفہ کی جگہ جانا اور بشر ہونا تو ثابت نہیں؟ اسی کیفیت کے ثبوت کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو بشارت دی کہ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ" جہاں ایک مرد کا نطفہ میسّر نہ ہو وہاں وہ قدرتِ کاملہ سے پیدا کریگا۔ تو اللہ کہتا ہے قَالَ کَذٰلِکِ کہا ملائکہ نے اسی طرح پیدا کریگا۔ بغیر نطفہ کے ــ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ" ج وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ○ کہا آپکے رب نے یہ میرے لئے آسان ہے (میں ایسی بھی مثال قائم کرونگا) تا کہ یہ واقعہ آئندہ کیلئے ایک نشان۔ ایک ثبوت۔ ایک دلیل ایسے لوگوں کیلئے پیش کروں جو ایمان بالغیب کے ساتھ یہ یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ نور سے بشر بنا سکتا ہے جسے چاہے۔ اور بشر نور ہو سکتا ہے۔ جسے چاہے بنائے یہ رحمت ہے ہماری طرف سے اور ایسا کرنا ہمارے ارادۂ ازلی میں ازل سے مقرر ہو چکا تھا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ " فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے منصوبے میں۔ صلصال ۱۔ حماء مسنون ۲۔ سللۃ ۳۔ ماء مھین ۴ یعنی۔ ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی ۱۔ لیسدار کیچڑ ۲۔ مٹی کا جوہر ۳ اور آخری ہیئت ۴ نطفہ سے ماسوائی نور

سے بھی مخلوق بناؤنگا۔ جس میں زمینی اجزاُ خاکی کی خاصیت نہ ہوگی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اصطفٰۓ آل عمران کو اسی نئی تخلیق اور اس تخلیق کے ذاتی صفاتی کمالات کے اظہار کیلئے مقرر کیا اور وہ اصطفا یہی تھا۔ کہ حضرت مریمؑ سے ایک لڑکا پیدا ہو۔ تو اللہ نے اس منصوبے کی تکمیل کا اظہار جلّی طور واضح الفاظ میں کیا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا اور ہم نے حضرت مریمؑ میں اپنا روح پھونک دیا۔ یہ قرآن اصطلاح قریش میں بیان کیا گیا۔ یہ عربی زبان۔ ازلی زبان ہے۔ یہ زبان اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جو حضرت آدمؑ نے بولی ـــــ جو حضرت آدمؑ کی اولاد نے بولی۔ جو حضرت ابراہیمؑ نے بولی۔ جو حضرت اسماعیلؑ نے بولی۔ جو اولادِ اسماعیلؑ میں پشت در پشت چلی آئی اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس زبان کا نام کیا تھا۔ مگر مکہ میں بنی اسماعیل خاندان میں بولنے کی وجہ سے اسے عربی یعنی دیہاتی زبان کہا گیا۔ اس زبان میں انتہائی فصاحت و بلاغت ہے۔ اس زبان میں انتہائی وسعت ہے۔ کوئی زبان عربی الفاظ کی وسعت کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ عربی زبان کے الفاظ کی کیفیت سوائے عربی کے کسی زبان سے ادا نہیں ہوسکتی۔ مثال کے طور اَلْحَمْدُ۔ اسکے معنی اتنے وسیع ہیں کہ ایک لفظ پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ اسکے مقابلہ میں ''تعریف'' کہنا حمد کے معنی کیلئے کافی نہیں۔ بلکہ تعریف سے حمد کے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اور تعریف کے لفظ سے حمد کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح قرآنی اصطلاحِ قریش میں یہ کمالِ خصوصیت ہے۔ کہ ہر شے کو اسکی صفت کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً فَجَرَ۔ اور صبح کا لفظ فجر کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ فجر خود اپنے معنی سے اپنا احاطہ کرسکتا ہے۔ فجر کے معنی۔ بہہ نکلنا۔ پھوٹنا۔ فجر صبح کے وقت کو کہا گیا۔ یعنی جب رات کے اندھیرے میں صبح کی سفیدی چشمہ کے مانند بہنے یا پھوٹنے لگے۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ط پس بہہ نکلیں اس پتھر میں سے بارہ آنکھیں۔ عین آنکھ کو کہتے ہیں پتھر میں چشمہ ایسے پھوٹتا ہے۔ جیسے آنکھ سے آنسو۔ اس چشمہ کو آنکھ سے مثال دیا گیا۔ فجرت پھوٹنے یا بہنے کو کہا گیا۔ جیسے چشمہ سے پانی نکلنے کی کیفیت ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن قریش کی زبان سے واقعات یا احکام وغیرہ بیان کرتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ہے۔ اور ''پھونکا'' ہم نے ''اپنی روح'' کو۔ واقعہ یوں ہے کہ ''فرشتہ نے نفخ کیا''۔ ''ایک

مخلوق اور مقرر کردہ نور'' ـــــ مگر اللہ نے نفخنا ۔ روحنا کہا ہے۔ عجمی ادب ایسی اصطلاحوں کا اپنی رواجی زبان سے مفہوم ادا نہیں کرسکتا جب تک قریشی اصطلاح کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔ اور یہ سمجھنا مشکل ہے۔ کہ ملائکہ نے نفخ کیسے کیا۔؟ نفخ کی کیفیت کیا ہے؟۔ سو نفخ کی کیفیت ایک توجہ ہے۔ ایک ارادہ ہے۔ کہ نور حضرت مریمؑ کے بطن میں اسطرح داخل ہوا۔ جسطرح شیشے میں سے روشنی گزرتی ہے۔ یہی نور بطن مریم علیھا السلام میں سما گیا۔ چونکہ حضرت مریمؑ پاکیزہ جسم تھیں۔ اسلئے اس نور کیلئے اس بطن میں وسعت بھی تھی۔ اور اسی بطن میں اس نور نے بطریق بشر بشری ہیئت میں انتقال کرنا شروع کیا۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی ۔ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○۔ تحقیق مثال (پیدائش) عیسیٰ علیہ السلام کی مانند پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کے ہے۔ کہ اُسے (آدم کو) مٹی سے تخلیق کیا پھر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (نور) روح کو بطن مادر میں) کہا ہو جا۔ پس وہ (عیسیٰؑ) ہو گیا۔ یعنی جس طرح حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے بغیر سلسلہ تناسل کے پیدا ہوئے اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی کہ اللہ نے ایک نور کو مخصوص کر کے حضرت مریم علیھا السلام میں نفخ کیا اور جب وہ نور بطن مریم علیھا السلام میں داخل ہوا تو اللہ نے کہا ہو جا یعنی بشری ہیئت کی طرف انتقال کر پس اس نور نے جسمانی ہیئت اختیار کی۔ کیونکہ اس پیدائش نے انسانی حیثیت میں دنیا پر پیدا ہونا تھا اسلئے ضروری تھا کہ ارضی پیدائش میں یہ نور انہیں مراحل سے گزرے جن سے نطفہ گزرتا ہے۔ بالآخر ایک نوری پیدائش کا ظہور ہوا جو اس پیدائش کیلئے ازل سے مخصوص و منتخب کی گئی تھی۔ اسلئے قرآن نے اس پیدائش کو اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَکَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ ۔ کہا سوائے اسکے نہیں کہ یہ پیدائش جنکا نام عیسیٰ ابن مریم اور مسیح رکھا گیا۔ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ کا کلمہ (نور) ہیں جو القا[1] (توجہ کے ذریعہ نفخ کیا گیا) کیا گیا حضرت مریمؑ میں۔ سو یہ پیدائش چونکہ نور سے ہے اسلئے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا کی طرح یہ بھی مثل ملائکہ ایک بشری شکل میں نوری خاصیت کے انسان ہیں۔ اب انکی بشری حالت میں

---

[1] القا کا لفظ خود بتا دیتا ہے کہ نور کس طرح بطن مریم علیھا السلام میں داخل کیا گیا۔

نوری ہونے کی دلیل حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ دلیل بھی قرآن سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اسکے لئے بھی ایک واقعہ کا دانستہ بیان پیش کیا گیا ہے۔

پہلا واقعہ۔ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ۔ گود میں باتیں کرینگے۔ جسوقت حضرتِ عیسیٰؑ جنگل میں پیدا ہوئے۔ تو یروشلم کے لوگوں کو پتہ چلا کہ حضرتِ مریمؑ کے لڑکا پیدا ہوا۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ۝ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۝ۚ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ۝ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝ۙ

(پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۲۷ تا ۳۰) ترجمہ۔ پس آئی حضرت مریم بچہ کو اٹھائے اپنی قوم میں۔ تو کہنے لگے وہ اے مریم تو ایک عجیب چیز لائی ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تھا باپ تیرا بُرا آدمی۔ اور نہ تیری ماں بدکار تھی! پس حضرتِ مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کیا (کہ اسی سے اسکی کیفیت پوچھو) تو لوگوں نے کہا۔ ہم کیسے بات کریں اس سے جو ماں کی گود میں شیر خوار بچہ ہو! تو حضرت عیسیٰؑ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ میں رسول بنا کر بھیجا گیا مجھے کتاب دی گئی اور مجھے نبی بنایا گیا۔ قانونِ فطرت کے تابع جب تک ایک انسان کے حواس و عقل قوی نہ ہوں۔ تو وہ نہ بول سکتا ہے نہ کسی کی بات سمجھ سکتا ہے۔ یہ مادی جسم کا خاصہ ہے ــــــ لیکن حضرت عیسیٰؑ کا پیدا ہوتے ہی لوگوں کی باتیں سمجھنا۔ اور انسے باتیں کرنا۔ اس قرآنی بیان سے ظاہر ہے کہ یہ پیدائش مادی جسمانی خاصیتوں کی قید و حد سے پاک خالص نوری ہے اور نوری اعتبار سے ہی ایک جسم اپنی جسمانی عدم تکمیل پر بول سکتا ہے۔ سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ نور میں قوتِ سمع۔ بصر و فہم مادّہ سے قوی ہوتا ہے۔ جیسے ملائکہ (نوری جسم) بول سکتے ہیں۔ سن سکتے ہیں سمجھ سکتے ہیں جیسے حضرت مریمؑ کے سامنے ملائکہ نے کہا اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝۔ اس بیان سے اس امر کی دلیل ملتی ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جبکہ انکے وجود کا بنیادی مرکب نور ہے۔ بشری ہیئت میں انکی جسمانی حالت بھی نوری ہے۔

دوسرا واقعہ: حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیاتِ نبوت۔

اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَکۡمَہَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ (پارہ۳ سورۃ۳ آیت۴۹)

تحقیق میں آیا ہوں تمہارے پاس ساتھ نشانیوں کے وہ یہ کہ میں بناتا ہوں مٹی سے پرنداور اس مٹی کے پرندمیں (اپنی سانس) نفخ کرتا ہوں۔پس (یہ سانس انمیں روح بن جاتی ہے جس سے ان میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں) وہ مٹی کے پرند جاندار ہو کر اڑتے ہیں۔یہ اللہ کے اذن سے ہے۔اور میں کوڑھی (لاعلاج بیمار) اور پیدائشی اندھوں کو تندرست کر دیتا ہوں۔اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں۔یہ اللہ کے اذن سے ہے ــــ اور میں خبر دیتا ہوں (غیب سے) اس چیز سے جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو۔اور ذخیرہ کرتے ہو ــــ

اس آیت میں اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ کہ میں تمہارے رب کی طرف سے معجزات یا نشانات یا دلائلِ نبوت لایا ہوں یعنی یہ نشانات ہماری نبوت اور رسالت کیلئے ایک دلیل ہیں کہ اللہ نے ہمیں منتخب کیا ہے۔ ہماری نبوت وخلافت ہمیں علےٰ حالہٖ حاصل ہے۔اور پیدائشی اعتبار سے جو خصوصیتِ نوری ہمیں حاصل ہے اسکی دلیل کیلئے ہم بیمار اچھے کرتے ہیں۔مردے زندہ کرتے ہیں۔مٹی کے پرندوں میں زندگی ڈال کر متحرک (حیات) کر دیتے ہیں اور غیب کی خبر دیتے ہیں۔یہ ہماری جسمانی نوری خصوصیت ہے۔بِاِذۡنِ اللّٰہِ اللہ کے حکم سے۔اس میں شک نہیں یہ صفات اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔لیکن جب وہ چاہے تو اپنے بندوں میں ایسی خصوصیات پیدا کرتا ہے۔اور بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ قوت سے۔اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی قوت سے ایسے واقعات کا ظہور کرتا ہے۔اسلئے بِاِذۡنِ اللّٰہِ سے مراد یہ ہے۔کہ بندہ اپنی ذات سے ایسے افعال پر قادر نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے وہی بندے کو بناتا ہے۔وہی اسے خصوصیات اور اعلےٰ صفات عطا کرتا ہے۔پس جب اللہ نے ہی بندہ بھی بنایا اور اسکی صفات بھی بنائیں تو یہ سب صفات اللہ تعالیٰ سے ہی نسبت رکھتی ہیں اسلئے کوئی شخص یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ ایک انسان الٰہی صفات کے صدور سے اللہ یا قابلِ سجدہ و

پرستش ہوسکتا ہے اسلئے ہر صاحب کمال کی صفات کو اللہ سے نسبت دیکر بڑھائی وحمد اللہ کی کی جائے۔ البتہ اس تصور اور عقیدہ میں کوئی نقص نہیں۔ کہ جب بندہ اللہ کی عنایت کردہ قوتوں کو استعمال کرتا ہے۔تو ان افعال کو بندے سے نسبت دی جائیگی کہ بندے نے کئے۔اللہ نے نہیں کئے۔یہ اسلئے کہ اللہ نے ہی اسے یہ قوت استعمال کرنے کیلئے دی ہے۔اور یہ قوتیں انسان میں اسلئے ودیعت کی گئی ہیں۔کہ انسان کی عظمت وکمالیت کا مظاہرہ کیا جائے اور انسان کو صاحبِ عظمت وکمال تصور کیا جائے چنانچہ گزشتہ واقعات میں جو خصوصیات انسان سے نسبت دی گئیں وہ صرف اسی لئے تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہِ ازلی میں یہی تھا کہ وہ انسان کو برگزیدہ صاحب کمال وعلم پیدا کر کے اسے اشرف المخلوقاتِ السمٰوٰت والارض بنائے۔

حضرت عیسیٰؑ کے کمالاتِ نبوت میں پرند بنانا۔ بیماروں کو اچھا کرنا۔مردے زندہ کرنا۔ غیب کی خبر دینا۔ یہ صفات ایک آپکی نوری جسم کی دلیل اور کمالات نبوت کی دلیل کیلئے پیش کی گئیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش میں ماسوائے سلسلہ تناسل (نطفہ) کے ایک پیدائش نور سے بنا کر باقی پیدائشوں (مخلوق) سے افضل بنانا تھا۔سو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام پیدائشی اعتبار سے تمام مخلوق سے افضل ہیں۔اور انہیں خلافت ونبوت وہی حاصل ہے جو ہر خلیفہ ونبی کو حاصل ہوئی ہے۔اور رسالت بھی ایسی ہی حاصل ہے۔جیسی داؤدؑ۔موسیٰؑ اور دوسرے رسولوں کو حاصل ہوئی ــــ البتہ انتخاب ومقبولیت میں بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی۔حضرت عیسیٰؑ کو جسمانی حیثیت میں فضیلت دی گئی اور انہیں باقی مخلوق میں سے منتخب کیا گیا اسلئے باقی مخلوق میں بسبب انتخاب آپ افضل ٹھہرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ آل عمران کی خصوصیت حضرت عیسیٰؑ کا اصطفٰے ہے۔

اِن آیاتِ قرآنی سے انسانی ابتدائی پیدائش میں انسانی جسمانی روحانی مرکب۔اور ذاتی صفاتی کمالات۔بشریت۔خلافت۔نبوت۔رسالت کے تمام آثار معلوم ہوتے ہیں۔جن میں عام انسانی پیدائش کی خصوصیات۔اور بعض منتخب پیدائشوں کے کمالات کا علم ہوتا ہے۔ان پیدائشوں

میں عام انسان باقی مخلوق میں جسمانی۔(بشریت۔سوٰی) اعتبار سے اشرف المخلوق ثابت ہوتی ہے۔اور روحانی اعتبار سے اور علمی اعتبار سے (خلافت ونبوت میں) اشرف الملائکہ ثابت ہوتی ہے۔اور عام انسانوں میں بعض انسان۔اصطفٰے اور مقبولیت کے اعتبار سے افضل ثابت ہیں۔جن میں آدمؑ۔نوحؑ۔ابراہیمؑ اور آل ابراہیم میں انبیائے بنی اسرائیل اور سب سے آخری نبی ورسول قوم بنی اسرائیل آل عمران میں حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں۔اسکے بعد قرآن نے کسی نبی ورسول کی خصوصیت کا واضح طور ذکر نہیں کیا جس سے حضرت عیسیٰؑ کے بعد کسی رسول ونبی کی خصوصیات ظاہر ہوتی ہوں۔بیان چونکہ مخلوق کائنات میں ذاتی صفاتی کمالات میں افضل مخلوق کا تھا۔سو ظاہر ہوا۔کہ انسان ہی تمام کائناتِ خلقت میں افضل پیدائش ہے۔اور انسانوں میں بعض نبی ورسول فضیلت حاصل کئے ہوئے ہیں۔اسکے بعد تجزیہ کرنا ہے۔کہ کیا قرآنی بیان میں ایسی کوئی اور بھی پیدائش ہے۔جسے وجودی اعتبار سے افضلیت حاصل ہے؟ تاکہ ایسے وجود کی پیدائشی ترکیب کا بھی مطالعہ کیا جائے۔اور جانا جائے کہ ایسی پیدائشوں کا ابتدائی وجودی مرکب کیا ہے۔

قرآن نے انسانی پیدائش کے ابتدائی بیان میں وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ '' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط ملائکہ کا تصور دلایا ہے۔اور ملائکہ نوری وجود ہے۔جو ارادۂ ازلی کے اصل مقصود سے ماسوٰی ایک ابتدائی کیفیت ہے۔جسکے بارے میں قرآن نے اسکی پیدائش کا سبب اور ظہور ظاہر الفاظ میں نہیں بتایا لیکن چونکہ یہ بھی مخلوق میں شمار ہے۔اسلئے اس مخلوق کی پیدائش کا تجزیہ کرنا بھی ضروری ہے۔تاکہ ہمارا تجسس اور ہمارا علم کسی مخلوق کی افضلیت کو پانے میں تشنہ نہ رہے۔اسطرح کائنات عالم کے افضل ترین وجود کا پتہ مل جائے گا۔

قرآن نے ملائکہ کے وجود کا تصور خود اسکے لفظ (صفت) سے دیا وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ ۔یعنی زمین اور آسمان کے وجود سے پیشتر آسمان ــــ نوری مقامات۔اور انکی نوری مخلوق پیدا کی گئی تھی۔ان میں ملائکہ ایک مخلوق ہے۔جنکا وجود نوری ہے۔قرآن نے اس وجود کی صفت ۔روح۔روحنا بھی بتائی ہے۔کہ اپنا روح یا اپنا نور ــــ دوسری جگہ قرآن نے روح کے متعلق ذکر

کیا ہے۔وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ سوال کرینگے یہود ونصاریٰ کہ روح کیا چیز ہے؟قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ان سے کہد یجیے کہ روح ایک امرِ ربی۔حکمِ ربی ہے۔جس سے مراد یہ کہ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ جب اللہ کسی شے کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے۔تو کہتا ہے ''ہوجا'' پس وہ ہوجاتی ہے یہاں کُنْ سے مراد اَمْرُ (حکم) کہا روح ہوجا تو ہوگئی۔!یہ تو فعل ہے۔اللہ کا۔اور ایک وجود کا احساس اور خالقیت کی ترکیب۔لیکن ایک وجود کے مرکب کیلئے ضرور کچھ سامان مہیا ہو گا۔کہ نوری وجود کیلئے اسکی علت وسبب کیا ہے۔کیونکہ کائنات کے ہر ذرہ میں خواہ وہ عادت سے پیدا ہے۔خواہ حکم ربی سے۔اللہ تعالیٰ نے ہر پیدائش کے نظام میں ایک سبب ایک علت خواہ وہ ادراک میں آنے والی ہو یا ماورائے ادراک ہو۔مقرر کی ہے اسلئے ایسے نوری وجود کیلئے بھی ایک سبب ضرور ہوگا۔اس تحقیق کی تکمیل تب ہی ہوسکتی ہے۔جب ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ ابتدائے پیدائش میں اول کونسی شے مخلوق ہوئی۔اور مخلوق سے پیشتر کونسا وجود تھا۔جبکہ کوئی مخلوق موجود نہ تھی۔اور مخلوق کا وجود کیسے ظہور میں آیا۔ایسی صورت میں جبکہ ہمیں ایک ابتدائی وجود کا علم ہوا۔تو ہر وجود کی علت و سبب بھی معلوم ہوجائیگا۔اسلئے ضروری ہے۔کہ قرآن کریم کی راہنمائی میں اور اسی ازلی صحیفہ سے ہم ازلی وجود کا علم حاصل کریں۔سو قرآن اس وجود کا نہایت واضح اور ظاہر الفاظ میں تصور دیتا ہے۔

هُوَاللّٰهُ اَحَد'' ۔ هُوَ الْاَوَّلُ ۔ هُوَ الْاٰخِرُ ۔ هُوَ الظَّاهِرُ ۔ هُوَ الْبَاطِنُ ۔وہ اللہ ایک ہے۔یعنی وہ ایک ذات ہے جسکے بارے میں تم تصور کرو کہ وہ کب سے تھا۔تو تم نہ ختم ہونے والے زمانہ تک تصور کرتے تھک جاؤ گے۔تم اس ذات کے بارے میں تصور کرو کہ اسکی ذات کسقدر وسیع ہے۔تو تم اسکے وجود نوری میں لا انتہا مقام تک پرواز کرتے جاؤ مگر پرواز لا انتہا زمانے تک ختم نہ ہوگی اور تم اسکی ذات کی وسعت کے تصور میں حیرت و درماندگی میں پڑ کر بے بس ہوجاؤ گے۔ایسی ہی ذات جسکی وسعت لا انتہا ہے جسکے وجود سے کوئی مقام خالی نہیں۔وہ خود مقام ہے۔مکان ہے مکین ہے۔اسکی ذات کے سوا کوئی ایسا وجود نہیں۔کوئی ایسا مقام نہیں جہاں کسی غیر کیلئے وجود کی گنجائش ہو۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے۔ایک ہی ہے۔اسکے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں ہوسکتا۔اسلئے وہ اَحَد''

ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ وہی نور ہے جو مخلوق سے پہلے تھا۔ هُوَ الْاٰخِرُ اور وہی نور ہے جو ہمیشہ ہر زمانہ میں ایک ہی حالت میں قائم رہیگا۔ اور اسکے بعد اگر کسی غیر الٰہ کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ تو جب اسکی ذات احد ولا محدود ہے۔ اس ذات میں کسی غیر الٰہ کے وجود کی گنجائش نہیں تو جو وجود غیر الٰہ ظاہر ہو گا تو یہ بھی اسی کا وجود ہوگا هُوَ الظَّاهِرُ اور اس ظاہر سے ماسوٰی جو کیفیت ادراک میں نہ آنے والی ہے خواہ وہ آسمان ہو یا آسمانی مخلوق ہو یا آسمانوں سے ماوریٰ نورانی مُلک ہوں یہ سب ہی اسی ذات سے ہے۔ اور جب ہم اس احد سے ماسوٰی ایک غیر اللہ مخلوق کو محسوس کرتے ہیں۔ تو ضروری ہے۔ کہ اسکا وجود (مخلوق) اللہ سے ماسوٰی ہو اور اس ماسوٰی وجود کیلئے بھی ایسا مقام میّسر ہو جہاں اللہ کی ذات سے کوئی مقام خالی ہو۔ مگر ایسا نہیں ہوسکتا ــــ کیونکہ اللہ سے ماسوٰی کوئی شے موجود نہیں۔ اسلئے یہ مخلوقی وجود کوئی ماسوٰی وجود نہیں رکھ سکتی۔ اور جب اللہ کا وجود ہر مقام پر موجود ہے۔ تو مخلوقی وجود کیلئے بھی کوئی مقام نہیں ہوسکتا جہاں اسکا وجود مقام پا سکے۔ اسلئے اس وجود کے ظہور کی ترکیب سوائے اسکے کچھ نہیں کہ ماسوٰی کا وجود بھی ذاتِ الٰہی سے ہی سمجھا جائے۔ هُوَ الظَّاهِرُ اور جب اس مخلوق کا وجود ذاتِ الٰہی سے تصور کیا گیا تو پھر اسکے مقام کیلئے کسی ماسوٰی اللہ مقام کی ضرورت نہیں رہیگی۔ تو اس اللہ اور غیر اللہ مخلوق کے تصور کی ترکیب یہ ہوگی کہ جب کوئی غیر اللہ وجود موجود نہ تھا۔ تو اللہ احد واول تھا ــــ اللہ نے ارادہ کیا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کہ زمین پر ایک خلیفہ کو پیدا کیا جائے۔ تو زمین کا مقام سب سے آخری مقام تھا۔ اسلئے اس ارادہ کی تکمیل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیلئے ایک سبب بنایا۔ اور یہ ضروری تھا کہ مخلوق کیلئے ایک ایسا سبب ہو۔ جس سے خالق کی حیثیت اور احدیت قائم رہے اور مخلوق غیر اللہ کا وجود بھی محسوس ہو یعنی اگر اللہ اپنی ہی ذات سے مخلوق بنائے ــــ! اللہ تو لا محدود ہے تو اسکی ذات سے بنی ہوئی مخلوق ــــ نہ مخلوق ہوسکتی ہے۔ نہ غیر اللہ اور نہ فانی ہوسکتی ہے۔ مگر مخلوق۔ اللہ نہیں کہلاتی۔ بلکہ غیر اللہ ہے اور اسکا وجود دائمی نہیں بلکہ فانی ہے۔ اسلئے اسکا وجود۔ خود ذات سے نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات میں ایک جز سے ایک نور مخلوق کیا۔ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ پس اسکے ارادے سے اسکی ذات میں

ایک نور جز کی حیثیت سے بنا۔ جو اسکی ذاتِ لامحدود میں جُز (ایک نقطہ) کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی نور۔ نورِ ابتدائی ہے۔ یہی نور مخلوق ہے۔ یہی نور اللہ کی ذات کے مقابلہ میں غیر اللہ ہے۔ چونکہ یہ نور۔ نورِ الٰہی سے ہی ہے۔ اسلئے اسکے مقام کیلئے اللہ سے ماسوٰی کسی مقام کی ضرورت نہ رہی۔ یہی نور اب آئندہ مخلوق کا سبب ہوگا۔ اسکے بعد اس نور سے تا ارض۔ علت در علت مخلوق بنتی گئی یہاں تک کہ عرش بنا عرش سے کرسی۔ اور کرسی سے سات آسمان بنے اور انکی تخلیقی ترکیب اسی طرح ایک سبب سے مسبب۔ ایک علت سے اسکا معلول۔ ہر معلول ایک نوری مقام میں اندرون نقطہ اور مرکز کی حیثیت سے بنتا گیا۔ یعنی نور ابتدائی جسطرح ذات الٰہی کے نور میں مرکز کی حیثیت میں بنا۔ اسی طرح اس نور کے مرکز میں اسکا ایک معلول بنا۔ یہ بھی نور ہے۔ اس معلول نے علت کی حیثیت سے اپنے مرکز میں ایک معلول پیدا کیا۔ اسی طرح اس معلول نے بھی علت کی حیثیت اختیار کر کے اپنے مرکز[1] میں ایک معلول پیدا کیا اور یہ سلسلہ لامحدود زمانہ تک اسی طرح جاری رہا۔ جس سے ذات الٰہی سے لیکر علت و معلول نوری مقامات بنتے رہے۔ اور ایک نوری معلول نے علت کی ہیئت اختیار کر کے عرش کو اپنے مرکز میں معلول کیا۔ اور عرش کے مرکز میں کرسی معلول ہوئی اور کرسی کے مرکز (پیٹ) میں آسمان معلول ہوئے اسی کیفیت کو قرآن نے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج اسکی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے مرکز (پیٹ) میں سمائے رکھا ہے ــ کے تصور میں ظاہر کیا آسمان سات بھی اسی طرح علت و معلول دائرہ اور مرکز کی صورت میں پیدا ہوئے اور آخری معلول آسمان اول ہے۔ اسی آسمانِ اول میں زمین۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں کا مواد جمع تھا اور اسی آسمان

---

[1]

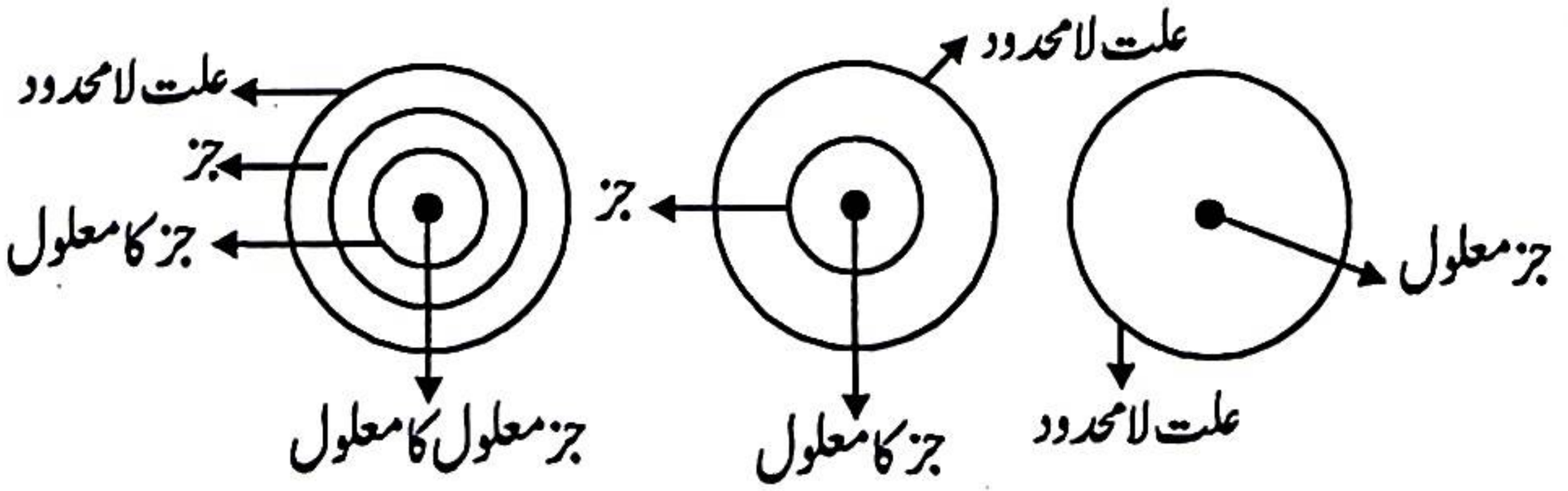

سے۔سورج۔چاند۔ستارے معلول ہوئے۔اسی آسمان سے اسکے مرکز میں زمین معلول ہوئی۔اسی کیفیت کوقرآن نے اس تصور میں ظاہر کیا۔اَوَلَمْ یَرَاالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَاط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّط (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۳۰) کیا یہ کافر نہیں جانتے کہ یہ آسمان اور زمین ایک جان تھے۔پس ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا۔اور زمین نے آسمان کے مرکز میں مقام پایا اور زمین پر پانی نمودار ہوا۔اسی پانی کے ذریعہ ہم نے زمین کی ہر شے کو متحرک بنایا ــــ اور یہی آخری تخلیقی ترکیب اس مخلوق کی ہے۔اور اسکی ابتدائی ترکیب میں وہی نور ابتدائی کائناتِ خلقت کی علت ہے۔تمام نوری مقامات۔عرش۔کرسی۔آسمان اور اسکی مخلوق۔ ملائکہ۔سورج۔چاند۔ستارے اور اسکی مخلوق۔زمین اور اسکی مخلوق از آدم تا قیام قیامت جتنی بھی مخلوق ہو گی۔ہر مخلوق کی علت وہی نورِ ابتدائی ہے۔کائنات کی تمام خوبیاں۔کائنات کے تمام عجائبات۔کائنات کے تمام اسرار و اسماء۔آسمانوں کے انوار۔ملائکہ۔زمین کی تمامی قوتیں۔تمام رنگینیاں۔تمام کمالات کی بنیادی علت یہی نور ابتدائی ہے۔اور روحیں (نوری پیکر) بھی مخلوق ہیں۔ اسلئے انکا وجود بھی اسی نور ابتدائی سے ہے۔ملائکہ اگرچہ۔مادی انسان سے وجود میں افضل ہیں۔ لیکن انسان کو روح کے ذریعہ افضلیت عطا کی گئی۔اسلئے انسان افضل الملائکہ ٹھہرا لیکن۔انسان سے علاوہ ایک قوت اور ہے۔جس سے۔ملائکہ اور انکی نورانیت کا وجود بنا۔انسان اور اسکی روح اور تمامی کمالات اسی نور سے ہیں۔تمام اسرار الٰہی۔تمام اسماء۔تمام خوبیاں اسی نور سے ظاہر ہوئیں۔اسلئے۔ ملائکہ۔انسان اور ہر افضل سے افضل ترین مخلوق میں افضل یہی مخلوق نور ابتدائی ہے۔حضرت آدمؑ۔ خلیفۂ ارض ہیں مصطفٰے ہیں۔نوحؑ۔ابراہیمؑ۔آلِ ابراہیم۔تمام انبیاً یہ افضلُ الْاِنسان ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ۔نوری پیدائش صاحبِ جمال صاحبِ کمال ہیں۔مگر یہ سب خوبیاں اسی نور سے معلول ہوئی ہیں۔حضرت آدمؑ کی روح۔حضرت عیسیٰؑ کی روح اور تمام کمال اسی نور سے بنی ہیں۔مثال کے طور سونے کے زیورات میں کئی قسم کے زیورات مختلف شکلوں میں بنے ہیں۔انکی ہیئتیں مختلف ہیں۔ لیکن انکا بنیادی وجود سونے سے ہی ہے۔اسکے مقابل پیتل کے زیورات بھی بنائے جائیں لیکن

انکا بنیادی وجود پیتل ہے۔اسلئے سونے کے زیورات کی خوبی پیتل کے زیورات کے مقابلہ میں اعلےٰ تصور کی جائیگی۔اسطرح ہر زیور میں سونے کا بنیادی وجود اور سونے کی صفت کے اعتبار سے تعریف سونے کی ہوگی۔اسی طرح ہر شے مخلوق میں بنیادی وجود نور ابتدائی ہے۔اور اس نور کی فضیلت کے اعتبار سے جب ہم اس نور کی افضلیت کا تصور کرتے ہیں۔تو ہمیں ہر خوبی وکمال ہر افضل ترین صفت میں اسی نور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔یعنی جس شے کی خوبی اور کمال کو پہچانا جاتا ہے۔تو اس شے اور اس خوبی میں ہمیں بنیادی صفت اسی نورِ ابتدائی کی نظر آتی ہے۔اور جب ہم ہر شے مخلوق میں ایک ہی کیفیت کو اسکی خوبی وکمال میں پاتے ہیں تو ہم اسے مُحَمَّد'' سے تعبیر دیتے ہیں۔یعنی ہر شے میں اسکی پہچان ہر شے میں اسی کا وجود۔جس شے کو پہچانو وہی نور پہچاننے میں آتا ہے یہی کیفیت محمد سے تعبیر ہوتی ہے۔اسلئے کائنات خلقت میں ارضی خلیفہ سے بھی برتر مخلوق وہی نور ابتدائی ہے جسے محمد سے تعبیر دیا جاتا ہے۔(اسی نور کی طرف حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ۔سب مخلوق سے اول اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا۔اسی لئے اس نور کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے تعبیر دیا جاتا ہے۔حدیث شریف میں مذکور ہے۔کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام حضورؐ کی خدمت میں ہیئت بشر میں حاضر ہوئے۔اور کہا یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھُوَ الْاَوَّلُ ۔ ھُوَ الْاٰخِرُ۔حضورؐ نے تائید واثبات میں جواب دیا اور قرآن نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مُحَمَّد'' کے اسم مقدس سے پکارا۔ مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔محمد رسول اللہ اور نبیوں کی نبوت اور رسالت ختم کرنے والے۔اِنکی نبوت اور رسالت پر مہر کرنے والے)۔

قرآن نے تخلیق کی تحقیق کی تحریک دی ہے۔کہ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ پس زمین پر پھرو اور زمین کی اشیاً پر تحقیق کرو اور دیکھو کہ اس تخلیق کی ابتدا کیسے اور کہاں سے ہوتی ہے۔سو قرآنی تحقیق کے مطابق ہمیں ہر تخلیق کی ابتدا معلوم ہو جاتی ہے۔اور کائنات خلقت کی ابتدا کا پتہ بھی مل جاتا ہے۔کہ یہ تمام کائنات ایک مخلوق نور سے پیدا ہوئی ہے۔ اور وہ نور۔نور الٰہی سے ہے کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ اسی نور سے خلق کی ابتدا ہوئی۔یہی نور ہر مخلوق کا

بنیادی وجوداور سبب ہے اسطرح ہمیں مخلوق اور خالق کی تخلیقی ترکیب کا علم ہو جاتا ہے۔اور اسی قرآن سے ہمیں ہر افضل واکمل وجود کا پتہ بھی مل جاتا ہے۔چنانچہ اس قرآنی ارشاد کے مطابق ہمیں معلوم ہوا۔کہ مخلوقِ ارض میں آدمؑ ۔نوحؑ ۔ابراہیمؑ ۔آلِ ابراہیم انبیاءِ بنی اسرائیل آلِ عمران میں حضرت مریمؑ وحضرت عیسیٰؑ منتخب پیدائشیں ہیں اور حضرت عیسیٰؑ آخری پیدائش ہیں جنکے بارے میں قرآن نے اِنکی پیدائشی خصوصیت اور نبوت ورسالت کا واضح بیان پیش کیا۔حضرت عیسیٰؑ کے بعد کسی اور پیدائش کے بارے میں ایسا ذکر نہیں کیا گیا۔لیکن بَدَاَ الْخَلْقَ کی تحقیق میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائشی خصوصیات کے بعد ایک ابتدائی نور کا بھی علم ہو چکا کہ یہی نور افضل ترین مخلوق ہے۔اور اس نور کی صفت محمد ہے۔اسکے بعد قرآن نے ایک رسول کا مجملاً ذکر کیا جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد آئے جیسے کہ قرآنی بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔اور یہ ذکر خود حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْم بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ط (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۶) اور جب کہا عیسیٰ ابنِ مریم نے اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔میں تصدیق کرنے والا ہوں توریت کی جو تمہارے پاس ہے اور میں بشارت دیتا ہوں۔کہ میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے۔ انکا نام احمد ہوگا۔احمد کی صفت کیا ہوگی؟ یہ صفت نام ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔یعنی کائناتِ خلقت میں سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔سب سے قریب پہچاننے والا۔اور قرآن نے اس رسول کو کس نام سے پکارا۔؟مُحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰہِ وہ رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔حضرت عیسیٰؑ کے بعد آخری رسول نبوت کا دعویٰ کرنے والے۔جنکے بعد کسی نبی کی ضرورت نہ رہیگی ۔وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اور انبیاً کی رسالت واصطفےٰ پر مہر کرنے والے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ابتدائی پیشگوئی میں بتایا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'' زمین پر انسان خلیفہ پیدا ہوگا۔اسکی صفت علم پانے والا۔خبر دینے والا ہوگا مگر دنیوی لذت وحصول تمہارے تصورِ الٰہی میں خلل انداز ہونگے تم معرفت سے منہ پھیرو گے۔دنیاوی لذت اور حصول کے متمنی رہو گے۔اور

یہ کیفیت تمہیں ایک دوسرے سے فساد پر مائل کردیگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم فساد وخونریزی۔ گناہ وانحراف میں گرفتار ہوکر۔ خلافت۔ علم وخبر سے محروم ہوجاؤ گے۔ اسوقت تم خلیفہ ونبی کہلانے کے مستحق نہ رہو گے۔ تو میں تم پر احسان کرونگا کہ تمہاری انسانی پیدائشوں میں سے ہی ایک انسان کو منتخب کرونگا۔ اور ایک ہدایت اسکے ذریعہ تمہیں دونگا۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ پس جسنے میرے منتخب رسول اور میری ہدایت کی اطاعت وپیروی کی وہ مومن ہوجائیگا۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ اور جس نے میری آیات کو ٹھکرادیا یہ لوگ جہنمی ہونگے اور ہمیشہ اس عذاب میں رہینگے۔ اسکے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس انسان پر احسان کیا۔ کہ جب زمین پر ایک رسول کے بعد دوبارہ فساد ہوا تو پھر ایک رسول کی ضرورت ہوئی تو اللہ نے پھر ایک رسول ہدایت دیکر بھیجا۔ اور ہر زمانہ میں یہی عادت رہی کہ جب انسان انحراف ونافرمانی پر آکر ذلیل ہونے لگا تو ایک رسول آتا رہا۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا ادھر رسول آیا۔ انسان کو ہدایت پر لایا۔ رسول کے بعد پھر انسان بگڑا پھر رسول کی ضرورت ہوئی تو پھر رسول نے آکر ہدایت پیش کی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری رسول آئے یہ آخری رسول اپنے کمالات ذاتی وصفاتی میں اور رسالت میں عظیم انسانی مرتبہ لیکر آئے۔ مگر زمانہ پھر انتہائی انحراف وفساد پر اتر آیا۔ اب ایک قوم نہیں بلکہ زمین کی ہر پیدائش میں ظلم و فساد گناہ وبغاوت فساد وخونریزی انتہا کو پہنچ گئی۔ ایسی حالت میں انسان کیلئے ابھی ایک ہدایت اور رسول کی مزید ضرورت ہوئی۔ تو قرآن نے اس رسول کا ذکر کردیا یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط وہ رسول احمدِ مصطفیٰؐ ہیں جنہیں محمد کے نام سے بھی پکارا گیا۔ اور یہ رسول ایک قوم کیلئے نہیں بلکہ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ تمام عالم کیلئے پیدا ہوئے انہیں قرآن عطا ہوا۔

قرآنی تحقیق میں اس سے قبل ایک برتر مخلوقِ نوری کا نام بھی محمدؐ رکھا گیا۔ اور انسانی مخلوق میں بھی ایک بشر کو محمدؐ پکارا گیا۔ اور دونوں اسماء میں حمد کا مواد ایک ہی ہے۔ یعنی نور کی صفت بھی پہچانا گیا۔ اور بشر کی صفت بھی پہچانا گیا۔ اس مماثلت کی تحقیق بھی ضروری ہے۔ کہ سب سے افضل نور کی

اس بشر سے کیا نسبت ہے اور اسماء وصفات میں کیا اشتراک ہے۔ تا کہ ظاہر ہو جائے کہ اس ارضی بشر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کیا ہیں؟

اس سے پیشتر قرآنی واقعات سے یہ معلوم ہو چکا ہے۔ کہ زمین پر انسانی پیدائش ارادۂ الٰہی کے تابع ہوئی۔ اور انسان کو تمام مخلوق ارضی وسماوی پر فضیلت دی گئی۔ اس انسان کو جسمانی فضیلت بھی حاصل ہے اور روحانی فضیلت بھی حاصل ہے۔ پھر انسانوں میں پیدائشی اعتبار سے بعض انبیاء کو فضیلت دی گئی۔ جیسے حضرت یحیٰ علیہ السلام کو کہ انکی جسمانی ہیئت نوری ہے۔ جسکی دلیل حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ملتی ہے۔ کہ جہاں نطفہ انسانی پیدائش کا سبب نہ ہو۔ وہاں نور (روح) پیدائش کا سبب بنایا گیا۔ لہٰذا دونوں ترکیبیں بطور دلیل ثابت ہیں۔ کہ بغیر باپ کے بھی نور کو سبب بنا کر ایک بشر کر پیدا کیا جاتا ہے كَذٰلِكَ ۔هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ'' یہ چیز قدرت کاملہ کی مرضی میں آسان ہے کہ وہ ماں باپ کے ہوتے بھی نور کو سبب پیدائش بنا سکتا ہے اور ماں باپ کے بغیر بھی نور کو سبب بنا کر پیدائش کر سکتا ہے۔ جہاں نطفہ نہیں وہاں پیدائش کیلئے نور کو ازلی طور منتخب کیا گیا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ ہمارے ارادہ ازلی میں مقرر ہو چکا تھا۔ اسلئے ایسی پیدائش کیلئے ایک مخصوص نور فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا مقرر کیا گیا۔ اسلئے جب اللہ تعالیٰ کسی ہیئت کو افضلیت عطا کرے تو وہ اسکے لئے اسباب مقرر کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ فضیلت وانتخاب اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ جسکو منتخب کیا۔ باقی مخلوق ارضی کیلئے ایک ترکیب مقرر کر دی کہ اسکے لئے ایک جسم اور ایک روح مقرر کر کے اسے انسانی بشری شکل میں پیدا کیا۔ اس سے ظاہر ہوا۔ کہ ہر انسان کیلئے ایک جسم اور ایک روح مقرر کی گئی۔ خواہ وہ عام حیثیت میں پیدا ہو یا خاص نوری حیثیت میں پیدا ہو۔ حضرت آدمؑ پیدا ہوئے تو انکا جسم بھی بنا اور اس میں روح بھی پھونکی گئی۔ اب جو بھی بشری ہیئت میں پیدا ہوگا۔ اسکا جسم بھی ہوگا۔ روح بھی ہوگی۔ اسی طرح حضرت یحیٰ علیہ السلام بشری حیثیت میں پیدا ہوئے۔ انہیں بھی جسم اور روح کا مرکب بنایا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی حیثیت بھی بشری ہیئت اور روح کا مرکب ہے۔ اور حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش بھی اسی طرح ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ'' مِّثْلُكُمْ

کہہ دیجیے کہ میں بھی تمہاری طرح ہیئت وترکیب بشری میں پیدا ہوا ـــ مگر یاد رہے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی بَشَر '' مِثْلُکُمْ ہیئت وترکیب بشری میں پیدا ہوئے مگر انکا جسم مرکب نوری سے نور تھا۔ اسکی شہادت قرآن نے دی ہے۔ اِذْقَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ـــ اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں آپکو موت دونگا اور آپکو اپنی طرف اٹھاؤنگا اسطرح میں ان کافروں کے شر سے آپکو محفوظ کر دونگا۔ اس آیت میں اگرچہ بے حد تاویل وتحریف کی گئی ہے۔ لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائشی واقعات کو سامنے رکھا جائے۔ تو یہ چیز آسانی سے ثابت ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا۔ جیسا کہ ابتداءً جبکہ ابھی قرآن کا نزول نہیں ہوا تھا۔ نصاریٰ میں یہ روایت چلی آرہی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا ـــ قرآن نے اس بارے میں کوئی نئی بات نہیں بتائی بلکہ پیشتر کے واقع کی تصدیق کی اور اصل واقعہ کا اظہار کیا۔ اگر یہ واقعہ رَفَعَ کا نہ ہوتا تو قرآن صاف الفاظ میں انکار کر کے اس روایت کی رد کرتا۔ برعکس اسکے قرآن نے سابقہ روایت کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کو رَفَعَ سے ظاہر کیا۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ جب نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں خود بتا رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھائے گئے۔ تو یہ واقع ہوا تھا تو تب ہی یہ روایت چلی آئی۔ اگر نصاریٰ کہتے کہ وفات پاگئے اور آسمان پر نہیں تو قرآنی رفع کی تاویل کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ برعکس اسکے اسکی تحریف یہ کرنا کہ حضرت عیسیٰؑ قطعاً وفات پاگئے درست ہو نہیں سکتا۔ جبکہ قرآن سے قبل نصاریٰ کی روایت چلی آرہی ہے۔ الغرض اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر اٹھایا جانا احادیث سے بھی ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کا بہ جسم آسمان پر ہونا آپکے نوری جسم کی دلیل کافی ہے۔

اس بیان سے مقصود یہ ہے۔ کہ ہر مخلوق انسانی کا مرکب ایک جسم اور ایک روح سے ہے۔ اور حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس روح وجسم کا مرکب ہے۔ اسکے علاوہ قرآن نے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ مختصر اور مجمل ہیں۔ جنکا تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ اَحْمَدُ ۔ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ مُصَدِّقًا لِّمَا

بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرَةِ ۔ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔

مُحَمَّدُ : حمد کئے گئے ۔حمد سے مراد پہچان ۔یعنی کائنات خلقت میں جنکی زیادہ تعریف کی گئی۔ یہ تعریف آپکے کمالاتِ ذاتی وصفاتی سے ہے اسلئے کائناتِ خلقت میں آپکے کمالاتِ ذاتی و صفاتی تمام مخلوق سے افضل ہونگے ۔اور جسکی حمد ہر شے کرتی ہے۔جسکو پہچانا گیا۔ ہر شے میں جسکی پہچان کی گئی ـــــ یہ دوصفات ہیں ۔ایک تعریف کئے گئے ۔ یہ تعریف آپ کی خوبی وکمال سے ہے۔ اسے احمد کہتے ہیں ۔احمد سے مراد کائنات خلقت میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے ۔یعنی تسبیح وحمد کرنیوالے ۔کائناتِ خلقت میں سب سے زیادہ اکمل پہچاننے والے ۔ پہچان ۔اللہ کی اوراسرارالٰہی کی ـــ یہ کمال آپکی ذات یعنی جسم سے متعلق ہے۔کہ آپ نے انتہائی عبادت وتسبیح کی ۔اس تسبیح کے اعتبار سے آپکوسب مخلوق سے اونچا مقام حاصل ہے احمد خطاب پانے سے تمام مخلوقِ کائنات میں آپ افضل واکمل حامد ہیں ۔اسکے ساتھ ہی آپکی عبادات سے انسان پر احسانِ عظیم اور آپکے اخلاقِ حسنہ کی ہر شخص تعریف کرتا ہے لہٰذا ہر خلیفہ نبی ۔ ہر رسول نبی ۔جن میں تمام مصطفٰے نبی ۔آدم نوح ابراہیم آل ابراہیم ۔اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام شامل ہیں آپؐ اس حمد میں افضل ہیں ۔حمد سے مراد پہچان ۔ ہر مخلوق نے آپکی حمد کی ۔تعریف کی گزشتہ ۔آئندہ ۔تمام مخلوق نے ۔ یہ کیفیت نبوت سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ جب ہر انسان کو علم الاسماء کی آگاہی دی جاتی ہے ۔تو ہر انسان باطن میں آپکو پہچانتا ہے ۔اسی پہچان پر حضرت عیسیٰؑ نے بتایا کہ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ہمارے بعد ایک رسول آئینگے انکا نام احمد ہوگا ۔اسی طرح گزشتہ انبیاؑ نے حضور محمد رّسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئی کی ہے ۔اسکے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک مسند حدیث ہے کہ قبر میں جب مردہ اتارا جاتا ہے تو اس سے ملائکہ سوال کرتے ہیں ۔ مَنْ رَّبُّكَ ۔تیرا رب کون ہے ۔تو مومن جواب دیتا ہے اَللّٰهُ رَبِّىْ میرا رب اللہ ہے ۔مَادِيْنُكَ ۔تیرا دین کیا ہے ۔تو مومن جواب دیتا ہے اَلْاِسْلَامُ دِيْنِىْ ۔میرا دین اسلام ہے ـــــ پھر سوال کرتے ہیں مَا تَقُوْلُ لِهٰذَا الرَّجُلُ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے هٰذَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔حضورؐ کا یہ فرمان ایک انسان

کیلئے ہے۔یہ فرمان قانونِ الٰہی ہے۔کہ اللہ کی طرف سے ملائکہ مقرر کئے گئے ہیں کہ انسان سے موت کے بعد پہلے یہ سوال کئے جائیں۔اسلئے اس سوال میں تخصیص نہیں بلکہ ہراس انسان کیلئے ہے جوخلیفہ کی حیثیت سے زمین پر پیدا ہوا۔اسلئے حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت کے آخری فرد تک یہ سوال کیا جائیگا۔لہٰذا یہ سوال صرف مومن کیلئے ہی نہیں بلکہ ہرانسان کیلئے ہے۔خواہ وہ ابتداً کا ہو یا آخر کا۔ خواہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کا ہو یا بعد کا۔یہ سوال اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔جبکہ ہر انسان کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پہچان دی گئی ہو۔حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل جنہوں نے آپکو آنکھوں سے نہیں دیکھا یا بعد میں آنے والے انسان اگر چہ انہوں نے نہیں دیکھا لیکن سوال سب سے ہوگا۔تو ظاہر ہے کہ اس پہچان کی نوعیت ظاہراً دیکھنے کی نہیں۔کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کوسوائے صحابہ وتابعین یا آپکے زمانۂ ظہور کے لوگوں کے سوائے(وہ بھی ان لوگوں نے جوآپکے قریب تھے)اور کسی نے نہیں دیکھا لیکن سوال سب سے ہوگا۔اس سے ظاہر ہے یہ پہچان باطن سے ہے۔اور باطن ہرانسان کا یکساں ہے۔خلیفہ ہونے کی حیثیت میں ہرانسان کا باطن(یعنی روح کے ذریعہ دیکھنا)ایک ہی ہے۔اسلئے کائناتِ خلقت میں پہچانے گئے مُحَمَّدُ سے تعبیر ہے۔کہ آپکی وہی شبیہ مبارک دیکھی جاتی ہے۔جوحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعثت [1] میں تھی۔جب سوال کیا جائے گا مَا تَقُوْلُ لِهٰذَا الرَّجُلُ (تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو)تو وہ جواب دینگے یہ محمدرّسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے دین اسلام پیش کیا۔اور علم الاسماء میں انہیں ہی پہچانا جاتا ہے۔

---

[1] اس بیان کو حضورؐ کی اس حدیث سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں حضرت جبرائیل نے حضورؐ کے پیش ہوکر بیان کیا۔ یارسول اللہ هُوَ الْاَوَّلُ ۔ هُوَالْاٰخِرُ ۔هُوَالظَّاهِرُ۔هُوَ الْبَاطِنُ۔یعنی هُوَالْاَوَّل نوری اعتبار سے آپؐ ہرمخلوق سے اول تھے۔اور جب تک مخلوق بنتی رہیگی آپؐ ہی کا نور انکا بنیادی وجود ہوگا۔لہٰذا جو کچھ ظاہر ہے وہ آپؐ ہی کا نور ہے اور باطنا آپؐ کے ہی نور کا سب ظہور ہے۔کیونکہ ہرمخلوق سے پہلے آپؐ کا ہی نور تھا اسوقت آپ باطن میں تھے۔ اور ہروجود کی ابتدا میں آپ کا ہی نور مشاہدہ ہوتا ہے اسلئے آپ ہی باطن ہیں۔اور چونکہ ہرمخلوق سے آپکے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔مَاتَقُوْلُ لِهٰذَاالرَّجُلُ تو یہ کیفیت بھی باطن کی ہے۔

پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ کہ محمد نور ابتدائی کو بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نور ہے۔ اِس نور کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ نام میں کیا اشتراک ہے؟ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کا نام محمد نہیں ہوا۔ اور ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ محمد سے مراد سب سے زیادہ پہچانے گئے۔ تو یہ حمد جب تک ایک ہی ذات کیلئے نہ ہو مکمل نہیں ہو سکتی۔ دو کیلئے ایسی حمد نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں محمد کی حمد دو کیفیتوں کیلئے نہیں ہو سکتی۔ اسلئے دو کیفیتوں میں ایک ہی ذات کی حمد محمد سے ہی ہوتی ہے وہ محمد نبی آخر الزمان جن پر قرآن نازل ہوا جنکا ظہور مکہ میں ہوا۔ جنکا مقام مدینہ منورہ میں ہے۔ یعنی آپؐ احمد بھی ہیں محمد بھی ہیں آپکے دو نام ہیں۔ یہ دو نام جسم و روح کے نام ہیں۔ احمد جسم ہے۔ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ط ہمارے بعد ایک رسول آئینگے جو احمد سے ظاہر ہونگے یہ آپکا جسم ہے اور اس جسم میں روح بھی شامل ہے۔ وہ روح وہی محمد ہے جسے نورِ ابتدائی کہا جاتا ہے۔ اسی لئے آپکو محمد کیا گیا کہ کائنات خلقت میں روحانی اعتبار سے اسماء و اسرار میں جو کچھ مخلوق ہے وہ اسی نور سے ہے اسلئے ہر شے اسی نور کو پہچانتی ہے۔ اور ہر شے میں اسی نور کو پہچانا جاتا ہے۔ یہی نور احمدؐ کی روح ہے۔ احمدؐ کی روح ہونے پر نوری اعتبار سے ہی محمد نام پکارا گیا۔ یہ پہچان روحانی طور ہے۔ کہ انسان کو جب اپنے مقامِ خلافت میں تمام اسماء و اسرار سے آگاہی ہوگی تو وہ تمام اسرار و اسماء نور ابتدائی کی جز ہیں انہیں اسماء کے منبع کو جب پہچانا گیا تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہوگی۔ اسی نسبت سے آپؐ کو اَحْمَدُ بھی پکارا گیا۔ کہ یہ نور قریب ذاتِ الٰہی کے ہے۔ لہٰذا اقرب ہونے کے اعتبار سے سب سے زیادہ سب سے اعلےٰ پہچان ذات الٰہی کی آپؐ ہی کو روحانی طور حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ نام اس ذات کا ہے جنکا ظہور دنیا پر ہوا۔ اور آپ نے بشر کی حیثیت سے ظہور کیا۔ اسلئے بشری حیثیت میں آپکا محمد نام پانا آپکی جسمانی خصوصیت سے ہونا چاہیے مگر قرآن نے بتایا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَر ’’ میں بھی تمہاری طرح کا بشر ہوں۔ اب اس بشر کی خصوصیت میں محمد کا اطلاق کس نوعیت کا ہے۔؟ تو وہ احمد کی صفت سے ہے۔ کہ بشر ہونے کی حیثیت میں آپؐ نے انتہائی تسبیح و حمد کی یہی وہ خصوصیت ہے۔ جس سے بشر کو خلیفہ و نبی کا خطاب ملا ہے۔ کہ وہ

ملائکہ سے برتر تسبیح وحمد کا حامل ہے۔لیکن یہ تسبیح اس وقت اکمل ہوسکتی ہے۔جب جسمانی اعتبار سے آپکا جسم بشری حضرت عیسیٰؑ کے نوری جسم سے افضل حیثیت اختیار کرے۔یعنی مثل عیسیٰؑ آپکا جسم جو ترکیب تناسل سے پیدا ہوا۔نوری ہو جائے! سو احمد کی خصوصیت یہ ہے۔کہ آپنے انتہائی تزکیہ اور عبادت سے اپنی سوٗی کو اسقدر قوی کیا کہ آپکا جسم مجسم نوری [1] ہو گیا۔اس سوٗی کی بھی دو نوعتیں ہیں۔ایک یہ کہ آپؐ ازلی مصطفٰے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ ہی کی روح کو اول بنایا۔جسکے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔سب سے اول اللہ تعالیٰ نے میرا نور (روح) بنایا۔اور اس نور سے باقی مخلوق بنائی یہ حدیث ہمارے اس گزشتہ بیان (محمد) کی تائید کرتی ہے۔باالفاظ دیگر اس حدیث کی ترکیب اس بیان سے ظاہر ہو جاتی ہے۔اسلئے حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارادۂ ازلی کے اولین مصطفٰے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے آپکے ہی کمالات ذاتی وصفاتی کا مظاہرہ کرنا ہے آپ ہی کا نور ہے۔جس سے ملائکہ بنے۔آپ ہی کا نور ہے جس سے تمام انبیاؑ کی روحیں بنیں۔آپؐ ہی کا نور ہے جسکی ایک جز کو آدم کیلئے مخصوص کیا گیا۔آپؐ ہی کا نور ہے۔جس سے حضرت عیسیٰؑ کا (جسم وروح کا) نور مقرر کیا گیا۔آپ ہی کا نور ہے جس سے تمام مخلوق کے

---

[1] اس کیفیت کو فنا سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۲۶،۲۷) ہر شے پر فنا طاری ہوگی اور باقی و مستقل وجود ذاتِ باری کا ہے۔جسکی فنا نہیں۔فنا سے مراد ہیئت تبدیل ہو کر کسی دوسری ہیئت میں جذب ہونا۔جیسے انسان مٹی سے بنا۔مٹی انسان کی علت ہے اور انسان مٹی کا معلول انسان موت سے ہیئت تبدیل کر کے مٹی (اپنی علت) میں جذب ہو جاتا ہے۔اسی طرح ہر شے اپنی علت میں لوٹ جائیگی۔اور یہ تبدیلی اسوقت تک جاری رہیگی جب تک علت ومعلول (سبب اور مسبب) کا سلسلہ جاری ہے۔یہ سلسلہ اسوقت ختم ہوگا جب ایک علت کا قرار واستقلال قائم ہوگا یہ علت۔علت لامحدود ہے اسی علت کو اللہ رب کہا جاتا ہے۔یہی علت باقی ومستقل ہے۔اسی علت پر فنا کی تکمیل ہوگی۔اسی فنا کو حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جسم کی فنا سے فنافی اللہ کا مقام حاصل کیا۔اسکا طریق یہی تھا کہ آپؐ نے اپنے جسم کو اسقدر مزکی وپاکیزہ کیا۔کہ اس میں مادہ کی آلائش باقی نہ رہی اور اس جسم کی کیفیت نوری ہوگئی اور اس نوری ہیئت نے اتنا عروج حاصل کیا کہ اپنے نور ابتدائی کی مثل بنکر ذات الٰہی میں فنا ہوگئی۔اسی مقامِ فنا کو معراج کہا گیا۔

اجسام بنے۔آپ ہی کا نور ہے۔جس سے حضرت عبداللہ وحضرت آمنہ علیہما الصلوۃ والسلام کے روح وجسم بنے۔آپ ہی کا نور ہے۔جس سے آپ کا جسم احمد بنا۔اب اگر حضرت عیسیٰؑ کے جسم کیلئے نور مقرر کیا گیا۔تو جنکی روح محمد کہلاتی ہے۔افضلیت کے اعتبار سے مثل عیسیٰ آپکے جسم مقدس کیلئے بھی ایک نور مقرر ہونا چاہیے سواس نور کے ظہور کی نوعیت ایسی ہی ہے جیسی حضرت یحییٰؑ کی کہ ماں باپ کے ہوتے نور سے بنے۔جیسی حضرت عیسیٰؑ کی ہے۔کہ ایک نور۔نور محمدیؐ سے جسم محمدؐ کیلئے مقرر کر کے پشت آدمؑ میں داخل کیا گیا۔یہی نور اولاد آدم میں حضرت ابراہیمؑ کی پشت میں آیا۔یہی نور حضرت اسماعیلؑ کی پشت میں آیا۔یہی نور اولاد اسماعیل علیہ السلام کے خاندان سے ہوتا ہوا پشت حضرت عبداللہ علیہ السلام میں داخل ہوا۔یہی نور بطن آمنہؓ میں مثل مریم علیہا السلام نفخ ہوا۔اس میں مبالغہ ہی کیا ہے! جب حضرت عیسیٰؑ کیلئے نور مقرر ہوسکتا ہے۔تو حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے نہیں ہوسکتا ؟ ہاں۔آپکی پیدائشی ترکیب میں مبالغہ سمجھا جائے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے کہدیا كَذٰلِكَ ۔ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ'' وہ ایسا کرنے پر قادر ہے جب حضرت عیسیٰؑ کیلئے کرسکا تو سب سے اعلیٰ محبوب کیلئے بھی کرسکتا ہے ہاں۔یہ پیدائشی ترکیب بالکل عام انسانوں جیسی ہے۔یہ کیوں۔یہ اسلئے۔کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو احمدؐ پکارا۔اور ملائکہ کو دکھادے کائنات کی ہر افضل ترین پیدائش کو دکھادے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خود یہ مقامِ حمد حاصل کیا جب کہ ہر افضل مخلوق کو خود اللہ نے ہی یہ افضلیت عطا کی۔سوآپکی افضلیت آپکے ذاتی عمل پر منحصر کردی۔اسی لئے محمدؐ بَشَرٌ'' مِّثْلُكُمْ کی حیثیت میں ظاہر ہوئے تا کہ اپنی خصوصیت خلافت تسبیح وحمد سے تمام کائنات عالم کی مخلوق میں اعلیٰ و افضل مقام حاصل کریں۔اسلئے حضرت عیسیٰؑ کو چونکہ عطائی فضیلت حاصل تھی آپ نے پیدائش کے ساتھ ہی اپنی نوری خصوصیت کا اظہار کیا۔مگر حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کیلئے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے افضل ترین نور مخصوص کر کے آپکے جسم مقدس کیلئے مقرر کیا۔لیکن آپکی فضیلت کسبی مقرر کی گئی اسلئے آپکو بَشَرٌ'' مِّثْلُكُمْ کی مانند پیدا کیا تا کہ آپ خالص بشری حیثیت میں اپنی تسبیح وعبادت سے مقامِ اعلیٰ پائیں۔سوآپؐ نے اپنی تسبیح وعبادت۔رات کے جاگنے روزہ رکھنے

سے اپنے بشری جسم کو مزکی کر کے اپنے اصل نورِ ابتدائی سے ملا دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ذاتی عمل سے وہ مقام پایا کہ آپ کا جسم مقدس حضرت عیسیٰؑ کے نوری جسم سے بھی اعلےٰ نوری حیثیت حاصل کر گیا اور قرآن نے ببانگ دہل اعلان کر دیا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی پاک ہے وہ ذات جس نے اٹھایا اپنے بندے کو۔ قلیل رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ اس آیت میں معراج کا سارا واقعہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ صرف اتنا ہی بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کے ایک قلیل وقفے میں مکہ (بیت اللہ) سے شام (بیت المقدس) تک گئے۔ اس اعلان سے مقصد صرف یہی تھا۔ کہ حضورؐ کے قلیل وقفے میں انتقالِ مکانی کا اظہار کیا جائے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اس وحی کا اعلان کیا۔ تو یہود و نصاریٰ اور قریش نے کہا ''کَیْفَ'' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک جسم اتنی طویل مسافت ایک آن میں طے کر سکے! تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بطور ثبوت قافلے کی نقل و حمل اور بیت المقدس کی ہیئت پوچھی تو آپ نے تمام کیفیت بتا دی جو بالکل سچ ثابت ہوئی۔ اور یہ ثابت ہو گیا۔ کہ واقعی آپ نے اتنے قلیل وقفے میں نقل مکانی کی۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ اسقدر طویل مسافت کا آناً فاناً طے کرنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نوری مجسم کی دلیل ہے۔ یہ دلیل احمد کیلئے تھی۔ کہ آپکو اپنی تسبیح و حمد اور تزکیہ کے نتیجہ میں نورانی جسم حاصل ہوا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسی قلیل وقفے کے اندر آپ نے تمام آسمان۔ عرش اور عرش سے اوپر تا ذاتِ الٰہی نوری مقامات طے کئے اور آپؐ نے فرمایا۔ کہ ہم نے آسمانوں کے احوال کا معائنہ فرمایا۔ اور اپنی ان آنکھوں سے ذات الٰہی کو دیکھا۔ یہ مقامات اسقدر وسیع و طویل ہیں۔ کہ اُنکی مسافت اور طے کرنے کے وقت کا کروڑہا سال کا تصور کرنا بھی ادنیٰ ہے بلکہ لامحدود ان گنت مقام و وقت! یہ سب کیفیت رات کے ایک قلیل وقفے میں آنے جانے میں طے کرنا۔ یقیناً جسم سے نہیں بلکہ روح سے ہو سکتی ہے۔ جیسے ایک صاحب علم صاحب مشاہدہ مشاہدۂ اسرار و مشاہدۂ ذاتِ الٰہی ایک ساعت میں کر لیتا ہے اسی طرح آپ نے جسم سے مشاہدہ فرمایا۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۸، ۹) پھر آپ نے عالم

بالا کی سیر کی یہاں تک کہ میرے قریب ہو گئے اور ہم نے اپنی تجلی میں سما لیا۔ اور آپکا جسمِ مقدس نور الٰہی میں سما گیا۔ اسلئے یہ فنا فی اللہ کا مقام جسم کو حاصل ہوا جس جسم نے نور ابتدائی (نوری) سے اتصال کر کے اپنی اصل سے ملکر یکسر نوری ہیئت اختیار کی۔

جاننا چاہیے۔ کہ مادہ فطری طور نور سے مماثلت نہیں رکھتا نہ ہی مادہ نور میں سما سکتا ہے۔ مادہ اگر نور کے قریب ہو جائے تو اپنی ہیئت کھو بیٹھتا ہے۔ مثال کے طور۔ لکڑی اور آگ باہم ملکر دونوں کی ہیئت سالم نہیں رہ سکتی۔ آگ قوی ہے اسلئے لکڑی جل کر آگ میں ہیئت بدل ڈالیگی۔ نور آگ سے قوی ہے نور میں مادہ کو سمانے کی قطعاً گنجائش نہیں۔ چہ جائیکہ عالم بالا کے قوی انوار۔ اور نور الٰہی! یہاں بشری جسم کو نور میں سمانے کی فطری طور گنجائش نہیں! حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان انوار میں سے بجلی کی تیزی سے بھی زیادہ شدت سے ایک آن میں گزرے۔ یہ آن کتنے زمانہ کی تھی؟ آپ نے تمام ملکوتی مقامات کی جی بھر کر سیر کی۔ انبیاؑ کی روحوں سے ملاقات کی۔ یہ واقعہ۔ تعجب خیز اور حیران کن ہے! ذہن اس کیفیت کا تصور کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت عالمِ غیب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ تسلیم شدہ امر ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جسم کے ذریعہ معراج کیا۔ کیونکہ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے دانستہ طور اور خصوصیت کے ساتھ بیان کیا۔ اسطرح بیان کرنے سے مقصد یہی تھا کہ آپ نے جسم کے ساتھ معراج کیا! یہی وجہ تھی کہ مخالفین نے اسطرح معراج کرنے کو بوجہ لاعلمی تسلیم نہیں کیا۔ ورنہ ہر شخص یہ جانتا تھا۔ کہ انسان روح کے ذریعہ تمام اسرار الٰہی اور ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس نظریہ کی وہی تکذیب کرتا ہے۔ جو قرآنی آیات کی حقیقت اور روحانیت کے علم سے بے بہرہ اور بے علم ہے اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ جسم کے ذریعہ مشاہدۂ الٰہی و اسرار الٰہی کرنا جسم کے نوری ہونے کی دلیل ہے۔ اور اس دلیل کو پیش کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو اَحْمَدْ ثابت کیا جائے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے انہیں روح سے بنایا اور اِنکی قوتِ روحانی کو محفوظ رکھا۔ سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی ایسا زمانہ وارد نہیں ہوا جس میں آپ اپنی قوت میں کمی پاتے اسی طرح حضرت آدم علیہ

السلام نے جسم کی تکمیل پر ہوش وحواس کی پختگی کے ساتھ علم وخبر حاصل کیا۔انہیں ایسے دور سے گزرنا نہیں پڑا جس میں آپکے علم وخبر میں کمی واقع ہوتی۔مگر حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشری حالت میں ظاہر ہوئے۔آپ نے ابتدائی زمانہ اسی حالت میں گزارا جسطرح عام انسان شیر خوارگی بچپن میں اپنے حال سے بے خبر ہوتا ہے۔اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے۔جبکہ عرب کے ماحول کا ذرہ ذرہ انحراف وگناہ کے زہریلے اثرات سے مسموم ہو چکا تھا۔مگر آپکی صفتِ احمدیؐ یہ تھی کہ آپ نے ہوش سنبھالتے ہی تجسس اور تصور میں قدم رکھا عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ نے تصور الٰہی اور ذکر الٰہی کا شغل رکھا۔جنگلوں کی تنہائی۔فاقہ کشی۔غارِ حرا کی چلہ کشی نے آپکے جسم مقدس کو لطیف بنایا۔جس سے آپکو علمِ نبوت کا مشاہدہ ہوا۔اسی مشاہدہ میں آپکو وحی حاصل ہوئی۔رسالت کے بعد انتہائی مشقت راتوں کی عبادت اسقدر تھی کہ وقت آیا کی آپکی لطافتِ جسمی کا اعلان کیا جائے۔سو اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا۔کہ یحییٰ وعیسیٰ کے مقابلہ میں حضرت محمد رّسول اللہ ﷺ کا جسمِ مقدس پیدائشی اعتبار سے افضل ہے۔آپ احمد ہیں۔اسلئے آپ نے اپنے جہد وعمل سے یہ مقام پایا۔باقی انبیاؑ کی خصوصیت عطائی ہے۔مگر حضور محمد رّسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت انکی ذاتی حاصل کردہ ہے۔اسلئے جسمانی روحانی اعتبار سے محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کائناتِ عالم کی مخلوق میں افضل ترین ہستی ہیں آپکے ذاتی صفاتی کمالات تمام مخلوق کائنات میں سب سے اعلےٰ وافضل ہیں۔اسی لئے آپکو خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ بنایا گیا۔خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط پیشتر بیان ہو چکا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی خلافت کو قائم رکھنے کیلئے ایک طریق جاری کیا۔کہ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت پہنچے تو یہ طریق بھی ازلی مقرر شدہ تھا کہ دنیا پر ہدایت بھیجی جائے۔سو اس ہدایت کو ایک منتخب نبی کے ذریعہ بھیجا گیا۔اسلئے اس نبی کو رسول کا خطاب ملا۔اب یہ قانونِ الٰہی تھا۔کہ جب تک انسان اپنا مقام پانے میں نامکمل ہو ایک رسول پیشتر بھیجا جائیگا۔زمانہ میں جب انسان اپنی خلافت سے گرا اور اسے ہدایت کی ضرورت ہوئی تو اللہ نے ایک رسول بھیجدیا۔اسی طرح حضرتِ نوحؑ سے یہ سلسلہ مسلسل چلا آیا۔کہ ہر زمانہ میں انسان کو ایک رسول کی ضرورت

رہی۔لیکن یہ انسان اپنے مقام سے گر کر کلی طور اپنا مقام حاصل نہ کر سکا۔تا کہ ارادہ الٰہی کی تکمیل ہوتی کہ انسان زمین پر خلیفہ رہیگا۔ ہوا یہ کہ ہر رسول کے بعد اسکی لائی ہوئی ہدایت اپنی اصلی ہیئت میں ہمیشہ کیلئے قائم نہ رہ سکی جس سے انسان راہ پا سکتا اسی لئے ہر زمانہ میں ایک نبی یا ایک رسول نئی شریعت لیکر آتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری اولوالعزم نبی حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہوا۔آپکو خصوصیت نبوت بھی حاصل ہوئی اور شریعت بھی حاصل ہوئی۔لیکن آپکے بعد پانچ سو سال بھی نہ گزرنے پائے کہ زمانہ میں گناہ وانحراف فساد وخونریزی کے شدید طوفان اٹھے اور زمانہ ایسا آیا کہ اس ارض (زمین) پر ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جسے خلیفہ و نبی کی صفت سے پکارا جاتا۔ برعکس اسکے ہر طرف حیوانیت کا دور دورہ تھا۔اور یہ محسوس ہونا ناممکن تھا کہ اس مخلوق میں کوئی بھی فرد نبی پیدا ہوسکتا ہے۔اور اگر کوئی نبی ہوا۔تو ایسی آبادی کا خلافت کے مقام پر آنا ناممکن تھا۔مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت کے مطابق ایک نبی منتخب کیا جو ایک قوم کیلئے نہیں بلکہ وقت کے تقاضے کے مطابق تمام زمین کی مخلوق کیلئے رسول بنایا گیا۔اسے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کہا گیا۔کہ یہ انسانی آبادی کیلئے رحمت ہیں کہ اِنسے پھر اپنا مقامِ خلافت پا سکینگے۔

حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گرتی دنیا کو اٹھالیا۔اندھیری دنیا میں سِرَاجًا مُّنِيْرًا چمکتا چراغ بنکر اجالا کر دیا۔ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ تحقیق آپ سیدھے راستے پر پہنچانے والے ہیں۔آپکے پاس راستے پر پہنچانے کا کیا طریق ہے؟ وہ قرآن کریم ہے ــــ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ یہ قرآن ہے اس میں شک نہیں کہ یہ سیدھے راستہ تک پہنچانے والی ہے۔جو اسکی پیروی کریں ــــ یہ وہی ہدایت ہے۔جسکا وعدہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے کیا تھا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۔پس جب میری ہدایت اور رسول تمہارے پاس پہنچے تو اسکی پیروی کرنا۔پس زمانہ میں ہر دور میں انسان کو اس وقت ہدایت اور رسول کی ضرورت رہی جب انسان کو سیدھا راستہ حاصل کرنے کیلئے کوئی علم نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہدایت (انجیل) لیکر آئے مگر زمانہ میں ابھی انسان اپنے مقام کو کلی طور نہ پا سکا اور ایک رسول

اور ہدایت کی دوبارہ ضرورت پڑی تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآنی ہدایت دیکر بھیجا یہ ہدایت دنیا کے ہر انسان کیلئے ہے۔اور اس قرآن کی صفت یہ ہے کہ یہ آخری ہدایت ہے۔اسکے بعد کوئی ہدایت نہ آئیگی۔کیوں؟ اسلئے کہ یہ ہر انسان کیلئے ہے۔اور جب تک انسان پیدا ہوگا اسکے لئے ہر زمانہ میں یہ ہدایت قائم رہیگی۔یہ کتاب اپنی صفات میں اکمل ہے۔اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ۔میں نے اس قرآن میں ہدایت کے تمام طریق پیش کئے اسلئے یہ قرآن انسان کو سیدھے راستہ تک پہنچا کر اللہ تک پہنچانیوالی ہے۔اب کوئی انسان دنیا میں حصولِ علم حصولِ معرفت میں تشنہ نہ رہیگا۔آپکے بعد یہ قرآن اپنی صفات میں قائم رہیگا۔اور جیسے آپ نبی ورسول ہیں جنکے ذریعہ یہ ہدایت لوگوں تک پہنچی اور انسان نے اپنا مقامِ خلافت پایا۔اسی طرح آئندہ بھی اس ہدایت کے ساتھ آپکی جماعت سکھانے والی باقی رہیگی۔ جنہوں نے آپسے مقامِ خلافت ونبوت پایا۔اب یہی خلفاَ اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (یعنی ہماری امت کے عالم بنی اسرائیل قوم کے نبیوں کے مانند ہیں) بحیثیت نبی اس قرآن کو اسکی ہدایت اور طریق کو لوگوں تک پہنچا کر مقامِ خلافت ونبوت پر پہنچاتے رہینگے۔قومِ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کو ہدایت ملی یہ رسول کہلائے۔اور جب اس قوم کو تجدید دین کی ضرورت پڑی تو اللہ نے بعض لوگوں کو منتخب کیا۔جو نبی تھے انکی خلافت ونبوت محفوظ رہی اور انہی ہستیوں نے زبور اور توریت کی ہدایت کو لوگوں تک پہنچایا۔اسی طرح حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جبکہ ایک دین مکمل ہو چکا اب کسی ہدایت کی ضرورت باقی نہ رہی۔یہ ہدایت ہمیشہ دائم و قائم رہیگی۔اب نہ ہدایت کی ضرورت رہی نہ رسول کی اسلئے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخری نبیٔ رسول ہیں۔جن سے تمام انبیاؑ کے ظہور پر مہر ثبت ہوگئی۔چونکہ یہ رسول۔نبیٔ رسول ہیں۔انکے بعد دنیا پر نبوت اور نبی کا تصور باقی رہیگا۔اسلئے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبیٔ رسول نہیں آئیگا نہ اسکی ضرورت ہوگی۔جو نبیٔ رسول بن کر آئے اب آپکی امت کے علماَ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ پائے جائینگے جن کے پاس ہدایت ہوگی اور وہ اسکا اجراَ کرینگے۔ہاں ہدایت کیا ہے؟

صراط مستقیم پر پہنچانے کا طریق۔صراط مستقیم کیا ہے۔ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط صراط مستقیم اللہ کا راستہ ہی ہے۔اللہ کا راستہ کیا ہے؟ وہی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ۔یعنی زمین سے لیکر آسمانوں کی کیفیات اور اسرار عالم بالا تمام عالمِ نورانی تا نور ابتدائی اور نور ابتدائی (محمدؐ) اللہ کے نور سے ہے اسلئے صراط اللہ سے مراد تمام کیفیات اسماء واسرار الٰہی از زمین تا ذات الٰہی ۔یہی مقام قرآن سے حاصل ہوتے ہیں جو حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکی امت کے علماً انسان کو عطا کرینگے۔

قرآن نے ہدایت کے ساتھ ایک رسول کے کردار کو بھی بتا دیا۔کہ رسول کس طرح ہدایت پہنچاتا ہے۔لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ج (پارہ۴ سورۃ۳ آیت۱۶۴) اللہ نے مومنوں (انسان) پر یہ احسان کیا کہ اپنی طرف سے ہدایت بھیجی اور انسان کو خلافت ونبوت کے مقام پر پہنچانے کیلئے ایک رسول انہیں (بشر) میں سے منتخب کر کے بھیجا یہ رسول میری ہدایت کو پڑھکر سناتا ہے اور انسانی کثافتوں کا تزکیہ کر کے انکے دل اور روح پاک کرتا ہے جس سے انسان کو علم (بالمشاہدہ) حاصل ہوتا ہے۔اسرار ومعرفت کا۔جسکے آثار قرآن میں بتائے گئے ہیں۔یہ کیفیتیں پوشیدہ (الحکمہ) تھیں جن سے تمہیں آگاہ کرتا ہے۔سو رسول کے بعد جنہوں نے رسول سے علم پایا نائب رسول خلیفہ رسول علماء امت کَاَنْۢبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ہر زمانہ میں اسی طرح لوگوں پر تلاوت کرینگے۔انکا تزکیہ کرینگے۔اور انہیں علم الاسماء وحکمت کے آثار سے آگاہ کرتے رہینگے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ میرے اصحاب کی اقتدا وتقلید کرو تم سیدھا راستہ پاؤ گے پھر فرمایا۔اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ السَّفِیْنَۃِ نُوْحٍ۔ میرے اہل میرے تابعداروں میرے خلفاً کی مثال نوح کی کشتی کی سی ہے۔جو اس کشتی میں سوار ہوا ۔ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وہ نجات پا گیا اور وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ جس نے مخالفت کی وہ غرق ہوا۔جس نے علماً امتِ حقہ کی اقتداً و پیروی کی وہ نجات پا گیا جس نے انکی مخالفت کی وہ قعرِ مذلت

میں غرق ہوگیا۔

اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہر زمانہ میں حاصل ہوگی اور آپکے علماً ۔خلیفۂ ارض۔ نبی۔خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے ہر زمانہ میں پائے جائینگے اور انہی سے انسان خلافت ونبوت پاسکیگا۔لہٰذا ضروری ہوا کہ کائنات ارض پر سب سے افضل نبی ورسول جسمانی وروحانی اعتبار سے افضل المخلوق السمٰوٰت والارض حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپکے بعد آپکی امت کے علماً روحانی اعتبار سے افضل الخلائق ہیں۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ ہدایت۔قرآن وحدیث۔اور طریقِ معرفت اسماء واسرار کا مشاہدہ عطا کر کے انسان کو معرفت واسرار الٰہی سے آگاہ کرتے رہینگے اور جو شخص بغیر اس خوبی کے نبی یا خلیفہ یا عالم ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔لیکن وہ صاحب معرفت نہ ہو۔دینِ محمدیؐ میں تفرقہ پیدا کرنے والا ہو۔اور اس میں لوگوں کو معرفت عطا کرنے کی صلاحیت نہ ہو وہ اپنے دعوٰئے نبوت میں جھوٹا ہے اسے کذّاب کہا جائیگا۔ کیونکہ قرآن نے انسانی پیدائش کو خلیفہ کے تصور میں پیش کیا۔اور ہر انسان جو زمین پر پیدا ہوتا ہے۔خلیفہ کہلاتا ہے۔اور قرآن نے خلیفہ کی تعریف صاحب علم ومشاہدۂ اسرارِ الٰہی بتا کر اسے نبی قرار دیا ہے۔یعنی خبر پانے والا خبر دینے والا۔ جو کہ ہر انسان کی خصوصیت ہے جسکے لئے سمع وبصر۔دل ودماغ کو مزکی رکھکر ہر لمحہ پاک رہنا اور علم وخبر سے آگاہ رہنا ہے۔اسکے بغیر جس انسان نے اپنی سمع وبصر۔دل ودماغ سے صحیح کام نہ لیا۔اور حقیقت کی خلاف ورزی کی وہ انسان زمرۂ خلافت ونبوت سے خارج ہوا۔ایسا انسان انسان نہیں بلکہ حیوان کہلائیگا۔وَاٰخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

مِعْرَاجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۔ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت اول) پاک ہے وہ ذات جس نے اٹھایا اپنے بندے کو رات کی قلیل مدت میں مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک۔

معراج کی رات وہ مشہور یادگار رات ہے۔ جس رات حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی صفت سے نوازا۔ یا یوں کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصی صفت کا اظہار کیا۔ اسکی ابتداً اس آیت سے کی گئی۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۔

اس آیت میں بظاہر معراج کا واقعہ بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک کیفیت کا اظہار کیا گیا۔ جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کے قلیل وقفے میں مسجد الحرام (بیت اللہ) سے مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) تک گئے۔ ان دونوں مقامات کے مابین طویل مسافت کا بُعد ہے۔ جو ایک رات میں طے نہیں ہوسکتا۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں یہ مسافت مہینوں میں طے ہوتی تھی جبکہ لوگ قافلوں کی شکل میں پیدل سفر کیا کرتے تھے۔

اسی رات کی صبح کو حضورؐ نے بیان فرمایا کہ آج رات ہمیں معراج ہوا۔ احادیث اور تواریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضورؐ نے کئی معراج کئے۔ جنکی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہوئی ہے۔ لیکن یہ معراج باقی معراجوں سے اپنی نوعیت میں خاص ہے چنانچہ جب صبح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کا ذکر فرمایا تو یہود و نصاریٰ نے تعجب کیا۔ حضورؐ کی بات کو مبالغہ سمجھ کر تمسخر

اُڑانے لگے۔ یہود و نصاریٰ مومنوں سے مذاق کرنے لگے کہ تمہارے رسول نے آج نئی بات کہی ہے۔ کہ انہوں نے معراج کیا۔ سو اس معراج کی ابتدا اسی آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی سے ظاہر کی گئی۔ بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ اس آیت میں معراج کا واقعہ بیان نہیں کیا گیا صرف یہ بتایا گیا کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جسمانی حالت میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کی طویل مسافت کو چند لمحوں میں طے کیا۔ یہی وجہ تھی کہ یہود و نصاریٰ کو یہ کیفیت مبالغہ نظر آئی کہ ایک جسم اتنی طویل مسافت ایک قلیل ساعت میں کیسے طے کر سکتا ہے۔ ورنہ اگر روحانی ہوتا تو شدت کے ساتھ اعتراض کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ کیونکہ ہر قوم میں خصوصاً یہود و نصاریٰ میں بھی روحانیت اور اسکی خصوصیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ کہ روحانی حیثیت میں انسان اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اسے عرفان حاصل ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں کسی اعتراض کی گنجائش نہ تھی اور آیت کی ظاہری کیفیت میں بھی اللہ تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں صرف بیت اللہ سے بیت المقدس تک جانے کا دعویٰ تھا۔

سو اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانی خصوصیت کا اظہار کیا ہے۔ کہ یہ جسم وہ جسم ہے جو بیت اللہ سے بیت المقدس تک رات کے قلیل وقفے میں گیا۔ اسکے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اس آیت کی شرح میں اپنی تمامی عروج کی کیفیات بیان فرمائیں۔ جس مین بیت المقدس میں انبیاؑ کی امامت کرنی سات آسمانوں کی سیر اور آسمانوں سے اوپر تمام کیفیاتِ نوری کا مشاہدہ کرنا۔ اور ذاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرنا۔ چنانچہ آپ نے ذات الٰہی کے مشاہدہ کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔ کہ ''ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا۔''

یہ تمامی سیر اور مشاہدہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مقدس کا بیان کردہ ہے۔ اس بیان کی نسبت اسی آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی سے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ساتھ حضورؐ کے اس مشاہدہ کا ذکر

نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصود اس تمامی کیفیت سے صرف حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جسمانی خصوصیت کا اظہار کرنا تھا۔ وہ خصوصیت یہی تھی۔ کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مقدس وہ جسم ہے۔ جو اپنی جسمانی حالت میں مجھ تک پہنچا۔ سو اس خصوصیت کے اظہار کیلئے ایسی ہی دلیل کی ضرورت تھی جو انسانی عقل میں آسکتی۔ اسلئے دلیل کے طور مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کا ہی ذکر کیا۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ نے آپ پر انہیں مقامات کے متعلق سوالات کئے۔ کہ فلاں قافلہ کہاں پر تھا۔ فلاں مقام پر کیا ہوا اور بیت المقدس کی تعمیر کس طرح ہے۔ جسکا جواب آپ نے اسی حالت میں دیا۔ اور یہ تمام کیفیتیں سچ ثابت ہوئیں۔

اس واقعہ معراج میں خصوصیت صرف اتنی ہے۔ کہ آپ نے جسمانی حالت میں معراج کیا۔ جبکہ اس سے قبل کسی بشر کو اس حالت میں معراج نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا گمان تھا کہ انہوں نے طُور پر اللہ کو دیکھا اور اللہ سے ہم کلام ہوتے رہے۔ وہ اپنے رسول کی سیرت کو بڑھ چڑھ کر پیش کرتے اور اپنے دین کو افضل سمجھتے۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ وہ جسم کے ساتھ آسمان پر ہیں۔ یہ کیفیت بھی افضل خصوصیت میں شامل تھی۔ اس بارے میں اللہ نے بھی تائید کردی کہ وَمَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ اور دوسری آیت میں جسمانی طہارت کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت کا اظہار کیا۔ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اس میں مقصود یہود کی شرارت سے پاک کرنا اور اسکی تدبیر رَفَعَ سے کرنا اور اسکے بعد موت دینا تھا۔ سو یہ آیت ظاہر کرتی ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہود کی شرارت سے محفوظ کر کے جسمانی حالت میں آسمان پر اٹھایا گیا۔ اسی زعم میں نصاریٰ بھی اپنے دین کو افضل سمجھ بیٹھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام خصوصیتوں سے افضل خصوصیت کا اظہار فرمایا کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک ایسا جسم عطا ہوا ہے جو مادیت سے پاک اسقدر لطیف ہے۔ کہ اسکے انتقال (یعنی اِدھر اُدھر جانے) میں کوئی کیفیت حائل نہیں۔

اب دیکھنا ہے۔ کہ اس جسم میں کونسی خصوصیت تھی جس سے یہ جسم بشری بھی تھا۔ اور ملکوتی

خاصیت کا بھی حامل تھا۔ یہ جسم عام مادی جسموں کی مثل بھی تھا لیکن اس حالت میں بھی اسکا اثر نوری تھا۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ پہلے انسانی جسم کا تجزیہ کیا جائے۔ کہ انسانی جسم میں کیا کیا خصوصیات ودیعت کی گئی ہیں۔ تا کہ معلوم ہو کہ اس مادی جسم میں کیا نوری خاصیت بھی پائی جاسکتی ہے؟ اگر قبل از وقت اس جسمانی خاصیت کے تجزیہ پر عبور حاصل نہ کیا گیا۔ تو ضروری ہے۔ کہ ایک جسم کے نوری تسلیم کرنے پر یہود و نصاریٰ کے مانند مبالغہ سمجھا جائے۔ ہاں اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی شخصیت کا لحاظ رکھا جائے تو مبالغہ نہیں کہہ سکتے بلکہ تاویل کر سکتے ہیں۔ کہ یہ روحانی معراج تھا۔ کوئی یہ کہیگا کہ جسم مادی نور میں نہیں جاسکتا۔ تو اسکی تاویل یا توجیہ کی جائیگی کہ نوری ماحول میں جسم تحلیل ہوتا گیا یا نعوذ باللہ بندوق کی گولی سے مشابہت دی جائیگی کہ اتنی تیزی میں آنے جانے میں ماحول اثر نہیں کرتا جسم مادی تھا لیکن ماحول سے تیزی کی وجہ سے متاثر نہ ہوا۔ یہ سب بحثیں بلا عقل بلا دلیل ہیں۔ جب تک کہ ابتدائی جسمانی ساخت اور مرکب کو نہ دیکھا جائے کہ اس جسم انسانی میں کس قسم کا مواد و مرکب پایا جاتا ہے۔ اسکے لئے ہمیں تواریخی طور ابتدائی زندگی کا جائزہ لینا ہوگا۔ کہ جسم کی ابتداً کس شے سے ہوئی اور کب ہوئی۔ لیکن اس ابتدائی زمانہ کی کوئی تواریخ بھی موجود نہیں جس سے ہمیں زمانہ کے اصل واقعات حاصل ہوں۔ سوائے قوموں کے روایتی واقعات کے۔ ان میں بھی تحریف و تاویل ہوتی رہی۔ اور کسی قوم کی تواریخی یا الہامی کتاب بھی ابتدائی زمانہ کی اصل کیفیت پیش نہ کرسکی۔ اب اگر ہمیں اصل واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ تو ہم ان واقعات کو قرآن کی روشنی میں ہی صحیح تسلیم کر لیتے ہیں۔ ورنہ کوئی الہامی کتاب یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ اس میں سوائے چند احکام کے کائنات سے متعلق اسرار کا مواد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کھلے الفاظ میں انسانی تخلیق کی تمامی ترکیبوں کا حوالہ دیتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط اس بیان میں خصوصیت کے ساتھ دو کیفیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اور فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور ان کیفیتوں کے اظہار کے ساتھ اصل مقصد تخلیق جَـــاعِـل'' کا رکھا گیا کہ ہمارے ارادہ میں جب ایک مخلوق کے بنانے کا منصوبہ مقرر ہوا تو وہ زمین پر ایک خلیفہ بنانے کا منصوبہ تھا۔ لیکن اس تخلیق کی

ابتداً خلیفہ سے نہ ہوئی بلکہ اس سے قبل ملائکہ یعنی نوری وجود بھی مخلوق ہوئے۔جسکا اشارہ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط سے ظاہر ہے کہ جب کہا اللہ نے۔جب ابھی خلیفہ بنا نہ تھا۔لیکن ملائکہ مخلوق ہو چکے تھے۔ان ملائکہ سے کہا آپکے رب نے کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔اس سے ظاہر ہوا۔کہ ابتدائی مخلوق اصلِ مقصود نہ تھا بلکہ اصل کیفیت خلیفہ ہی تھا۔تو معلوم ہوتا ہے۔کہ اگر خلیفہ ہی اصلِ مقصود ہے۔تو ملائکہ کے مقابلہ میں اسکی کچھ خصوصیت اعلےٰ ہی ہوگی۔سواس خصوصیت کا بھی ذکر کیا گیا جسے قرآن نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ج وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے سامنے صرف ارض اور خلیفہ کا ذکر کیا۔لیکن یہ نہ بتایا۔کہ وہ میری تسبیح وتقدیس کریگا۔اسکے جواب میں ملائکہ نے کہا۔کہ اے باری تعالیٰ۔زمین ایک مادی اور سفلی کیفیت ہوگی۔اور اسکی پیدائش کا وجود بھی سفلی ہوگا۔تو اس مخلوق میں تسبیح وتقدیس کی صلاحیت نہ ہوگی۔خلیفہ سے مراد تسبیح وتقدیس کرنے والا ہے۔اور پہچان کرنے والا ہے۔تیری تسبیح تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ملائکہ نے خلیفہ کی خصوصیت کو جانا۔کہ وہ تسبیح وحمد کریگا۔لیکن یہ نہ جان سکے کہ اس زمینی مخلوق میں کس طرح تسبیح وحمد کی صلاحیت پائی جائیگی۔اسی لاعلمی کے باعث اللہ نے کہا کہ تم نہیں جانتے جو کچھ اس خلیفہ کے بارے میں میں جانتا ہوں۔

اب دیکھنا ہے۔کہ یہ مخصوص خلیفہ کس حیثیت میں زمین پر پیدا ہوتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اسکی ترکیب بھی بیان کی جس ترکیب میں اول زمین کی ترکیب پیش کی جاتی ہے۔کہا۔

اَوَلَمْ یَرَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط (پارہ ۱۷ سورۃ ۲۱ آیت ۳۰) کیا نہیں دیکھا ان کافروں نے یہ کہ یہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے پس ہم نے انہیں جدا جدا کیا۔اور اسکے بعد زمین کی ہر شے کو پانی سے زندگی وحرکت دی۔اس آیت میں اول زمین کی ابتداً کا حوالہ دیا گیا۔کہ یہ آسمان وزمین ایک ہی مرکب تھے پھر ہم نے آسمانوں سے اسے ارض کی شکل میں علیٰحدہ کر دیا۔اسکے بعد اسی زمین سے

ہر شے کو پانی کے ذریعہ پیدا کیا۔اس آیت میں کَانَتَا رَتْقًا میں ایک خصوصی ترکیب ظاہر ہوتی ہے۔کہ زمین بجائے خود کوئی وجود نہیں۔ بلکہ کسی وقت اسکا وجود آسمانوں کی کیفیت میں ملا ہوا تھا اور فَفَتَقْنٰهُمَا کی ترکیب سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ زمین سے قبل آسمان اور اسکی ملکوتی مخلوق پیدا ہوتی رہی اور یہی آسمان زمین کی علت ہیں۔اسی آسمان سے زمین کا مرکب نکلا۔اس ترکیب میں علت و معلول ۔سبب اور مسبب کی ایک خاص ترکیب ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کے مقصود کو پورا کرنے کیلئے پہلے نوری کیفیتوں کو علت و معلول کی صورت میں پیدا کیا۔اور اسی نوری کیفیت کی آخری معلول فَفَتَقْنٰهُمَا کی صورت میں آسمان سے زمین کو معلول کیا۔تو یہ سمجھنا آسان ہے۔کہ جس وقت آسمانوں سے زمین جدا ہوئی۔تو اسکی ہیئت بھی مثل آسمانوں کے نوری تھی۔اور وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط کا اشارہ زمین کی اس کیفیت کی طرف ہے۔جس میں زمین پر مادی اثرات طاری ہو کر اس میں پیدائش شروع ہوئی۔ہم دیکھتے ہیں۔کہ زمین نوری نہیں نہ ہی اسکی مخلوق نوری کہلاتی ہے۔تو اسکی ابتدائی کیفیت اگر مادی ہیئت میں تبدیل ہوئی تو اسکا ذریعہ پانی ہوا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط۔اس اشارہ سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ زمین نوری تھی اس پر پانی کے آثار پیدا ہوئے اسی پانی کے اثر سے زمین مادی ہیئت میں آ گئی۔زمین پر پانی کی کثرت رہی اسی پانی سے تمام مخلوق مادی کا وجود ظاہر ہوا۔ چنانچہ قرآن خود اس تحقیق کی تحریک دیتا ہے۔سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ۔(پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۲۰) تم زمین پر پھر کر اسکی اشیاً پر تحقیق کرو۔کہ کس طرح زمین کی مخلوق کی ابتداً کی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ط۔اب تحقیق کرو اور سمجھو کہ پانی سے کس طرح مخلوق پیدا ہوئی۔ اور اس تخلیق میں اشیاً کی پیدائش کی ترکیب کیا ہے۔اور اس پیدائش کا وجودی مرکب کیا ہے۔تا کہ تمہیں ایک خالق اور اسکی خالقیت کا اندازہ ہو جائے۔سو یہ ظاہر ہے۔کہ زمین پر جب پانی کی کثرت رہی تو اسی نوری زمین کے نوری ذرات نے پانی میں۔نباتات۔ جمادات۔کی شکل اختیار کی۔اسی پانی سے جاندار حرکت کرنے والے کیڑے اور حیوان نے مادی ہیئت حاصل کی۔اسی زمین

کے ذرات نوری میں سے اسکی مخصوص مخلوق حیوانی یعنی انسان کی پیدائش ہوئی۔اسکی ترکیب کچھ بھی ہو۔لیکن ہر مخلوق اور خصوصاً انسان میں اسی نوری زمین کے مرکب کا مواد پایا جانا لازمی ہے۔

اب دیکھنا ہے۔کہ انسان کی تخلیق میں۔اسکے مرکب میں کیا مواد پایا جاتا ہے اور اسکی پیدائشی ترکیب کس طرح ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش کی ترکیب بھی مختلف صورتوں میں بیان کی۔سب سے اول جبکہ انسان کا وجود موجود نہ تھا۔تو اللہ تعالیٰ نے اسکے ایک خصوصی مرکب کا حوالہ دیا۔وہ یہ کہ اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ ۔مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ اس آیت میں انسانی وجود کی ابتدا زمین کی مادی کیفیت مٹی سے ظاہر کی گئی اور مٹی کی کیفیت حماءٍ مسنون بتائی گئی۔یہ لیس دار کیچڑ ہے۔پانی کے ذریعہ مٹی کو مہین اور لیس دار گارے کی شکل میں لایا گیا۔یہ مرکب ایک خصوصی مرکب ہے جس میں پانی کے ذریعہ زمین کے تمام جواہر نوری (یا ناری) کو یکجا کر کے مرکب بنایا گیا۔جواہر نوری اسلئے تھا۔کہ زمین خود ایک جواہر نوری کا مرکب تھی اسی جوہر کو پانی سے لیسدار گارے کی شکل میں لایا گیا۔چنانچہ قرآن اس جوہر نوری کا حوالہ بھی دیتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ۙ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ

(پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۴،۱۵) بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی ہوئی مٹی سے اور اسی زمین سے۔جنوں کو آگ کی لوؤں سے بنایا۔یہاں انسان کی پیدائش اور مرکب کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے ظاہر کیا گیا۔یہ ظاہر ہے کہ ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی۔لیس دار گارے کی مانند نہیں۔بلکہ یہ دو مختلف اور متضاد کیفیتیں ہیں۔لیکن زمین کی پیدائشی ترکیب میں یہ دونوں کیفیتیں پائی جاتی ہیں۔کہ یہی زمین فَفَتَقْنٰهُمَا کے وقت جب آسمان سے علیٰحدہ ہوئی تو نوری تھی۔کیونکہ آسمان نوری کیفیت ہے۔اور جب ارادۂ ازلی کے تحت زمین پر خلیفہ بنانا مقصود تھا۔تو اس زمین نے مادی ہیئت میں آنا تھا۔سو مادی ہیئت میں آنے سے پیشتر اور نوری ہیئت سے جدا ہونے کے بعد اسنے فطری طور ناری ہیئت سے گزرنا تھا۔سو صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ زمین کا وہ مرکب ناری تھا۔جب اسکی ہیئت ٹھیکری کے مانند تھی اور اسی ناری ہیئت میں زمین ناری کی لوؤں (یعنی شعلوں) سے اسی طرح جن مخلوق ہوئے

جسطرح نوری آسمان کی نورانی لوؤں سے ملائکہ پیدا ہوئے۔ کیونکہ ملائکہ کے معنی ہی نوری پیکر ہیں۔
اسی لئے خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ کا اس ترکیب کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اسطرح ایک مرکب میں دو متضاد کیفیتیں سما جاتی ہیں۔ کہ اِنِّیْ خَالِقٌ "بَشَرًا" میں جس بشر کا ذکر کیا گیا وہ یہی انسان تھا جسکا مرکب اول زمین ناری میں موجود تھا۔ اور پھر لیس دار گارے کی کیفیت میں آکر یہاں سے اسکی پیدائشی ترکیب ظاہر ہوئی۔ یا یوں کہیئے کہ اس انسان کے وجود کا مرکب اسی زمین سے ہے جو ایک وقت ٹھیکری کے مانند تھی۔ جسطرح آوے میں مٹی سرخ ہوکر ٹھیکری بن جاتی ہے۔ اور زمین پانی سے خاکی ہوکر مٹی کی شکل میں آئی جس سے انسان بنا یعنی صلصال اور حمآءٍ مسنون ایک ہی زمین کی دو کیفیتیں تھیں۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط میں حی کی کیفیت کیا ہے۔ وہ یہ کہ حرکت میں محسوس ہونے والی کیفیت۔ یعنی ایک ابتدائی زندگی جو نوری اور ناری ہیئت میں غیر محسوس کیفیت تھی۔ پانی کے ذریعہ اسکو محسوس محرک بنایا گیا۔ یہ ایک نوری وجود سے ایک نوری وجود تھا جو ناری وجود میں ظاہر ہوا۔ اور اسی ناری وجود میں پانی سے محسوس مخلوق پیدا کی گئی۔ اسلئے ظاہر ہے۔ کہ انسانی وجود نوری۔ ناری زمین کے جواہراتی مرکب کا ایک مخصوص واحد وجود ہے۔ جس میں زمین کی تمام جواہراتی اشیاؑ سے قوی مادہ پایا جاتا ہے۔ یہی کیفیت انسان یا بشر سے تعبیر ہے۔

اس بشر کی ترکیب بشری کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک زائد خصوصیت کا ذکر بھی کیا وہ یہ کہ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ ۔ یعنی میں زمین پر لیس دار گارے سے ایک بشر بناؤنگا جب اسکی بشری ہیئت کی تکمیل ہوگئی تو اسے سنواروں گا۔ آراستہ کرونگا۔ فَاِذَا کا اشارہ جسمانی مرکب مکمل ہونے کے بعد ہے۔ اسلئے جسمانی ہیئت سے علاوہ ہی سوّی کی خصوصیت ہوگی۔ وہ خصوصیت یہ ہے۔ کہ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۹) اور تمہارے لئے سننے کی قوت اور آنکھیں اور دل و دماغ عطا کئے اس حالت میں تم میرے اس خصوصی عطیہ پر پورا شکر نہیں کرتے۔ ظاہر ہے۔ کہ ہر جاندار کو آنکھیں اور کان۔ دل و دماغ دیئے گئے۔ لیکن انسان کے

یہ قویٰ باقی مخلوق سے قوی ہیں۔اسکے علاوہ اسکی جسمانی ترکیب کواس انداز پر بنایا گیا۔کہ انسان اپنے ہر عضواور ہر جسمانی قوت سے اپنی قوت میں ظاہری باطنی قوت میں اضافہ کرسکتا ہے جسطرح ایک انسان زمین کی مادی غذا کو تحلیل کر کے خون اور خون سے مادہ منویہ اور اس مادہ سے جسم کو قوی بنا سکتا ہے۔اسی طرح اس جسم کی کیفیتِ مادی کو بھی لطیف بنا سکتا ہے۔جسطرح یہ ٹھوس اناج کو لطیف خون یا جسمانی جوہر میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔یہ کیفیت سوّی سے تعبیر ہے۔کہ اس میں جسمانی ترقی اور لطافت حاصل کرنے کی صلاحیت بھی ودیعت کی گئی۔اسکے علاوہ ایک خصوصیت اور بھی ہے۔وہ یہ کہ

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ اس بشر میں سوّی کے بعد ایک خصوصیت اور بھی ودیعت کرونگا کہ اسکے جسمانی مرکب کی اپنی روح یا نور سے تکمیل کرونگا۔تو پھر اسکی خصوصیت یہ ہوگی کہ انسان اپنی جسمانی حالت میں اور روحانی حالت میں مسجودِ ملائکہ کہلائیگا۔کہ نوری پیکر بھی اسے اپنے سے افضل تسلیم کرینگے۔

قرآنی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔کہ انہیں خصوصیات کے ساتھ انسان کو زمین پر پیدا کیا گیا۔اور اسکا وجود آدم کے نام سے منسوب کیا گیا اسکے بعد قرآن انسانی خصوصیات کے کمالاتِ ظاہری باطنی کا واضح ذکر کرتا ہے۔تا کہ اسکی جسمانی اور روحانی خصوصیات کی دلیل بھی پیش کی جائے۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ پھر ہم نے آدم کو تمام اسرارِ ظاہری باطنی (یعنی اسرار الٰہی) کا علم دیا۔یہ اسلئے کہ ملائکہ کے اس اعتراض کی رد کی جائے جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا تھا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○۔کہ اس زمین کے خلیفہ کی خصوصیاتِ خلافت کو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جان سکتے کہ خلیفۂ ارض کے مرکب اور اسکی خصوصیات میں کیا کمالات ودیعت کئے جائینگے۔اسلئے مناسب ٹھہرا کہ آدم یعنی خلیفۂ ارض کا ملائکہ سے مقابلہ کرایا جائے۔سو اس مقابلہ کیلئے فریقین کا آزمائشی امتحان لیا گیا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۔ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اور کہا ملائکہ سے اگر تمہارا گمان یہی ہے۔کہ نوری پیکر ہی

تسبیح وحمد کے اہل ہیں۔اور زمینی مخلوق میں سوائے فساد کے تسبیح وحمد کی صلاحیت نہ ہوگی۔تو تم اپنی تسبیح کے نتیجہ میں۔جو کہ تمہیں حاصل ہونا چاہیے ــــ! مجھے اپنے اسرارِ ملکوتی سے آگاہ کرو کہ تم کیا علم رکھتے ہو۔ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا ط اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ تو ملائکہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔کہ ہمیں اس سے زیادہ علم نہیں جتنا تو نے ہمیں عطا کیا۔یا یوں کہیے کہ ہماری تسبیح وحمد کے نتیجہ میں ہمیں اتنا علم حاصل نہیں۔جتنے علم کا تو ہم سے سوال کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے خلیفۂ ارض یعنی آدم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ ج ۔اے آدم تو اپنی علمی وسعت کے اعتبار سے انہیں انکے کوائف وآثار کی خبر دے۔تو آدم نے انکے تمامی احوال کی خبر دی۔ فَلَمَّا اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ یعنی جب آدم نے انکو انکے اسماء کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے کہا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ○ کہا اللہ تعالیٰ نے کیا میں نے کہا نہیں تھا اسوقت جبکہ تم نے خلیفہ ارض کے بارے میں اعتراض کیا تھا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ ۔کہ تم ابھی خلیفہ کی خصوصیاتِ ذاتی صفاتی کا ادراک نہیں کر سکتے کہ میں اس ارضی وسفلی مخلوق کو کس ہیئت وحیثیت میں پیدا کرونگا۔ابھی تو یہ آدم کا مقابلہ ہے۔ ابھی میرے ارادے میں خلیفہ کیلئے جو منصوبہ ہے۔آگے چل کر اسکا بھی اظہار کرونگا۔کہ میں خلیفہ کو کس ہیئت میں زمین پر پیش کرونگا۔الغرض اس انسانی مخلوق کی خصوصیت واضح ہو جاتی ہے۔کہ کائناتِ ارض سمٰوٰت کی سب سے افضل وقوی مخلوق صرف انسان ہی ہے۔جسکے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ ازلی میں خاص منصوبہ بنایا۔سو اسکی پیدائشی ترکیب میں باقی مخلوقِ کائنات میں سب سے اعلیٰ خصوصیت وکمالات ودیعت کئے۔کہ کائنات کی سب سے اعلیٰ مخلوقِ ملائکہ بھی اسکے آگے اپنی خصوصیات میں کمتر ثابت ہوئے۔اسکے بعد ظاہر ہے۔کہ اس زمین پر اولاد آدم خلیفہ کی حیثیت سے پیدا ہوئی۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا ۔اس اشارۂ قرآنی میں بھی جب خلیفہ کا ذکر ہوا۔تو تمام مخلوق انسانی کی طرف اشارہ کیا گیا جو اولاد آدم میں قیامت تک پیدا ہوتی رہیگی۔لیکن اس مخلوق میں فرق اور تخصیص ضرور ہوگی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے بنایا۔اس میں سڑی کی اور ثُمَّ

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط میں اسکے مرکبِ انسانی کی تکمیل نفخ روح سے کی۔ یہی کیفیت تمام اولادِ آدم میں جاری رکھی کہ ہر انسان اپنی پیدائش میں اسی خصوصیت بشر۔ سوّی اور نفخ روح کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہر بشر میں وہی ترکیب جاری ہے تو جہاں آدم میں علم الاسماء حاصل کرنے کیلئے روح رحمانی عطا ہوئی۔ وہاں اولاد آدم میں بھی جب روح رحمانی نفخ کی گئی تو اسے لازمی اور فطری طور اسماء کُلّھا کا علم دیا جانا چاہیے۔ ورنہ اس روح کے نفخ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اسلئے ارادۂ الٰہی کے تابع ہر انسان خلیفہ کہلاتا ہے۔ اور فرق یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے ایک طریقِ کار مقرر کیا۔ کہ اِهْبِطُوْا فِی الْاَرْضِ کہ تم زمین کی وسعتوں میں اترو۔ اس حالت میں کہ تم خلیفۂ ارض پیدا کئے گئے۔ سو جس نے علم الاسماء کے مشاہدے میں میرے تصور کو قائم رکھا اور اپنی جسمانی خصوصیات وکمالات کی حفاظت کی۔ وہی خلیفہ کہلائیگا۔ اور جو دنیاوی لذتوں کی طرف مائل ہوگا اسکی خصوصیت باقی نہ رہیگی اور وہی لوگ اس جماعت میں شمار ہونگے جنکے متعلق ملائکہ نے کہا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ج یہی لوگ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" ایک دوسرے سے حصول دنیا کیلئے قتال کرینگے اور اپنی عظمت وخلافت سے گر جائینگے۔ ان میں میرا تصور حقیقی باقی نہ رہیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ انمیں میری عطا کردہ سوّی یعنی آراستگی باقی نہ رہیگی۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ" لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْیُنٌ" لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ" لَّایَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اللہ تعالیٰ نے انسانی سوّی میں وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ کی خصوصیت پیدا کر کے انسان کو افضل بنایا۔ اب انکے دل ہیں کہ اس میں فقہ والقا کی قوت باقی نہ رہی۔ یہ انسانی حیثیت میں اپنی آنکھوں سے حق کی طرف نگاہ کرتے ہیں نہ حق کی بات سنتے ہیں۔ اب یہ خلیفہ کی صفت سے متصف نہ رہے۔ بلکہ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۷۹) ایسے لوگ شکل بشر میں حیوانی صفات کے حامل ہیں بلکہ انسے بھی بدتر ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے اللہ کے تصور سے خالی اپنے مقصود سے غافل ہیں۔ یہی فرق انسانوں کے درمیان خلیفہ اور حیوان کا ہوگا۔ ایک وہ ہے جس نے اپنی خصوصیات خلافت کی حفاظت

کی وہ خلیفہ ہے۔ ملائکہ سے بالاتر خبر پانے والا خبر دینے والا ہے۔ وہ عام انسانوں میں سے ایک انسان ہے جو علیٰ حالہ اپنی پیدائشی خصوصیت میں سالم ۔خلیفہ و نبی کہلائیگا۔اور دوسرا جس میں اپنی پیدائشی خصوصیات باقی نہیں۔ وہ کچھ بھی اپنے آپکو کہے انسانی صفات سے متصف نہیں ہوسکتا۔ الغرض قرآنی آیات سے اولاد آدم کی تخلیقی ترکیب کا علم ہو چکا۔اب دیکھنا ہے کہ اس اولاد آدم میں تخلیقی ترکیب اور انسانی خصوصیت میں کسی اور کیفیت کا بھی ذکر ہوا ہے؟

قرآن نے انسان سے متعلق خصوصیات کو واضح طور پیش کیا ہے اور یہ خصوصیات قرآن ہی کی ہے۔ کہ اس میں کائنات سے متعلق ہر کیفیت کو کھلے الفاظ میں سمجھا دیا گیا۔اور ان واقعات کا ذکر کیا گیا۔ جو انسان کے علم میں نہ آسکتی تھیں جن میں انسانی کمالات کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔

اولادِ آدم میں آدم کے بعد پیدائشی ترکیب سلسلہ تناسل سے کی گئی چنانچہ یہ طریق ہمیشہ جاری رہا۔لیکن بعض مقامات پر چند ایسے واقعات کا ظہور بھی ہوا۔ جس سے انسانی خصوصیات میں اور اضافہ کیا گیا۔ چنانچہ قرآن ایک نیا واقعہ تخلیق کا پیش کرتا ہے۔ جو پہلے واقعات سے بھی عجیب تر ہے۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ یَحْیٰی یہ واقعہ حضرت زکریاؑ کا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے زکریا کو ایک لڑکے یحییٰ کی پیدائش کی بشارت دی۔اس واقعہ کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ○ حضرت زکریاؑ نے کہا کہ اے میرے رب میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ میری بیوی بانجھ ہے۔اور تیرے پیدائشی قانون کے تحت بانجھ سے لڑکا ہو نہیں سکتا اور دوسری بات یہ کہ لڑکے کا بنیادی وجود نطفہ ہوتا ہے اور میں عمر کی اس حد کو پہنچ چکا ہوں کہ مجھ میں وہ قوت باقی نہیں کہ میرے صلب سے کوئی لڑکا ہو سکے تو اللہ نے ایک پیدائشی خصوصیت کا حوالہ دیا قَالَ کَذٰلِکَ ج قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ○ کہا اللہ نے۔اسی طرح۔کہا تیرے رب نے وہ اس پر قادر ہے۔ یہ اسکے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے بھی آدم کو اسی طرح پیدا کیا کہ اسکے لئے کوئی ذریعہ موجود نہ تھا ــــ چنانچہ ارشاد الٰہی کے مطابق حضرت یحییٰؑ کی پیدائش بغیر

ان اسباب کے ظہور میں آئی جو اسباب اولاد آدم کے سلسلہ تناسل میں پائے جاتے تھے۔ یہ ایک علیٰحدہ تخلیقی ترکیب ہے۔ جسکے لئے وہ اسباب مہیا نہیں ہیں جو ایک انسان کیلئے مقرر کئے گئے ہیں۔ لیکن وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا کا اشارہ ایک خصوصی ترکیب کی طرف ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسانی مخلوق بنانے کیلئے اپنے منصوبہ میں اور بھی ایسے مرکبات مقرر کئے ہیں۔ جو اس مادی مرکب سے علاوہ نوری ہیں۔

اگر نطفہ اور مادی قوت ایک وجود کیلئے میسر نہیں تو اسکے لئے وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ کی ترکیب کی طرح ایک خالص نور یا نوری ذرہ مقرر کیا جاتا ہے جو بشری ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔ یہی ترکیب حضرت یحییٰؑ کی پیدائش میں مقرر کی گئی۔ کہ اگر چہ ماں باپ موجود ہیں۔ لیکن پیدائشی ترکیب کیلئے یہاں نور کو مخصوص کیا جاتا ہے۔

بظاہر یہ انسانی پیدائش کی خصوصیت میں شمار ہے۔ لیکن یہ واقعہ انسانی خصوصیت کے اظہار کیلئے قرآن نے پیش نہیں کیا۔ بلکہ کسی آئندہ واقعہ کے ظہور کیلئے ایک دلیل پیش کی ہے۔ کہ آئندہ ایسی مخلوقِ ارضی بھی پیدا کی جائیگی جسکے مرکب میں نورانی خصوصیات ودیعت کی جائینگی۔ چنانچہ اس بیان کی تصدیق کیلئے ایک اصل واقعہ کے ظہور کے قبل ایک اور دلیل بھی پیش کی گئی۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ اور ہم نے حضرت مریم کی طرف ایک روح اپنا بھیجا۔ جو بشر کی مثل (بَشَر'' مِثْلُکُمْ یعنی تمہاری مثل بشر) حضرت مریم کے سامنے آیا۔

اس آیت میں دو کیفیتوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ میں جو روحی کا اشارہ ہے۔ وہ اسی طرح ہے۔ کہ یہ ضروری نہیں کہ میری ہی ذات کا نور ہو۔ نہیں روحی سے مراد ایک مخصوص اور مقرر کردہ نور ہے۔ روحنا سے مراد ملائکہ ہے۔ جسکا مطلب اللہ کے نور سے بنا ہوا نوری پیکر۔ اور نوری پیکر تو آسمانی مخلوق ہے۔ یعنی نوری ماحول سے بنی ہوئی مخلوق جسطرح ناری زمین سے بنی ہوئی مخلوق جن ہوتی ہے۔ اسکا مطلب ایک مخصوص ملائکہ۔ دوسرے فَتَمَثَّلَ

لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔کہ ایک روح یا نور میں بشر کی ہیئت اختیار کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ اول جہاں مادی ذرائع استعمال نہ کئے جائیں وہاں اللہ تعالیٰ اسی طرح نور سے بشر پیدا کرتا ہے۔ جسطرح ملائکہ بشر کی ہیئت میں آتا ہے۔ تیسرے یہ کہ بشر کی ہیئت ہونے سے لازمی نہیں کہ سفلی خاصیتیں قوی ہو کر ملکوتی یا نوری خاصیتیں زائل ہوں۔ نہیں بلکہ بشر صرف ہیئت اور شکل ہے۔ شکل سے نوری خاصیت زائل نہیں ہوتی۔ بلکہ بشر صرف حیات کی ظاہری شکل و ہیئت ہے۔ جس میں نوری خاصیت باقی رہتی ہے ــ اس واقعہ کا عمداً ذکر کرنے کا مقصد صرف ایک آئندہ واقعہ کیلئے دلیل پیش کرنا ہے ــ سو وہ واقعہ بھی ساتھ بیان کیا۔

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ قف لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِيًّا ○ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ملائکہ ہوں۔ تا کہ تیرے واسطے ایک لڑکا دیا جائے۔

یہ واقعہ حضرت مریمؑ کا ہے۔ کہ حضرت مریمؑ کو ایک لڑکے کی بشارت دی گئی۔ یہ واقعہ خصوصی ہے۔ جسکا ذکر بھی ایک تفصیل کے ساتھ کیا گیا۔ یہاں پر ایک مخلوق کی پیدائشی ترکیب بالکل علیٰحدہ ہے۔

فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ پس ہم نے حضرت مریم میں اپنی روح پھونک دی۔ یہاں طریق تناسل کا قطعاً تعلق نہیں پایا جاتا۔ یہ طریق صرف نوری ہے۔ جس میں ایک مخلوق کا مرکب خالص نوری ہے۔ جس نور سے جسم بننے والا ہے۔ اسی نور سے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ پیدا ہوئے۔ اور یہ چیز بھی ارادہِ ازلی میں خلیفہ اور انسان کیلئے مقرر کی گئی تھی۔ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○ حضرت مریم نے بھی کہا خلافِ فطرۃ یہ کیسے ہوگا کہ مجھے لڑکا ہو جب کہ بشری خاصیتوں کا کوئی مواد اس امر میں شامل نہیں ؟ قَالَ كَذٰلِكِ ج قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ج وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ○ ۔کہا اسی طرح۔ یہ اللہ کیلئے آسان ہے۔ اس واقعہ کو ایک نشان آیت کی صورت میں لوگوں کیلئے پیش کیا جائیگا۔ اور یہ طریق تو ہم نے ازل سے خلیفہ کی ترکیب میں شامل رکھا تھا۔ کہ نور سے بھی خلیفہ بنایا جائیگا۔ جسکا

ملائکہ کوعلم نہ ہوسکا ـــــ ملائکہ نے ارض کی سفلی خاصیت کو دیکھا۔مگر آدم کواپنی خصوصیتِ کمالی کے ساتھ نہیں دیکھا۔نوح بھی اسی سفلی زمین سے بنا مگر اسکی خصوصیتِ خلافت کو نہ دیکھا۔ابراہیم ۔ اسماعیل بھی اسی سفلی زمین کی پیداوار ہیں۔مگر انکی تسبیح وحمد کو نہ جانا۔ یعقوب ۔ یوسف۔موسیٰ ۔ سلیمان۔عزیر۔ایوب۔زکریا بھی اسی زمین کی پیداوار ہیں مگر انکی خلافت اور عظمت پر انکی نظر نہ جا سکی۔انکے ماسوئی ہم نے خلیفہ کا نام صرف ایک ذلیل اور کمتر انسان کو نہ دیا۔ ہمارے خلیفہ کے منصوبہ میں یحییٰ۔عیسیٰ بھی ہیں جنکے مرکب خالص نوری ہیں ۔ یہ بھی بشر کی ہیئت میں پیدا ہونگے ۔مگر انکی خاصیت وخصوصیت نوری ہوگی۔حضرت عیسیٰؑ بشر کی شکل میں پیدا ہونگے ماں کی گود میں کلام کرینگے۔ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ انکی پیدائشی ترکیب نوری ہے۔انکا وجود نوری ہے۔اسی لئے ماں کی گود میں کلام کرتے ہیں ۔انکے نوری وجود کی خاصیت یہ ہے۔کہ کوڑھی اندھے اچھے کرینگے۔مردے زندہ کرینگے۔غیب کی خبریں دینگے۔یہی نہیں ۔ بلکہ نور کی اصل خصوصیت دائمی زندگی انہیں حاصل ہوگی۔وہ کیا ہے؟ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ واقعہ بھی ارادۂ ازلی میں مقرر ہو چکا تھا۔کہ ہر بشر کیلئے خواہ کسی خصوصیت کا حامل ہو مُسْتَقَرٌ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○۔اسکے لئے ہر مادی نورانی حیثیت میں دنیا پر ظہور وحرکت ایک مقرر وقت تک رکھی گئی۔اسکے بعد اسکی حرکت یعنی دنیاوی ہیئت معدوم کی جائیگی اسلئے یہ کیفیت حضرت عیسیٰؑ کیلئے بھی مقرر ہے۔کہ انکی ظاہری حیات ظاہری ہیئت دنیا سے معدوم ہوگی۔لیکن چونکہ ارادہ ازلی میں حضرت عیسیٰؑ کیلئے ایک معراج جسمانی بھی مقرر ہو چکا ہے۔اسلئے ۔ ایسے وقت میں جبکہ یہودی شرارت پر آمادہ ہیں انکے منصوبہ کو خاک میں ملانے کی ترکیب یہی ہے۔ کہ اس نوری جسم کو ایک مدت کیلئے آسمان پر رکھا جائے۔ جہاں وہ اسی حالت میں رہینگے جس حالت میں دنیا پر رہتے تھے اس زندگی اور اس زندگی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہاں جسم خالص نوری ہے اور شکل بشر کی ہے۔ یہ جسم اس انسان جیسا نہیں۔ جو بشری شکل میں ہے۔مگر خلافت سے خالی كَالْاَنْعَامِ ہے۔حضرت عیسیٰؑ بھی اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط کے خلفاً میں شمار ہیں۔مگر

انکی تخلیقی ترکیب نور سے ہے۔اورانکی جسمانی ساخت نوری ہے اسلئے انکا آسمان میں رہنا کوئی غیر معروف امر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِل '' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی ترکیب زمین پر اسی طرح جاری کی۔ کہ آدمؑ کو بنایا۔سوّی کی نفخ روح کیا۔ اسے علم الاسماء عطا کیا۔ملائکہ سے اسکی عظمت تسلیم کرائی۔اسکے ساتھ ہر بشر کی عظمت کو تسلیم کرایا۔اسکے بعد اولاد آدم میں فساد پیدا ہوا۔تو اولاد آدم میں ہی بعض خلفاً کو منتخب کیا۔یہی رسول بن کر آئے۔انہوں نے اولاد آدم کو حقیقت کی طرف لایا۔بعض رسول کامیاب ہوئے۔بعض کو قتل کیا گیا۔یہ تمامی واقعات اِنِّیْ جَاعِل '' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی کیفیت میں شمار ہیں۔ان تمامی واقعات کا مقصد صرف زمین پر خلیفہ بنانا ہے۔اب جو فساد کرے وہ تباہ ہوگا اور جو اپنی خلافت قائم رکھے وہ مخلوق میں افضل۔ملائکہ میں افضل اور اس سے اعلےٰ وہ جو اپنی اس ساخت کو اپنے سوّی کے ذریعہ اسقدر انتہا کو پہنچائے کہ وہ براہِ راست واصل الی اللہ ہو کر اپنی اصل میں اصل ہو جائے۔یہ بھی اِنِّیْ جَاعِل '' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں مقرر ہے۔کہ انسان کو ایک احسن تقویم پر بنایا جائے۔اسے انتہائی قوتیں عطا کی جائیں۔مگر اسے مخلوق کے آخری سفلی مقام پر رکھا جائے۔اور اسکے ذمہ یہ کام دیا جائے کہ اس مقام سے اٹھکر جسطرح مخلوق کا وجود ذات الٰہی کے نور سے پیدا کیا گیا۔اسی طرح دوبارہ اپنے منبع حقیقی میں سما جائے۔پس یہی کیفیت اِنِّیْ جَاعِل '' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور خلیفۂ ارض سے تعبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ ازلی کے تحت ہر انسان کو خلیفہ کی حیثیت سے پیدا کیا۔اب دیکھنا ہے۔کہ انسانوں میں کس نے فساد و خونریزی کی۔کس نے اپنی خلافت کو قائم رکھا۔کس نے اپنی خلافت کو انتہا تک پہنچایا۔ان میں بعض ایسے ہوئے جو نبی کہلائے۔یہ عام خلفاً ہیں۔انہوں نے اپنے علم و خبر کی حفاظت کی۔اور بعض وہ ہیں جنمیں رسول ہیں جیسے نوحؑ۔ابراہیمؑ۔اسماعیلؑ۔اسحاقؑ۔یعقوبؑ۔یوسفؑ۔موسیٰؑ۔داؤدؑ۔سلیمانؑ۔عزیرؑ۔ایوبؑ۔یونسؑ تمام رسول جنہوں نے اپنی خلافت کی کلی طور تکمیل کی ان میں پیدائشی خصوصیت میں حضرت عیسیٰؑ اعلےٰ و افضل خصوصیت کے

حامل ہوئے جو اپنے جسم کے ساتھ نوری عالم آسمان میں قرار پذیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی یہ تمام تخلیقی ترکیبیں ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہوتی رہیں جسکا مقصد یہ تھا کہ ظاہر کیا جائے کہ مخلوق انسانی میں کس نے انتہائی عظمت وخلافت اور انتہائی مقام حاصل کر کے اپنے مقصود اور ارادۂ الٰہی کی تکمیل کر دی سو اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کی تکمیل کی آخری خبر دیتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۔پاک ہے وہ ذات جس نے تمام خوبیوں والے بندوں۔نبیوں۔رسولوں آدمؑ۔ابراہیمؑ۔ اسماعیلؑ۔یعقوبؑ۔یوسفؑ۔موسیٰؑ۔سلیمانؑ۔داؤدؑ۔عزیرؑ۔زکریاؑ۔یحییٰؑ۔عیسیٰؑ اور اپنے تمام مقبول مخلوق میں سے اپنے ایک بندے کی خصوصیاتِ ذاتی صفاتی کو انتہائی خوبی میں ظاہر کیا۔کہ وہ احمد ہے۔صلے اللہ علیہ وسلم۔اس احمد کی حمد کی خصوصیت کیا ہے؟ کہ انکا جسم مقدس اس قدر نوری ہے۔کہ عیسیٰؑ کے مقابلہ میں بھی انتہائی لطیف اور عظمت میں اسقدر بلند کہ آدمؑ سے لیکر قیامت تک کسی کو اسقدر عظمت حاصل نہیں۔اسے روحانی نہیں۔بلکہ جسمانی حالت میں وہ مقام حاصل ہے۔کہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۔ہاں سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی آپکے جسم مقدس کے نوری ہونے کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کی تخلیق میں بتایا۔ کَذٰلِکَ ج قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ '' وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ۔ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے۔کہ ایک وجود کو ظاہر کرنے کیلئے کوئی بھی ترکیب کرے۔کہ جب وجود کے اسبابِ ظاہری محسوس نہ ہوں تو نور سے بنائے۔

وہ قادر ہے۔کہ بغیر باپ بغیر ماں کے ایک وجود کو زمین سے اٹھائے۔وہ قادر ہے۔کہ ماں باپ کے ہوتے بھی اسی طرح ایک وجود پیدا کرے جسطرح بغیر ماں باپ کے ایک وجود پیدا کر سکتا ہے۔ایسا کرنے پر اسکی خالقیت کا انکار نہیں ہو سکتا۔نہ ہی اس طریق کے حق ہونے سے انکار ہو سکتا ہے۔

وہ قادر ہے۔ کہ بغیر نطفہ صرف نور سے بشر کی شکل ظاہر کرے اور یہی نور زمین پر چلتا پھرتا۔ کھاتا پیتا رہے۔ اور اسکی خاصیت نوری اعتبار سے نوری رہے۔ اسکے لئے بھی بغیر ماں باپ یا ماں باپ کی موجودگی میں اسکی خالقیت میں پیدا کرنا اسکے لئے آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیق سے متعلق واقعات کو اسی لئے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ انسانی تخلیق میں جو کچھ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے عظمت وخصوصیت عطا کی ہے۔ اسکا انسان کو علم ہو جائے۔ کہ اسے کیا کیا نعمتیں قوتیں عطا کی گئی ہیں۔

اور اسی لئے سائنٹیفک طریق پر ایک اطلاع دی ہے۔ کہ تحقیق کرو اور اس کائنات کی اشیاً میں تمامی اشیاً اور اپنی ذات کا مقابلہ کرو دیکھو اللہ نے اپنی طرف سے تخلیق کائنات میں کیا خوبیاں پیدا کی ہیں۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ اور پھر اس کائنات کے بنانے میں میرا مقصود صرف تمہیں بنانے کا تھا سو تم دیکھو وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ تم میں کیا نشانیاں میں نے بنائی ہیں۔ اگر چہ بظاہر سفلی۔ ارضی ہیئت کے باعث تم ملائکہ۔ ملکوتی کیفیتوں سے کمتر محسوس ہوتے ہو لیکن میں نے تم میں ایسی نشانیاں اور ایسی کیفیتیں ودیعت کی ہیں کہ تم ان تمامی کیفیتوں سے بالاتر حیثیت قرار دیئے گئے ہو۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کہ تم نہیں دیکھتے کہ تم میں کیا خصوصیت پائی جاتی ہے؟ دیکھو اور ان کیفیتوں پر آنکھیں بند کر کے گزر نہ جاؤ بلکہ اپنی ذات کی خصوصیات جو میں نے تمہیں عطا کی ہیں دیکھو پہچانو۔ اور اپنے مراتب کی حفاظت کرو۔ میرا شکر کرو۔ یہ خاصیتیں تم میں کسی غرض سے ودیعت کی گئی ہیں۔ کہ تم مجھے پہچانو اور مجھ تک رسائی حاصل کرو۔ سو رسائی حاصل کرنے میں جسقدر تم میرے قریب ہو سکتے ہو۔ ملائکہ بھی میرے قرب کو نہیں پا سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بتا دیا۔ کہ میں نے انسان کو کس حیثیت سے پیدا کیا۔ اس نے بتا دیا۔ کہ میرے نزدیک زمین اور اسکی مخلوق کی پیدائش ادنیٰ حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن تم یہ نہ سمجھو کہ تم ادنیٰ حیثیت میں ہو۔ کیونکہ میرے ارادہ ازلی میں یہ تھا۔ کہ اس ادنیٰ ہیئت میں بھی وہ خوبی پیدا کروں کہ بالاتر ہیئتیں تمہیں اس حال میں اپنے سے برتر تسلیم کریں۔

تمہیں زمین مادی۔ سفلی اور کم مایہ نظر آتی ہے۔لیکن اس زمین کی خاصیت میں میں نے عروج کی قوت بخشی ہے۔ایک ٹھوس مادے میں بھی نوری قوت جمع کر رکھی ہے۔ ہر ذرہ میں اپنا نور رکھا ہے۔مٹی کے کثیف گندم کے دانے میں بھی روح رکھی ہے۔اور ادھر تم میں بھی جوہر نکالنے اور جوہر قبول کرنے کی قوت رکھی ہے۔کہ تم گندم کا دانہ کھا کر معدے اور آنتوں میں اسکا جوہر نکالکر اپنی روح حیوانی بناتے ہو۔یعنی خون اور منی بناتے ہو اسی خون اور منی سے تمہاری روح حیوانی قائم ہے۔ اور یہی روح حیوانی تمہارا جسم بناتی ہے۔غرض زمین کی ہر کثیف شے سے تم روح کو بھی حاصل کرتے ہو۔خواہ وہ مچھلی ہو۔انڈا ہو۔گوشت ہو یا کوئی نباتات جمادات وغیرہ ہو۔ ہر شے میں ایک روح موجود ہے۔ یہاں تک کہ تمہارا جسم بجلی۔الیکٹرک سٹی۔ایٹم۔ایتھر۔ہائیڈروجن۔نائٹروجن قسم کی روحیں قبول کرتا ہے۔یہ سب اشیاً زمین کی پیداوار ہیں۔یہ تمام اشیاً اپنے میں باوجود کثیف ہونے کے بھی روحانی قوت رکھتی ہیں وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ۔اور تمہارا جسم خالص مادی ہے۔لیکن تمھارے جسم میں روح حیوانی بھی ہے۔تمہارا دماغ روحانی ہے۔تمہارے دماغ میں خون اور جوہر برقی لہروں میں تبدیل ہو کر تمہارے دماغ کو بناتا ہے۔تمہارے جسمِ مادی میں برقی لہر ہے۔کہ ادھر پاؤں پر ہاتھ رکھا ادھر تمہارے سر تک خبر پہنچی۔غرض کہ دنیا کی ہر قوی سے قوی قوت تمہارے جسم کا جز بنتی ہے۔ یہ ترکیب میں نے خود ارادۂ ازلی میں تمہارے لئے مقرر کر رکھی ہے ــ کہ تم مادی حالت میں بھی اشرف المخلوقات قرار دیئے گئے ہو۔یہ کس لئے ــ؟

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶) ہم نے جنوں اور خصوصاً انسان کو عبث نہیں بنایا۔مگر عبادت کیلئے۔عبادت کا مقصد کیا ہے؟ عبادت کا مقصدِ اصلی یہ ہے۔کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا کی خصوصیت میں انسان کو خلیفۂ ارض کی حیثیت سے پیدا کیا جاتا ہے۔اسکی خصوصیت جسمانی یہ ہے۔کہ وہ ایٹمی۔ایتھری قوتوں سے بھی قوی قوت کا حامل ہے۔یہ اسکی سؤی میں شامل ہے۔کہ وہ اپنی جسمانی حالت کو علیٰ حالہ برقرار رکھ کر روحانی قوت کا حامل رہے۔اور پھر اسکی ترقی کرے۔اسکا طریق یہ ہے۔کہ ہر مادی قوت سے صرف روح حاصل

کر کے اپنے جسم کو تزکیہ سے پاک رکھے اور اسقدر ترقی دے کہ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اسکی خصوصی روح رحمانی کے برابر ہو جائے۔ تو پھر اسے ازل سے عطا کردہ علم وعرفان قائم رہے۔ کسی لمحہ بھی یہ اپنے علم وعرفان کے مشاہدہ سے غافل نہ رہے۔ یہی تصور ذات الٰہی اور جسم کی پاکیزگی تعبیر ہے لِيَعْبُدُوْنَ سے۔ کہ اسے عرفان حاصل رہے۔ اسلئے لیعبدون کی تفسیر لیعرفون کی گئی ہے۔ کہ وہ روح رحمانی سے عرفان کو قائم رکھے اور اپنی جسمانی ساخت کو اسقدر ترقی دے کہ وہ بھی بمنزلہ روح حقیقی بن کر واصل بحق ہو۔ اور اسکی مدت الٰی حین مقرر کی جا چکی ہے۔

سو اس دنیا میں اللہ نے اس مقصود کو پورا کرنے کیلئے مختلف کیفیتوں کے وجود پیدا کئے۔ جن میں مادی نطفہ سے لیکر خالص نور سے مخلوق بنائی۔ اور انکے ذمہ یہ کام مقرر کیا گیا۔ کہ نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۲) اب تم میں دیکھا جائیگا کہ تم میں سے اس مقصود کی تکمیل کون سب سے اعلےٰ وافضل کرتا ہے۔

سو معراج کی رات وہ رات ہے۔ جس رات ارادۂ الٰہی اور مرضیٔ الٰہی کو اسکے ایک خاص بندے نے پورا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ یہ بندہ حضور محمد الرّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی شان ہے جو ازل سے محمد ہیں۔ اور دنیا میں احمد ہیں۔

یعنی محمد سے ارادۂ ازلی کی ابتدا کی گئی۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ " فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط تو ارادۂ ازلی کی ترکیب میں سوائے اسکے اور کوئی مخلوق بنانا مقصود نہیں تھا سوائے خلیفہ کے۔ اسکی ابتدا ازل سے ہی خلیفہ کی صورت میں شروع کی گئی۔ کہ اللہ نے اپنی ذاتِ لامحدود سے اس ترکیب کیلئے ایک جزِ نوری کو مخصوص کیا۔ اور اسی نور سے خلیفہ کی تعمیر شروع کر دی اور ہر شے مخلوق اسی نور سے بنائی۔ ہر شے مخلوق کی جسمانی ہیئت۔ خوبی۔ کمال اسی نور سے بنا۔ ملائکہ۔ ملکوتی عالم۔ عرش۔ کرسی۔ آسمان اور یہ تمام سیاروں ستاروں کی دنیا اور زمین اسی نور سے بنی۔ اور ہر مخلوق کی خوبصورتی۔ اور اسکا

کمال اسی نور سے بنا۔اور جب ہم نے ہر مخلوق میں ایک ہی نور کو وجہ کمال اور خوبی پایا۔تو ہم نے کہا کہ یہ خوبی ایک ہی نور کی ہے۔تو ایک ہی نور ہر خوبی میں پہچانا جاتا ہے۔سب تعریف وحمد میں ہر مخلوق ایک ہی خوبی ایک ہی نور کو پار ہی ہے۔تو اسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہکر پکارا۔وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۔یہ بھی ارادہ الٰہی میں مقرر کیا گیا ہے۔کہ اسی طرح اپنے ارادہ اِنِّیْ جَاعِلٌ'' کی ترکیب کرے۔سو دنیا کا ہر ذرہ ہر انسان جانتا ہے۔کہ یہ نامِ محمد دنیا میں آدمؑ سے لیکر قیامت تک کسی بشر کا نہ ہوا۔اسلئے یہ کیفیت اسی بندے سے نسبت رکھتی ہے۔جسکا نام دنیا میں محمد رکھا گیا۔اور اسی نام نے اس ارادہ کی تکمیل بھی احمد سے کی کہ دنیا کی ہر مخلوقِ ملائکہ و بشر سے زیادہ انتہائی حمد کرنے والا ہے۔آپکی حمد ظاہر ہے۔اور ہر بشر دیکھ چکا ہے۔اور اللہ نے بھی ظاہر کر دی کہ کائنات میں مختلف مخلوق بنائی۔کسی کو بغیر ماں باپ کے۔کسی کو نور سے۔کسی میں نور سے بشر بننے کی خاصیت رکھی۔کسی کو خالص نور سے نور بنایا۔یہ سب پیشگوئی کے طور دلیل اس امر کی دی کہ آگے ایک احمد ہوگا يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ط اسکی صفت یہ ہوگی کہ

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تمام مخلوق کی خصوصیات جب اسی نور سے بنیں تو انکے لئے بھی مثلِ یحییٰ وعیسیٰؑ مخصوص نور ہونا ضروری تھا۔سو یہی نور ہے۔جو بمقابلہ تمام مخلوق کی خصوصیات کے احمد نام پا سکتا ہے۔یہی نور ہے۔جو مجسم نور ہے۔اسی نور نے تمام کائنات میں لیعبدون ۔لیعرفون کی تکمیل کر کے اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا ارادہ پورا کیا۔کہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا

۔اللہ تعالیٰ نے انکے جسم نوری کی شہادت دی کہ یہ جسم نوری ہے جو قلیل وقفہ میں نقل مکانی کی قدرت رکھتا ہے۔یہاں تک کہ ثُمَّ دَنَافَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ یادرکھو یہ جسم یہاں تک قریب ہوا کہ میں نے اپنی ذاتی تجلی اس پر ڈالی اور اپنے میں سمیٹ لیا۔حالانکہ تم جس موسیٰ کی اور عیسیٰ کی خصوصیت کا دعویٰ کرتے ہو۔تو موسیٰ کی قوتِ جسمانی میری صفاتی فَتَدَلّٰی کی متحمل نہ

ہوسکی عیسیٰ کو بھی آسمان سوئم کا مقام حاصل ہوا۔لیکن محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کی یہ خاصیت ہوچکی ہے۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ۔ بلکہ موسیٰ غش کھا کر گرے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ج (پارہ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۴۳) جب میں نے تجلی پہاڑ پر ڈالی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ غش کھا کر گرے۔مگر میرے محبوب و مصطفٰے بندہ کی حالت نہ بدلی اور میں نے فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۘ اپنے انتہائی اسرار کا کلی طور اس جسم کو مشاہدہ کرایا کہ اس سے قبل کسی ملائکہ کسی نبی ورسول کسی بشر کو روحانی طور بھی یہ مقام حاصل نہ ہوسکا۔اور اسی تکمیل کا اعلان بھی ان الفاظ میں کرتا ہوں۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔
ثُمَّ دَنَافَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۘ

یہ میرا آخری منظور نظر ہے۔یہ میرا محبوب ہے۔میں اسکی مرضی کو پورا کرتا ہوں ــــ کیونکہ یہ احمد ہے ــــ میں نے اسے وہ مقام دیا یا یوں کہیے۔اسے وہ مقام حاصل ہوا جو کسی کو حاصل نہ ہوا۔میری نعمتوں کے خزانے اسی حبیب پر صرف کئے گئے اب باقی کچھ نہ رہا ــــ بس اب قیامت آنے والی ہے۔کہ میرے مقصود کی تکمیل ہوچکی۔کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۔

قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا۔کہ گزشتہ رسولوں کے متعلق واضح واقعات بیان کئے گئے۔جن واقعات میں انکی خصوصیات وکمالات ذاتی صفاتی کا اظہار بھی کیا گیا۔لیکن حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن نے کسی نشان کا ظاہراً ذکر نہیں کیا۔جس سے محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات واضح طور دیکھنے میں آئیں۔حالانکہ قرآن حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔اور قرآن نے اپنی خصوصیات کو نور'' مبین کی صورت میں پیش کیا۔کہ یہ قرآن تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والا۔افضل صحیفہ ہے۔جس سے حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت باقی انبیاؑ کے مقابلہ میں اعلےٰ وافضل ہونی چاہیے۔لیکن باریک بینی سے قرآن کا

مطالعہ کرنے سے معلوم ہوگا۔ کہ تمام انبیاءٔ و رسل کی تعریف اور انکی خصوصیات کا ذکر صرف حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتی خصوصیات کیلئے بطور دلیل پیش کی گئی ہیں۔ اگر حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کا مذکور مقصود نہ ہوتا۔ تو یقیناً کسی نبی کو نہ اتنی خصوصیات حاصل ہوتیں۔ نہ انکا ذکر ہی کیا جاتا۔

قرآن نے ہر نبی و رسول کو اسکی صفت سے پکارا۔ جیسے

آدم۔ آدم کے معنی گندمی رنگت والا۔

یعقوب۔ توام پیدا ہونے والا۔ یعنی اپنے بھائی کے بعد پیدا ہونے والا۔

یحیٰی۔ ہنس مُکھ۔

موسیٰ۔ پانی سے نکالا ہوا۔

عیسیٰ۔ گلابی چہرے والا خوبصورت۔

مسیح۔ بیماروں کو اچھا کرنیوالا۔

مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپکی صفاتی خصوصیات میں احمد پکارا۔ عیسیٰؑ کی زبانی آپکی تعریف کرائی۔ جو عیسیٰؑ مخلوق میں جسمانی روحانی عظمت کے حامل ہیں انہیں کی زبانی کہلوایا۔ کہ تمام تخلیقی خصوصیات ہم پر ختم نہیں ہوتیں۔ بلکہ میں مبشر ہوں ایک آنے والے نبی و رسول کا وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ط

اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں یہ مقرر کیا گیا تھا۔ کہ تخلیق ارضی میں ایک رسول ایسا مبعوث کرونگا۔ جو تمام رسولوں کے بعد انکی تمامی خوبیوں پر مہر کرنے والا ہوگا۔ اسکی صفت احمد ہوگی۔ یہ انتہائی تسبیح وحمد کے حامل ہونگے۔ اور انہیں کی صفت یہ ہوگی۔ کہ تمام کائنات میں انکی حمد کی جائیگی۔ ہر شے۔ ہر مخلوق انسانی۔ نبی و رسول ان کی حمد کرینگے۔ اسلئے انکی صفت محمد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو محمد کے نام سے خود بھی پکارا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط

اس آیت میں مضمون کچھ بھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ موسیٰ و عیسیٰؑ کے مقابلہ میں آپکو محمد کی صفت سے

یاد کرتا ہے اور یہ محمد قرآن" عربی " کا ہے۔ جسکے تصور میں یہی خوبی سامنے آتی ہے۔ کہ کائناتِ ارض وسمٰوٰت میں انتہائی خوبیوں والے۔ جنکی انتہائی حمد کی جائے۔ اور کائنات کی ہر خوبی میں جسکو پہچانا گیا وہ آپکی ذات عالی ہے۔ بس

اگر خواہی دلیلِ عاشقش باش　　محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

قرآن میں آپکا نامِ مقدس محمد پانا۔ خود محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت وسربلندی کا نشان ہے۔

یہی وہ احمد ہیں جن سے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے اسرار کھلے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں یہ مقرر ہو چکا تھا کہ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ کی تکمیل کلی طور احمد کے نام سے کی جائیگی کہ آپؐ کی حمد احمد کہلائیگی۔ جس حمد کے مقابلہ میں باقی کوئی حمد نہیں رہتی اور آدم وملائکہ کے مقابلہ کی خصوصیت فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ کی انتہائی تکمیل محمدؐ پر ہوگی کہ ملائکہ بھی آدم اور خلیفہ کو بھول کر اپنے لئے صرف اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط محمدؐ کی حمد وتعظیم پر وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اپنی تسبیح کو وقف کر دیں گے جسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۔ جہاں ملائکہ کا ادراکِ روحانی نہیں پہنچ سکتا وہاں آپؐ اسی جسمانی حیثیت میں بدرجہ اولیٰ عروج فرمائینگے کہ آپؐ جسمانی حالت میں یحییٰ وعیسیٰؑ کی جسمانی ہیئت سے بھی لطیف نورانی ہیئتِ جسمانی میں مقام انتہا پر عروج فرمائینگے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ ۔ آپکی ذات مقدس اس نور لا انتہا۔ اس نور حقیقی سے اس حالت میں واصل ہوگی جس حالت میں روح روح میں نور نور میں جذب ہوتا ہے۔ اور یہ قانون قدرت کا اٹل فیصلہ ہے۔ کہ مادہ نور میں جذب نہیں ہوسکتا۔ سوائے اسکے کہ نور نور میں جذب ہوتا ہے۔

قرآن نے اسی لئے یحییٰؑ کا واقعہ بطور دلیل پیش کیا۔ کہ بظاہر ماں باپ کا وجود میسر ہے

لیکن کَذٰلِکَ ۔هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ'' اسی طرح اللہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے حبیب کو جنکے لئے تمام کائنات کو حمد کا حکم دیا وہ مثل یحییٰؑ نور سے آپکی تخلیق کرے۔

قرآن نے اسی لئے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا کا عمداً ذکر کیا کہ کَذٰلِکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ '' ۔اسی طرح وہ اس پر قادر ہے اور یہ بھی اسکے قانون قدرت اور ارادۂ ازلی میں شامل ہے۔ کہ ازل سے حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مقدس کیلئے سب سے اعلیٰ نور مخصوص کر کے صلب آدم میں منتقل کر دے اور یہی نور ابراہیمؑ میں منتقل ہو کر خاندان اسماعیلی میں منتقل ہوتا ہوا صلب عبداللہؓ میں قرار کرے۔ اور یہی نور مثل یحییٰ بطن آمنہ علیہا السلام سے ظہور ہو۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ ۔اگر تم اس پر بھی شک میں گرفتار ہو تو دیکھو حضرت مریمؑ کو کہ فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ اور مقابلہ کرو فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا۔ یہاں بھی ملائکہ روح سے موسوم ہے اور وہاں بھی۔ روحنا جسد عیسیٰؑ کیلئے مقرر ہے۔ پس کَذٰلِکَ۔هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ''۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کے مصداق۔یٰسین ۔یاایھاالمزمل۔ یاایھا المدثر ۔اور جن کیلئے اس نے باقی نبیوں کے مقابلہ میں اپنی ذات کیلئے بھی اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط صرف محبتِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو جائز رکھا۔ آپکے لئے یہ طریق عیسوی مقرر کرے۔ کہ آپکی ذات مقدس کیلئے ازل سے ایک نور مقرر کر کے مثل عیسیٰ دنیا پر ظہور کرے جسکی خاصیت خالص نوری ہو اور جب احمدؐ نے انتہائے حمد۔ مجاہدہ۔ تزکیہ اور انتہائی تسبیح وحمد کو انتہا تک پہنچایا۔ تو اسکا نتیجہ لازمی یہی تھا کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ۔دنیا پر اسی طرح آپکی صفت کو ظاہر کر دے جسطرح ملائکہ بشر کی صفت میں دنیا پر ظاہر ہوتے رہے۔ ہر شخص یہ جان لے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجسم نور ہیں۔ انکے لئے اب دراز وکوتہی۔ قرب وبُعد۔ نور و مادہ کی تمیز باقی نہیں رہی۔ یہ جسم اسی طرح محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ۔فرشتہ بشر کی صورت میں۔ جسطرح مثلِ بشر قوتِ گویائی نہ ہونے کے باوجود ایک بشر کہتا ہے۔ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ قف اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۔اور آسمان پر اٹھایا جاتا

ہے۔جسکامرکب جسمانی اس آیت کی تفسیر ہے۔ اِذْقَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ جسکی ترکیب فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا سے علے الاعلان ظاہر کردی ہے۔

یہ جسم مقدس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا کھاتا پیتا ہے۔ جسطرح عیسیٰ ابن مریم کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ آپکے اشارہ پر پتھر بول اٹھتے ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ'' رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلے اللہ علیہ وسلم۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ آپکی انگلیوں سے اتنا پانی نکلتا ہے کہ کثیر جماعت کے وضو اور پینے کیلئے کافی ہوجاتا ہے جسکی دلیل یہ ہے۔ کہ سوکھا درخت بھی بَشَر '' مِّثْلُكُمْ کی طرح فراقِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں زار و زار روتا ہے۔ جسکی دلیل یہ ہے۔ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں۔ یہ تو خارجی معجزہ ہے۔ جو قرآن میں بیان نہیں۔ لیکن اصل دلیل یہ ہے۔ کہ رات کے قلیل وقفہ میں بیت اللہ سے اٹھکر ذات الٰہی تک ایک قلیل وقفے میں جسم کے ساتھ آئے اور گئے ۔۔ ہاں۔ فرشتہ کی مثال آپؐ کی پیشگوئی کیلئے تھی۔ مگر فرشتہ شکل بشر میں فرشتہ تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شکل بشر میں وہ مقام پا گئے جو ارادۂ ازلی میں اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے اسرار میں پوشیدہ تھا۔۔ کہ آپ نے جز سے کل میں واصل ہوکر کل کی حیثیت حاصل کرلی یہی مقام انتہا ہے جس سے تخلیق الٰہی میں کائنات پر ایک خلیفہ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم سے تکمیل ہوگئی اب اسکے بعد ارادہ ازلی میں سوائے قیامت کے باقی کچھ نہیں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۝

اُصولِ تصّوف

یہ ایک حقیقت ہے ۔ کہ انبیأ۔ اولیائے کرام کے مافوق العقل ۔ مافوق الفطرت معجزات وکمالات ۔ قرآنی تعلیمات اور عقائد ونظریات سے تعلق رکھتے ہیں۔قرآنی علم یکسر روحانی علم ہے ۔ جو بغیر دینِ اسلام میں داخل ہوئے ۔ بلا دلیل وثبوت تسلیم نہیں کئے جاتے ہیں کیونکہ ایسے روحانی کمالات کیلئے عقلی دلائل پیش کرنا ممکن نہیں ۔ یہ ممکن نہیں! کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے "عصا" کا اژدہا بن جانے ۔ یا ہاتھ چمکتا سورج بن جانے کیلئے کوئی مادی یا عقلی دلیل پیش کی جاسکے۔سوائے اسکے کہ دین میں داخل ہوکر بغیر دلیل تسلیم کئے جائیں۔

قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جملہ اقسام علوم کو سمجھنے میں ۔ ہر کیفیت کیلئے علیٰحدہ علیٰحدہ ترتیبِ فہم کا طریق۔اور ذریعہ بتایا ہے۔

(۱)وَھُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْھٰرًا ط وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْھَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ (پارہ ۱۳ سورۃ ۱۳ آیت ۳) ترجمہ۔اور وہی ہے۔جس نے بچھایا زمین کو۔اور بنائے پہاڑ اور نہریں اس میں ۔ اور ہر میوئے سے بنائے اس میں جوڑے (نر و مادہ) ڈھانک دیتا ہے رات کو ۔ اور دن کو۔ تحقیق ان کیفیات پر (عقلی حیثیت میں) فکر کرنے والوں کیلئے۔حقیقت سمجھنے کیلئے نشان موجود ہیں ۔ اس بیان میں مادی اشیأ پر عقل سے فکر کرنے کی تحریک دی گئی ہے۔کہ ایسی کیفیتوں پر فکر کرنا چاہیے۔اور عقل سے انکی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے۔

(۲)وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ م بِاَمْرِہٖ ط اِنَّ

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (پارہ۱۴سورۃ۱۶آیت۱۲) ترجمہ۔اور مسخر کئے تمہارے واسطے (کہ تم ان قوتوں سے استفادہ کر سکتے ہو) رات۔دن۔سورج۔چاند۔ستارے۔یہ اللہ کے حکم (پیدائشی ترتیب) میں پابند ہیں۔ان کیفیات پر سوچنے کیلئے تم میں عقل ہے۔اس بیان میں کائنات کی ان اشیاً پر فکر کرنے کیلئے عقل کو استعمال کرنے کا طریقہ بتایا گیا۔

(۳)وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ○ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ (پارہ۲۶سورۃ۵۱ آیت۲۰،۲۱) اور زمین میں تمہاری فکر کیلئے بہت سے نشان ہیں۔اور تمہارے جسموں میں بھی کیا پس تم نہیں دیکھتے۔!اس بیان میں۔اشیائے کائنات پر تحقیق میں آنکھوں سے کام لیا جاتا ہے۔

(۴)وَاللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ○ (پارہ۱۴سورۃ۱۶آیت۶۵) ترجمہ۔اور وہ اللہ ہے۔جس نے اتارا پانی آسمان سے۔ پس زندہ (سرسبز) کیا اس سے زمین کو بعد اسکی موت (بنجر) کے۔تحقیق اس میں نشانیاں ہیں واسطے سننے والوں کے۔اس بیان میں کیفیاتِ ارضی پر فکر کرنے کیلئے ''قوتِ سمع'' (کانوں) کو استعمال کرنے کا ذریعہ بتایا گیا۔سمع سے مراد ــــ تعلیم حاصل کرنا ــــ یعنی محققین کے علم سے حقیقت کی پہچان کا علم حاصل کرنا ــــ

(۵)اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ (پارہ۲۹سورۃ۷۰آیت۲۰) جب انہیں شر چھوتا ہے۔تو جزع فزع کرتے ہیں۔اس آیت میں قوتِ لامسہ کا تصور پایا جاتا ہے۔

(۶)کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ط (پارہ۴سورۃ۳آیت۱۸۵) ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔اس آیت میں قوت ''ذائقہ'' کا تصور ملتا ہے۔ان آیات میں حواسِ خمسہ کے استعمال کرنے کا ذریعہ بیان کیا گیا۔باقی نمبر انمبر۲ آیتوں میں مادی اشیاً کی تحقیق کیلئے ''عقل'' کو استعمال کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ــــ

(۷)تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ ط (پارہ۱۵سورۃ۱۷آیت۴۴) ترجمہ۔تسبیح کرتے ہیں

واسطے اللہ کے آسمان سات اور زمین اور جو کچھ (ملائکہ۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ زمین میں۔ درخت۔ پہاڑ۔ دریا۔ ہر جاندار) ان میں ہیں ـــ اور یہ کہ ہر شے تسبیح کرتی ہے۔ ساتھ اسکی پہچان کے ـــ لیکن تم انکی تسبیح کی فقہ نہیں کر سکتے ـــ اس بیان میں ان اشیأ کی تسبیح کا علم حاصل کرنے کیلئے۔ ''فقہ کرنا'' ـــ یعنی دل کے ذریعہ ادراک کرنا۔ ذریعہ بتایا گیا۔ فقہ کو دل سے متعلق کرنا۔ قرآنی آیت سے ثابت ہے ـــ

(۸) لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز (پارہ ۹ سورۃ ۷ آیت ۱۷۹) ترجمہ۔ انکے دل ہیں۔ مگر اس سے فقہ نہیں کرتے۔ یعنی ادراک نہیں کرتے۔ اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ آسمان و زمین۔ اور انکی اشیأ کی تسبیح۔ جو حواس و عقل کے احاطہ میں نہیں آسکتی ـــ انکے ادراک کا ذریعہ فقہِ قلبی ہے۔ ثابت ہوا۔ ماورائے ادراک اشیأ کی حقیقت سمجھنے اور انکی حقیقت تسلیم کرنے کیلئے۔ حواس و عقل سے دلیل و ثبوت حاصل کرنا ممکن نہیں ـــ سوائے اسکے کہ انکی حقیقت فقہِ قلبی کے ذریعہ پہچاننا۔ سمجھنا۔ اور تسلیم کرنا شرط ہے ـــ اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قلب کے ذریعہ بھی کسی کیفیت کا ادراک کیا جاتا ہے ـــ

(۹) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۴) اور مت کہو انکو جو قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں ''مردہ'' ـــ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کیفیت کو شعور کے ذریعہ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ـــ اس بیان میں فطری تخلیق کے مطابق ایک انسان کے قتل ہونے میں۔ اسکا حرکت و عمل ساقط ہو جاتا ہے ـــ ایسے شخص کو مردہ ہی کہا جاسکتا ہے ـــ لیکن موت وارد ہونے کے باوجود اسے مردہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ اسلئے۔ کہ عام قتل کے مقابلہ میں دینی اعتبار سے اس قتل کی نوعیت اور ہے۔ وہ یہ کہ یہ انسان اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے قتل ہوتا ہے۔ جس وجہ سے۔ اسکے وجود کو یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اسکی روحانی ہیئت بدل جاتی ہے۔ کہ اس وجود کو ایک ایسی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جسے ''حیات'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس حیثیت کو حواس و عقل سے دیکھا نہیں جاسکتا۔ یہ کیفیت روحانی اور غیر محسوس ہے۔ اسلئے اس غیر

محسوس کیفیت کا ادراک شعور سے کیا جا سکتا ہے ـــــ جیسا کہ محققین اسلام نے دماغی ''حس مشترک'' کے دو حصے عقل و شعور بتائے ہیں۔ قرآن اسکی تائید کرتا ہے۔ کہ انسانی دماغ میں ایک حصہ ذہن ہے۔ جسے شعور کا مثالی نام دیا گیا ـــــ یہ حصہ۔ غیر محسوس روحانی کیفیت کے ادراک کیلئے ہے۔ اسی لئے ''حیات'' کی غیر محسوس کیفیت کی پہچان و فہم کیلئے شعور کو ذریعہ بتایا گیا۔

(۱۰) اَمْوَات'' غَيْرُ اَحْيَآءٍ ج وَمَا يَشْعُرُوْنَ لا اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۲۱) ترجمہ۔ مردہ ہیں۔ زندہ نہیں ـــــ اور نہیں شعور رکھتے کے کب اٹھائے جائینگے ـــــ اس بیان میں ''کب اٹھائے جائینگے'' کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اشارہ مستقبل بعید کی طرف ہے کہ قیامت بھی متشابہات سے ہے ـــــ جسکا ادراک حواس و عقل سے نہیں ہوسکتا ـــــ اس سبب سے وہ لوگ جو کافر ہیں۔ نہ اپنے اعمال کے نتائج کا ادراک شعوری رکھتے ہیں۔ اور نہ انہیں اسکا شعور ہے۔ کہ قیامت کب ہوگی ـــــ (کہ وہ اسکا مشاہدہ نہیں کر سکتے)۔

(۱۱) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۵ آیت ۹) ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اِسے محفوظ کرنے والے ہیں۔ اس آیت میں ''محفوظ'' کے تصور میں۔ حافظہ کا تصور پایا جاتا ہے۔ جسکے معنی خزانہ میں محفوظ کرنا ـــــ اس آیت سے دماغی حصہ حافظہ کا تصور ملتا ہے ـــــ

(۱۲) مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ (پارہ ۶ سورہ ۴ آیت ۱۵۷) انہیں اسکا کچھ علم نہیں۔ سوائے پیروی ظن (وہم) کے اور انہوں نے یقیناً حضرت عیسیٰؑ کو قتل نہیں کیا۔ کسی شے کی اصل کو غلط شکل میں دیکھنا یا سمجھنا ظن اور وہم سے تعبیر دیا گیا۔ جو کہ ناقص علم کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس آیت میں۔ ظن اور وہم میں ''واہمہ'' کا تصور دیا گیا۔

(۱۳) وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۹) اور بنائے تم میں کان اور آنکھیں اور دل و دماغ بہت کم لوگ ہیں جو ان قوتوں کو استعمال کر کے شکرانِ نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس آیت میں۔ دماغ اور قلب سے ادراک کرنا ظاہر ہے۔

ان آیاتِ قرآنی میں حواس خمسہ اور دماغ کے قوائے علمی کی نشاندہی کر کے انکے الگ

الگ عمل کوظاہر کیا گیا۔ نیز ان قوتوں کوانسان کی خصوصیات میں شامل کیا گیا۔حواس خمسہ میں۔بصر (آنکھ) سمع (کان) لامسہ (چھونا) ذائقہ (زبان) شامہ (سونگھنا) پانچ حواس مقرر ہیں ـــــ اسی طرح دماغ میں واہمہ۔حافظہ۔عقل۔شعور کی نشاندہی کی گئی اور عقل وشعور کے مادی روحانی عمل کی نشاندہی کی گئی ـــــ اسکے ساتھ ہی حصولِ علم میں اَفْئِدَۃَ کے تصور میں۔دماغ اور قلب کی نشاندہی کر کے۔شعور وقلب سے روحانی کیفیات کے علم حاصل کرنے کی ترتیب بیان کی گئی۔اب دیکھنا ہے۔ کہ انسان ان قوتوں کو کیسے استعمال کرتا ہے۔اسکے متعلق قدیم وجدید محققین نے ان قوتوں کی نشاندہی کر کے انکے افعال واعمال کی وضاحت کی ہے ـــــ

محققین یونان نے قدیم تحقیق میں پانچ حواس ۔بصر۔سمع۔ذائقہ۔شامہ۔اور لامسہ بتائے ہیں۔اسکے ساتھ ہی دماغ کے تین حصوں کی نشاندہی کی ہے۔جن میں۔واہمہ۔حافظہ اور متصرفہ بتائے گئے۔مگران محققین نے انکے افعال مختلف بتائے ہیں یعنی ان دماغی حصوں میں کسی نے واہمہ سے حافظہ کا عمل بتایا۔حافظہ سے واہمہ کا عمل بتایا۔اور متصرفہ کے عمل کی بھی مختلف تاویل بتائی ہے ـــ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ ان محققین کی تحقیق قیاس پر ہوئی۔جو کہ کامل تحقیق نہیں ـــــ انکے مقابل محققین یورپ نے بھی حواس پانچ بتائے ہیں۔اور انکے افعال کی صحیح نشاندہی کی ہے۔انکی تحقیق عینی مشاہدات کے تحت ہے۔جس سے ان قوتوں کے افعال کا صحیح ثبوت ملتا ہے۔دماغی تحقیق میں ـــ انکی تحقیق اگرچہ عینی مشاہدہ پر ہے۔لیکن ابھی تک محققینِ مغرب دماغ کی تحقیق میں آخری فیصلہ دینے سے قاصر ہیں۔کیونکہ دماغ کے بعض حصوں کے افعال یکسر روحانی ہیں۔جوانکی مادی تحقیق کے احاطہ میں نہیں آسکے۔تاہم انکے نظریات دماغ سے متعلق قابلِ تسلیم سمجھے جاتے ہیں ـــ محققین مغرب نے دماغ کے تین حصے بتائے ہیں ـــ جن میں (۱) Area of Sight (حصۂ بصارت) (۲) Motor Area (حصۂ حرکت) (۳) Psychic Area (واہمی حصہ) بتائے ہیں ـــ

محققینِ اسلام نے قرآنی آیات کی روشنی میں۔انسانی حواس اور دماغ کے تمام حصوں کی تقسیم کے حقیقی آثار بیان کر کے انکے افعال کی نشاندہی کی ہے۔اس مقام پر محققینِ اسلام کی تحقیق

سے حاصل شدہ نظریات کو پیش کیا جاتا ہے ـــ البتہ اس تحقیق میں محققین مغرب کی تحقیق کو شامل کیا جاتا ہے ـــ محققینِ اسلام کے نزدیک حواس خمسہ کے افعال میں ہر حس کا عمل بیان کیا گیا۔ محققین ۔حکمائے اسلام نے حواسِ خمسہ میں۔حسِ بصر (آنکھ)حسِ سمع (کان) حسِ ذائقہ (زبان) حسِ شامہ (ناک) حسِ لامسہ (چھونا) کی نشاندہی کی ہے۔اسی طرح دماغی حصص میں ـــ واہمہ ـــ حافظہ ـــ متصرفہ تین حصے بتائے ہیں۔ان تین حصوں میں۔ محققین مغرب کی تحقیق میں تصدیق شدہ قویٰ (Organs) حصۂ بصارت Area of Sight اور حصہ حرکت Motor Area شامل کیے گئے ہیں ـــ البتہ محققین اسلام نے Psychic Area [1] کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔جس میں واہمہ۔حافظہ۔اور حس مشترک بتایا گیا ہے ـــ اس طرح محققین اسلام کے نزدیک دماغ کے حصص۔حصہ بصارت ـــ حصہ حرکت ـــ واہمہ ـــ حافظہ۔حسِ مشترک پانچ حصے محقق ہیں۔حس مشترک بھی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ایک شعور ـــ دوسرا عقل۔عقل کو ماہرینِ نفسیات نے تحت الشعور کا مثالی نام دیا ہے۔ترتیب کے لحاظ سے حس مشترک دماغ کی اگلی طرف۔ ماتھے کے اوپر واقع ہے۔اسکا اوپر کا حصہ شعور کہلاتا ہے۔اور شعور کا نیچے کا حصہ تحت الشعور یا عقل سے موسوم ہے ـــ عقل وشعور کے افعال کو حکمائے اسلام نے خصوصیت دی ہے۔کہ انسانی مشاہدہ کی تکمیل عقل وشعور کے مشاہدہ سے ہی ہوتی ہے۔اسکی تفصیل اس طرح ہے۔کہ

آنکھ کی زد میں آئی ہوئی کیفیت کا عکس۔آنکھ کی پتلی پر آتا ہے۔آنکھ کی پتلی سے عکس آنکھ کے پیچھے ایک مائع [2] (پانی کی) تھیلی پر آتا ہے ـــ یہ عکس مائع سے گزر کر دماغ کے پچھلے حصہ۔حصۂ بصارت پر آتا ہے۔حصۂ بصارت سے عکس دماغ کے حصہ واہمہ پر آتا ہے۔واہمہ سے عکس حافظہ میں آتا ہے۔حافظہ سے کیفیت کا عکس تحت الشعور (عقل) پر آتا ہے۔اس انتقالِ عکس میں۔آنکھ پر عکس

---

[1] Psychic Area کے معنی واہمی حصہ۔محققینِ مغرب اس حصے کے عمل کی تحقیق میں ابھی تک عبور حاصل نہیں کر سکے۔کہ واہمہ۔حافظہ۔حس مشترک کی الگ الگ نشاندہی کر سکیں۔

[2] اسکا عربی نام شبکیۃ العین اور انگریزی میں Retina کہتے ہیں۔

آنے سے کیفیت کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ آنکھ صرف بیرون سے کیفیت حاصل کرنے کا ایک آلہ ہے۔جس سے دیکھنے کی تکمیل نہیں ہوتی ـــ حصۂ بصارت کا فعل بھی ایسا ہی ہے۔کہ اس حصہ پر عکس آنے سے کیفیت کا احساس نہیں ہوتا ـــ واہمہ صرف ایک ہیئت کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے۔کہ کیفیت کی ہیئت کیا ہے ـــ حافظہ سے بھی کیفیت کا احساس نہیں ہوتا۔حافظہ کا کام کیفیت کا اپنے خزانے میں جمع رکھنا اور کیفیت کو عقل میں منتقل کرنا ہے ـــ لہٰذا۔حافظہ سے کیفیت کے عقل میں منتقل ہونے سے عقل مشاہدہ کرتی ہے۔اُس وقت انسان کو کسی کیفیت کی ہیئت کا ادراک و احساس ہوتا ہے۔مثال کے طور ـــ آنکھ کے سامنے موم بتی ہو۔تو یہ عکس آنکھ کی پتلی پر آتا ہے۔ آنکھ کی پتلی سے عکس ۔مائع کی تھیلی جو آنکھ کی پتلی کے پیچھے پانی کی تھیلی Retina پر آتا ہے۔ Retina سے حصۂ بصارت پر آتا ہے۔حصۂ بصارت سے حصۂ حرکت Motor Area پر آتا ہے۔حصہ حرکت سے واہمہ میں منتقل ہوتا ہے ـــ واہمہ موم بتی کی ہیئت اخذ کرتا ہے کہ یہ کیفیت سفید رنگ مومی وجود ہے ـــ اور سر پر مخروطی شکل کی روشنی ہے یہ ہیئت حافظہ میں آتی ہے۔تو اسکی ہیئت حافظہ میں جمع اور محفوظ ہو جاتی ہے۔اسکا عکس عقل میں منتقل ہوتا ہے۔اس وقت انسان کو موم بتی کا ادراک واحساس یا مشاہدہ ہوتا ہے۔یہی نوعیت کان ـــ ناک۔زبان ـــ لامسہ کی ہے۔کہ کیفیت کا عکس حصۂ حرکت پر آتا ہے۔حصۂ حرکت سے۔واہمہ میں منتقل ہوتا ہے۔واہمہ سے حافظہ میں جمع ہو کر عقل میں کیفیت منتقل ہوتی ہے۔عقل میں کیفیت کا عکس منتقل ہونے سے اس کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔اس عمل سے ''مشاہدہ'' کی تکمیل ہوتی ہے۔ظاہر ہوا کہ جب تک حواس کے ذریعہ کیفیت کا عکس عقل (تحت الشعور) میں منتقل نہ ہو دیکھنے کا عمل پورا نہیں ہوتا۔یہ جاننا ضروری ہے۔کہ کیفیت کے انتقال میں۔حواس سے عقل تک کیفیت منتقل ہونے کی کیا ترکیب ہے۔؟

محققین نے عینی مشاہدہ سے یہ ثابت کیا ہے۔کہ کیفیت خود بخود منتقل نہیں ہوتی۔بلکہ اسکے انتقال میں ایک لطیف قوت اصل ذریعہ ہے۔محققین نے اس قوت کو ''ایثر'' کا مثالی نام دیا ہے ـــ کہ اس فضائے کائنات میں ایک غیر محسوس لطیف قوت ایثر ہے۔یہ ایثر لہروں کی شکل میں

متحرک ہوتی ہے۔اسی ایثر میں کیفیت جذب ہوکر آنکھ کی پتلی پر آجاتی ہے۔اگر فضائے کائنات میں یہ ایثر موجود نہ ہوتو ایک کیفیت کا عکس آنکھ پر آسکتا ہے نہ کیفیت کا مشاہدہ ہوسکتا ہے ـــــ یہی صورت کان کی ہے۔کہ آواز ایثری لہروں کے ذریعہ کان کے پردے سے ٹکرا کر کان میں داخل ہوتی ہے ـــــ یہ امر محقق ہے۔کہ ایثر ہی ہر کیفیت اندرون و بیرون کے انتقال کا اصل ذریعہ ہے ـــــ لہٰذا۔یہ ثابت ہوتا ہے۔کہ حواس سے دماغ تک اندرونِ جسم انتقال کا ذریعہ ایثر ہی ہے۔یعنی۔ آنکھ۔کان۔زبان۔ناک اور لامسہ کے اندرونی عمل میں بھی ایثر ہی انتقال کا ذریعہ ہے۔اسکی ترکیب یہ ہے۔کہ انسانی جسم میں ہر حواس کا عقل سے رابطہ باریک شریانوں کے ذریعہ ہوتا ہے ـــــ باریک شریانوں میں خون ـــــ اور خون میں لطیف جوہر پایا جاتا ہے ـــــ یہی جوہر ہے۔جس میں بیرونی کیفیات کا عکس ایثری لہروں کے ذریعہ جذب ہوکر دماغ میں۔حصۂ بصارت۔واہمہ۔ حافظہ اور عقل تک منتقل ہوتا ہے ـــــ حواسِ خمسہ میں قوتِ لامسہ (چھونے کی حس) میں جسم کا ہر حصہ (ہر ذرّہ) عمل کرتا ہے۔جسم کے کسی حصہ پر چھونے (مس) کے اثر میں بھی۔شریانوں میں خون کے جوہر میں یہ اثر جذب ہوکر حصہ حرکت تک پہنچتا ہے ـــــ حصۂ حرکت Motor Area سے دماغی شریانوں کے جوہر میں یہ اثر جذب ہوتا ہوا۔واہمہ۔حافظہ تک پہنچکر عقل میں منتقل ہوتا ہے۔اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ـــــ یہ خونی جوہر جسے ایثر سے تشبیہ دیا گیا ـــــ تمام جسم کے ذرہ ذرہ میں پھیلا ہوا ہے کیونکہ قوتِ لامسہ میں جسم کا ہر ذرہ حس کا کام کرتا ہے ـــــ یہی خونی جوہر ہے۔جس سے جسم کی نشو ونما ہوتی ہے اور انسانی گوشت پوست اسی جوہر سے بنتا ہے ـــــ اگر اس جوہر کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا۔کہ یہ جوہر انسانی روح سے موسوم ہوتا ہے۔اسکی ترکیب یوں ہے کہ ایک زندہ انسان کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ـــــ برتن میں آگ پر ابالا جائے۔یہاں تک کہ یہ گوشت پانی کی شکل اختیار کر جائے ـــــ تو اس پانی کے ایک قطرے کو خوردبین کے ذریعہ دیکھا جائے۔تو یہ قطرہ۔لطیف۔متحرک ذرّات میں نظر آتا ہے۔جو لاکھوں ذرات کا مجموعہ ہوتا ہے ـــــ یہ ذرات متحرک محسوس ہوتے ہیں۔ان ذروں کی حرکت سے ظاہر ہے۔کہ ان میں ہر ذرّہ زندہ وجود رکھتا ہے ـــــ ہر ذرّہ ایک لطیف وجود

رکھتا ہے۔اوراس ذرہ کی حرکت ایک روح سے ہی قائم ہوسکتی ہے ـــــ اس امر سے ظاہر ہے۔کہ انسانی وجود انہیں کروڑوں ذرات کا مرکب و مجموعہ۔ایک جسم ہے۔جس میں کروڑوں ذرات کے مجموعہ سے انسانی جسم متشکل (بنتا) ہوتا ہے ـــــ یہ جسم کی ہیئت میں محسوس ہوتا ہے ـــــ اورانہیں ذرات کی روح ـــــ جس روح سے ان ذرات کی متحرک زندگی وابستہ ہے ـــــ انسانی روح کہلاتی ہے ـــــ جس طرح ان ذرات کے اجتماع سے ایک جسم متشکل ہوتا ہے ـــــ اسی طرح ان ذروں کی روحوں کے اجتماع سے ایک روحانی جسم متشکل ہوتا ہے۔جو ہو بہو انسانی جسم کے مشابہ ہوتا ہے۔اس طرح ان روحوں کے مجموعہ سے بعینہٖ انسانی جسم کے مشابہ ایک روحانی جسم بھی وجود پذیر ہوتا ہے۔یہی روح انسان کی روح کہلاتی ہے۔جسے روح حیوانی یعنی انسان کو زندہ رکھنے والی روح کہا جاتا ہے۔یہی روح قوتِ لامسہ میں کسی کیفیت کے اثر کو دماغ تک پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہے ـــــ

انسانی جسم میں دماغ کا گودا باریک گوشت کی شکل میں ہوتا ہے ـــــ یہ گودا بھی انسانی جسم (گوشت) کا باریک حصہ ہے۔اس گودے کی بھی حیثیت وہی ہے۔جو عام جسم کی ہے ـــــ کہ یہ گودا بھی لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔اوران ذرات کی زندگی بھی اسی روح سے متعلق ہے۔انسانی دماغ باقی جسم کے مقابلہ میں قوی اور لطیف ہیئت وحیثیت رکھتا ہے ـــــ لہذا ـــــ انسانی دماغ میں ادراک ومحسوس کرنے والی کیفیت روح ہی ہوسکتی ہے ـــــ اس اعتبار سے۔جبکہ جسم میں ادراک کرنے کا عمل روح سے ہی تکمیل ہوتا ہے۔تو ثابت ہوتا ہے۔کہ انسانی جسم میں ہر عمل اسی روح سے وابستہ ہے ـــــ بہ الفاظ دگر انسانی جسم میں۔اصل حرکت وعمل اور ادراک اسی روح سے ہوتا ہے ـــــ نیز علمی حیثیت میں جب حواسِ خمسہ اور دماغ میں ایثر ہی انتقالِ عکس ـــــ اور کیفیت کے احساس کا ذریعہ ہے۔تو ثابت ہوتا ہے۔کہ روحِ حیوانی بذاتِ خود ایثر ہے ـــــ جو حواس میں بھی خود کیفیات کو جذب کرتی ہے ـــــ اور دماغ میں بھی یہی قوت ادراک کرتی ہے ـــــ اور دماغی لطیف ہیئت کے اعتبار سے دماغ روح حیوانی ـــــ یا ایثر کا مخزن یا مقام کہلاتا ہے۔جہاں تک ٹھوس مادی کیفیتوں کا تعلق ہے۔دماغی ایثر (روح) حواس کے ذریعہ بیرونی کیفیات کا عکس حاصل کر کے عقل (عقل کی

روح) اسکا مشاہدہ کرتی ہے ـــ اور جب حواس سے کیفیات کا عکس دماغ تک نہ پہنچے تو عقلی روح کسی کیفیت کا مشاہدہ نہیں کرسکتی۔ مثال کے طور ـــ اگر حسِ باصرہ (آنکھ) بند ہو۔ تو کسی کیفیت کا عکس دماغ تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو عقلی روح کیفیت کا مشاہدہ نہیں کرسکتی ـــ دوسری نوعیت عقلی روح (عقل) کی یہ ہے ـــ کہ جب حواس خمسہ کے ذریعہ کیفیات کا عکس آنا رک جائے (بند ہو جائے) اسکے باوجود عقلی روح غیر محسوس کیفیات کا احساس کرتی ہے۔ جیسے انسان تنہائی میں آنکھیں بند کر کے محو ہو جاتا ہے۔ تو اس محویت میں بھی عقل غیر محسوس ہیئتوں کا تصور کرتی ہے۔ جو حواس کے ذریعہ نہیں آتیں ـــ تو اسکی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ ہر بیرونی کیفیت کا عکس حافظہ کے ذریعہ ہی عقل میں منتقل ہوتا ہے جب حواسِ خمسہ کے ذریعہ کیفیات کا عکس حافظہ تک نہ آئے۔ تو حافظہ کی فطری عادت ہے ـــ یعنی اسکا فطری عمل ہے۔ کہ حافظہ اپنے عمل کو جاری رکھے۔ تو اس وقت حافظہ اپنے جمع شدہ خزانہ سے کیفیات عقل کو منتقل کرتا ہے۔ تو عقل انہیں غیر محسوس کیفیات کا احساس کرتی ہے۔ اسی عمل کو محققین نے ''خیال'' سے تعبیر دیا ہے۔ اس طرح حواس کے ذریعہ ٹھوس مادی کیفیات کے انتقال کے بغیر ـــ غیر محسوس کیفیات کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ دماغ ٹھوس مادی کیفیات سے سوا۔ غیر محسوس غیر مادی کیفیات کے ادراک کی قوت وصلاحیت بھی رکھتا ہے ـــ لیکن یہ امر محقق ہے۔ کہ عقل غیر مادی کیفیات کا احساس نہیں کرسکتی ـــ تو ظاہر ہے۔ کہ حس مشترک کا دوسرا حصہ ''شعور'' غیر مادی۔ غیر محسوس کیفیات کا احساس کرتا ہے۔ اس وقت حافظہ اپنے جمع شدہ خزانے سے جو کیفیت منتقل کرے وہ شعور میں منتقل ہو کر محسوس کی جاتی ہے۔ اس کیفیت میں Chain of Thought (خیالات میں بہنا) کا عمل شامل ہے جب حواس خمسہ کے ذریعہ کیفیات کا عکس عقل تک نہ پہنچے۔ تو پھر حافظہ سے محفوظ شدہ کیفیات شعور پر منتقل ہو کر محسوس کی جاتی ہیں۔ یہ عمل اس وقت جاری ہوتا ہے۔ جب بیرونِ فضائے ایثری سے کوئی کیفیت حواس کے ذریعہ حاصل نہ ہو ـــ دوسرے یہ کہ عقل کی ایک خاص نوعیت یہ بھی ہے ـــ کہ انسان بیداری میں عقل ہی سے جسم پر کنٹرول (تصرف) رکھتا ہے ـــ عقل کے مسلسل عمل سے۔ عقل تھک جاتی ہے۔ یعنی

اسکے Nerves (اعصاب) ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔شدید دباؤ کی وجہ سے عقل کے اعصاب ڈھیلے ہوکرسکڑ جاتے ہیں۔تو حافظہ سے آمدہ کیفیات کا احساس نہیں کرتی ـــــ دوسرے حصہ عقل براہ راست Motor Area پر اعصاب کے ذریعہ کنٹرول (تصرف) رکھتا ہے۔عقل کے زیرِ اثر اعصاب میں تناؤ (کھچاؤ) پیدا ہوتا ہے۔تو حصہ حرکت Motor Area پر اسکا اثر پڑتا ہے۔ Motor Area سے تمام جسم میں شریانیں (اعصاب) Nerves پھیلی ہوئی ہیں۔تو حصہ حرکت میں بھی کھچاؤ پڑتا ہے۔تو انسانی جسم کے اعصاب بھی ڈھیلے ہوکر اپنا عمل (حرکت وعمل) چھوڑ دیتے ہیں اس عمل کو خواب (نیند) سے تعبیر دیا جاتا ہے ـــــ نیند کی حالت میں جب عقل کا عمل ساقط ہو جائے۔اگر حواس (کان۔ناک۔زبان۔مس۔آنکھ) سے کیفیت حافظہ کے ذریعہ عقل تک پہنچے تو عقل ساقط ہونے کے باعث ان کیفیات کا احساس نہیں کرسکتی ـــــ سوائے اسکے ایسی کیفیات شعور میں منتقل ہوتی ہیں۔اس حالت میں انسان نیند کی حالت میں جو بھی کیفیت محسوس کرے۔وہ عقل سے نہیں بلکہ شعور سے محسوس ہوتی ہے۔جو غیر مادی اور غیر محسوس ہوتی ہے ـــــ اس عمل کو ''ادراکِ شعوری [1]'' کہا جاتا ہے۔یہ ادراک روحانی ہوتا ہے۔نیند کی حالت میں شعور کا ادراک مستقل نہیں رہتا ـــــ یہ قدرت کا فطری عمل ہے۔کیونکہ انسان کو دن کی مصروفیات کے ساتھ آرام کی ضرورت بھی رہتی ہے۔اسلئے شعور حواس سے آمدہ کیفیات کا ادراک نہیں کرتا۔جب تک کہ کیفیت ـــــ میں شدت نہ ہو ـــــ کیفیت میں شدت ہو تو اس وقت شعور ادراک کرتا ہے۔جو ''خواب'' کی شکل اختیار کرتی ہے یہ کیفیت حواس سے آتی ہے اور کبھی حافظہ سے آتی ہے ـــــ اس عمل سے ثابت ہوتا ہے۔کہ انسان شعور کے ذریعہ غیر مادی لطیف کیفیات کے احساس وادراک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ـــــ اس حال میں کہ جب حواس کے ذریعہ۔بیداری یا نیند میں۔ کیفیات کا عکس عقل پر آنے کا عمل ساقط ہوجائے ـــــ

---

[1] بیداری کی حالت میں بغیر حواس کی آمد کے شعور ادراک کرے تو ''ادراکِ شعوری'' سے تعبیر دیا جاتا ہے۔نیند کی حالت میں ادراک کرے تو اسے ''خواب'' (یعنی نیند میں شعور کا ادراک کرنا) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

دیکھا گیا ہے۔ کہ انسان نیند میں ۔بھی کیفیات و واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسکی دو نوعیتیں ہیں ـــــ ایک نوعیت یہ ہے۔ کہ انسانی حافظہ فطری عادت کے تحت ہر لحہ برسرِ عمل رہتا ہے۔ بیداری میں حواس سے آمدہ کیفیات عقل میں منتقل کرتا ہے ـــــ نیند کی حالت میں بھی اسکا عمل جاری رہتا ہے (خواہ عقل کا عمل نیند کی حالت میں ساقط ہو) ایسی حالت میں حافظہ کے خزانہ سے کیفیت شعور میں منتقل ہو کر شعور ادراک کرتا ہے۔ تو اِسے خیالی خواب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ دوسری نوعیت یہ کہ بعض حالتوں میں ایسی بھی کیفیات دیکھی جاتی ہیں۔ جو حافظہ سے نہ ہوں۔ بلکہ بیرون واقعات سے تعلق رکھتی ہیں ـــــ

گزشتہ بیان میں قرآنی آیات کی رو سے یہ واضح کیا گیا۔ کہ انسانی دماغ میں شعور غیر محسوس غیر مادی کیفیات کا ادراک کرتا ہے ـــ محققین۔ حکماً کے نظریات کے تحت بھی یہ امر ثابت ہے۔ کہ تمام کیفیات و واقعات کا ادراک دماغ سے ہوتا ہے۔ اسلئے انسانی ذہن میں شعور کا عمل روحانی ثابت ہوتا ہے ـــ یہ امر بھی واضح ہے۔ کہ انسانی ادراک میں بیرونی فضائے ایثری کو دخل ہے۔ کہ اسی قوت کے ذریعہ ادراک ہوتا ہے۔ اور انسانی وجود میں بھی یہی ایثری قوت ادراک کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس ایثری قوت کو روح سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اور اس روح کا مخزن دماغ ہے۔ دماغ میں روح ہی ادراک کرتی ہے ـــــ اسلئے شعور کا مشاہدہ بجائے خود روح کا مشاہدہ تعبیر ہوتا ہے ـــ اسکی ترکیب یہی ہے۔ کہ شعوری روح۔ براہ راست (بغیر حواس کی مدد کے) بیرونی فضائے ایثری سے رابطہ کرتی ہے ـــ یہ جاننا ضروری ہے ـــ کہ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسان جسمانی حالت میں۔ حرکت و احساس اور مشاہدہ کرتا ہے ـــــ لیکن انسانی مرکب روحانی و جسمانی پر تجزیہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ انسان درحقیقت۔ ایک ابتدائی روح (ذرۂ لطیف یا ناری) ہے۔ جو بجائے خود ایک مجسم وجود ہے ـــــ ناری اعتبار سے اس میں بھی سمع۔ بصر۔ فہم پایا جاتا ہے۔ انسان میں دوسری روح نوری ہے۔ قرآن نے وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ میں اسکا نوری تصور دیا ہے۔ نوری اعتبار سے اس نوری وجود میں بھی (بمثل ملائکہ) سمع۔ بصر و فہم پایا جاتا ہے ـــــ ناری روح

انسان کا حقیقی وجود ہے۔ یہی وجود ہے۔ جو انسانی شکل وصورت میں حرکت وعمل اور مشاہدہ کی حامل ہے۔ اس روح کا مخزن (مقام) دماغ ہے۔ لہٰذا۔ یہی روح شعوری ہیئت میں خود ادراک کرتی ہے۔ یہی روح بیرون فضائے ایثری سے رابطہ کرتی ہے ـــ اسکا مشاہداتی عمل ایسا ہی ہے۔ جیسے حافظہ سے کیفیت شعور پر منتقل ہوکر کیفیت کا ادراک کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بیرون فضائے ایثری بھی بمنزلہ حافظہ حیثیت رکھتی ہے۔ فضائے ارضی میں جو واقعہ رونما ہو اس ایثر میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ فضائے ارضی میں جو بھی قدیم سے واقعہ رونما ہوتا رہا۔ اس فضائے ایثری میں اسکی روحانی ہیئت موجود ہے اسی طرح ہر لمحہ فضائے ارضی میں جو واقعہ ہیئت۔ آواز میں وجود پذیر ہوتا ہے فضائے ایثری میں جذب ہوتا ہے ـــ جدید سائنسی تحقیق سے بھی یہ امر ثابت ہے۔ جسکی دلیل ریڈیو۔ ٹیلی ویژن سے ثابت ہے ـ کہ مشرق میں رونما ہوا واقعہ (آواز) فضائے ایثری میں جذب ہوتا ہے ـــ فضائے ایثری متحرک ہے اس میں لہریں پائی جاتی ہیں۔ ان لہروں کی رفتار برقی ہے۔ جو ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہیں۔ اسی رفتار کے ساتھ ایک آواز مشرق سے مغرب تک فاصلہ طے کرتی ہے۔ یہی عمل ٹیلی ویژن میں بھی ہوتا ہے۔ کہ فضائے ایثری میں شکل۔ آواز جذب ہوکر محفوظ ہو جاتی ہے۔ اسی شکل اور آواز کو ٹیلی ویژن میں نصب آلہ (بمنزلہ شعور) جذب کر کے پردے پر منعکس کرتا ہے۔ محققین مغرب کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے۔ شعوری قوت کا ایک آلہ ایجاد کیا۔ جس سے فضائے ایثری کی لہروں کو جذب کر کے لاکھوں میل کی آواز جو فضائے ایثری کی لہروں کے ذریعہ فاصلہ طے کرتی ہیں۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے ـــ یہی عمل انسانی ذہن سے ہوتا ہے۔ کہ روح حیوانی اسی فضائے ایثری سے رابطہ کر کے ہر کیفیت اور آواز جذب کر کے شعور تک پہنچاتی ہے۔ تو شعور ہر اس کیفیت کا ادراک کرتا ہے۔ جو روح کے ذریعہ جذب ہوکر شعور میں منتقل ہوتی ہے۔ اسی کیفیت کو مشاہدۂ روحی کہا جاتا ہے۔ اس مشاہدہ میں۔ ماضی۔ حال کی کیفیات کا روح (شعور) کے ذریعہ ادراک کیا جاتا ہے۔ گویا روحِ حیوانی میں یہ قوت وصلاحیت ایثری پائی جاتی ہے۔ جس سے وہ بیرون جسم واقعات کا احاطہ کر کے

مشاہدہ کرتی ہے۔لہٰذا انسانوں میں بعض وہ ہستیاں جو بغیر حواس غیر محسوس ۔ غیر مادی کیفیات کا ادراک کرتی ہیں۔ان میں روح حیوانی قوی حالت میں ادراک کرتی ہیں۔ جسے روحانی مشاہدہ یا عالم غیب کا مشاہدہ کہا جاتا ہے ـــــ اس عمل میں ماضی کے واقعات فضائے ایثری سے حاصل کئے جاتے ہیں۔اسکے علاوہ زمین پر ہونے والے واقعات جو فضائے ایثری میں جذب ومحفوظ ہو جاتے ہیں انہی جذب شدہ کیفیات کا روح سے حاصل کرنا ـــ حال کے واقعات دور ونزدیک۔زمین کے اندر کی کیفیات۔انسان کے دل میں پیدا ہونے والی کیفیات۔دماغ (حافظہ) میں جمع شدہ کیفیات کا روح کے ذریعہ حاصل کرنا یہ سب مشاہدۂ روحی میں شامل ہیں ـــــ اسی عمل سے اس وقت یورپ کے ماہرین نفسیات۔اپنے مدِّ مقابل حکومتوں کے اندرونی فوجی راز معلوم کرنے کیلئے۔ٹیلی پیتھی کے ذریعہ کیفیات حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں۔کہ معلوم ہو جائے۔روس[1] نے امریکہ کے خلاف کون سے خفیہ فوجی سامان جمع کئے ہیں۔اور روس کے ماہرین اس کوشش میں ہیں کہ امریکہ نے روس کے خلاف کون سے خفیہ سامان جمع کئے ہیں۔یہ سب ترکیبیں اسی اصول کے تحت عمل میں آتی ہیں ـــ ٹیلی پیتھی کا عمل اسی اصول کے تحت ہے۔کہ ایک شخص اپنی (ایثری) روح کے ذریعہ دوسرے شخص کی (ایثری) روح سے رابطہ قائم کر کے خیالات کا روحانی ادراک حاصل کرے۔اس روحانی ادراک کی وسعت۔روحِ حیوانی کی ناری ہیئت کے مطابق ناری فضائے آسمانی میں ناری کروں تک وسیع ہے کیونکہ۔کائنات میں پھیلے ہوئے سیارے جو آنکھ کی حد میں آتے ہیں ـــ انکے ادراک کا ذریعہ ایثر ہی ہے اسلئے ثابت ہوتا ہے۔کہ ایثر ناری فضا تک وسیع ہے۔اسی ایثر سے ناری کروں تک روحانی مشاہدہ ہوسکتا ہے۔شرط یہ ہے۔کہ انسان کی روح حیوانی میں پاکیزگی اور لطافت موجود ہو ـــ تو وہ فضائے آسمانی میں۔چاند۔سورج۔مریخ۔مشتری تمام سیاروں۔یہاں تک کہ ان سیاروں تک بھی جو لاتعداد میل دور فضائے آسمانی میں واقع ہیں۔ان کیفیات کا ادراک بھی کرسکتی ہے۔یہ کیفیت ہر اس انسان کو حاصل ہوسکتی ہے۔جو جسمانی حالت میں صحت مند ہو۔اور اسکی روحانی قوت بھی پاکیزہ اور صحت مند

---

[1] یہ مضمون سویت یونین کا شیرازہ بکھرنے سے قبل کا لکھا ہوا ہے۔(شعبہ نشر واشاعت)

ہو۔البتہ۔عملی۔اخلاقی لحاظ سے انسان کا عمل ناقص ہوتا ہے۔جس وجہ سے اسکی روح بھی ناقص ہو جاتی ہے۔جو عام انسانوں کی حیثیت ہے۔اسلئے انسان کی روح میں۔اسکی پیدائشی قوت میں فرق آ جاتا ہے۔جسوجہ سے اسکی روح میں مشاہدۂ روحانی کی صلاحیت [1] قائم نہیں رہتی۔اور جولوگ اس قوت کو قائم رکھنے کیلئے فاقہ ــ رات جاگنا ــ یکسوئی۔بلور بینی۔مسلسل جاری رکھیں ان میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔یہی قوت ہے۔جو اسلام میں اولیأ کو حاصل ہوتی ہے جن سے انکے مشاہداتی کمالات کا اظہار ہوتا ہے ــــ لیکن اصولِ شریعت۔اوراصول طریقت میں اس روحانی کمال کو اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔کیونکہ اس عمل میں اسلام میں داخل ہونا شرط نہیں۔یہ قوت بلا تمیز مذہب۔ہر انسان کو خواہ کسی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو حاصل ہوسکتی ہے۔اسکے مقابل اولیائے اسلام کو شرعی حیثیت میں خصوصیت حاصل ہوتی ہے جسکا تعلق روحِ حیوانی (یا ایثری روح) سے نہیں ــ بلکہ روح رحمانی سے ہے ــــ جس میں ناری قوتوں سے سوا ــ نوری قوتوں کا ادراک کرنا مقصود ہے۔

محققین مغرب کی تحقیق عقل اور عینی مشاہدہ تک محدود ہے ــــ لہٰذا انکی تحقیق کی وسعت ناری فضا تک محدود ہے ــــ وہ بھی اس حال میں۔کہ ان میں روح حیوانی (ایثری روح) کے مشاہدہ کی قوت نہیں۔بلکہ انکی عقلی قوت اور حافظہ کی قوت اس قابل ہے۔کہ وہ کسی کیفیت کے تجزیہ میں اسکے مادی پہلو پر انکے بنیادی وجودوں کا مشاہدہ نہیں۔بلکہ قیاسی تصور حاصل کر لیتے ہیں۔چونکہ یہ تحقیق بلا مشاہدہ ہوتی ہے۔اسلئے ان اشیأ کے بنیادی وجود جولطیف ہیئت میں ہیں۔قیاس میں کبھی نا مکمل تصور ونظریہ قائم کرتے ہیں ــ انکے نظریات علمی اعتبار سے سوا انکی شخصیتوں کے زیرِ اثر قبول کئے جاتے ہیں کہ ''ڈارون یا کارل مارکس کا قول ہے'' جیسے ان شخصیتوں کے قول پر کہ ڈارون کی تھیوری میں انسان۔بن مانس کی ترقی یافتہ ہیئت ہے مانا جاتا ہے ــــ اسکے نزدیک یہ نظریہ مستقل تھا۔مگر یہ نظریہ قرآنی نظریہ کے قطعی خلاف ہے ــــ جبکہ قرآنی نظریہ کے مطابق۔انسان بلاشبہ۔اپنے

---

[1] وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ سے مراد یہی ہے۔کہ تم میں شعور کے ذریعہ ماورائے ادراک کیفیت کے مشاہدہ کی صلاحیت موجود نہیں جب کہ تم میں ''شعور'' پایا جاتا ہے۔

ابتدائی مراحل میں بن مانس کی شکل میں ہی ارتقاً کرتا ہے ـــ مگر قانونِ پیدائش کے مطابق ہر ہیئت کا اپنا ایک منفرد ذرّہ (وجود) ہوتا ہے جو اپنی انفرادی ہیئت پر آکر مکمل ہو جاتا ہے۔ انسان کا وجود منفرد ہے۔ بن مانس کا وجود بھی منفرد ہے۔ دونوں ہم شکل ہیں۔ مگر انفرادی حیثیت میں وجودی خاصیتیں کم و بیش الگ الگ ہیں۔ یہ ڈارون کا قیاس تھا۔ جس نے ایک وجود کی بنیادی ہیئت کا احاطہ نہ کیا۔ اور دو ہم شکل ہیئتوں کو ایک ہی ہیئت سمجھ لیا۔ یہ تحقیق قیاس پر تھی اسلئے اصولی طور یہ نظریہ غلط ثابت ہوا ـــ البتہ روحِ حیوانی کے ذریعہ ہر شخص ادراک کر سکتا ہے مگر انکا مشاہدہ ناری فضائے آسمانی تک محدود ہے۔ ناری فضائے آسمانی سے ماورا عالمِ نوری بھی ہے۔ جسکا ادراک روحِ حیوانی سے نہیں ہو سکتا ـــ ماورائے عالمِ ناری ـــ نوری فضائے آسمانی کیلئے۔ انسان میں ایک اور روح ہے۔ جسکا تصور قرآن ہی پیش کرتا ہے۔ جو وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کے تصور میں پیش کیا گیا۔ محققین مادہ۔ محققین یورپ۔ اس روح کو اپنی تحقیق کے ذریعہ نہیں پا سکتے۔ کیونکہ یہ نوری روح ہے۔ کسی تحقیق کے احاطہ میں نہیں آسکتی اسلئے محققین مغرب اس روح کے قائل نہیں۔ اس روح کا تصور قرآن نے دیا ـــ اور قرآن نے ہی اس روح کی خصوصیات اور عمل کا بیان پیش کیا ـــ جسکا تعلق روحانی مشاہدہ سے ہے۔ اور اسکا تسلیم بھی روحانی مشاہدہ پر ہی منحصر ہے۔ جو بغیر قرآنی عمل حاصل نہیں ہو سکتا۔

قرآن اور حاملانِ قرآن کے نظریات و عقائد روحانی ماورائے ادراک ہیں۔ اسلئے کہ قرآن کے بتائے ہوئے نظریات میں۔ کیفیات و واقعات کا ادراک۔ حواس و عقل یا روح (ایثری) سے نہیں۔ بلکہ نوری روح سے ہے۔ لیکن ان نظریات کے تسلیم و یقین کا ذریعہ تحقیق سے قبل بلا دلیل تسلیم کرنا شرط ہے ـــ جسکے لئے دینِ اسلام میں داخل ہونا لازم ہے ـــ اور پھر جیسا کہ قرآن نے ہر کیفیت کیلئے ایک الگ الگ ترتیبِ فہم بیان کی۔ اسی کے مطابق قرآن کے بیان کئے ہوئے نظریات۔ جنکا تعلق۔ حواس۔ عقل۔ شعور۔ روح حیوانی سے ہے۔ ان پر تحقیق کر کے ہر اشیائے کائنات کا تجزیہ کر کے انکی حقیقت پہچانی جائے ـــ تو قرآنی نظریات مبنی بر حقیقت ثابت ہونگے۔ اسکے بعد قرآن کے روحانی نظریات پر تحقیق قرآنی علم کے مطابق کی جائے جسکے لئے قرآن نے ابتداً

ہی میں اسکا حوالہ دیا۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ ۛ فِیْهِ ۚ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱،۲) ترجمہ۔ یہ وہ کتاب ہے ـــــ جو ابتدائے وحی سے لیکر زمانہ کے آخری انسان تک پہنچیگی ـــــ اسے بلاتمیز مذہب وملت ہر انسان پڑھ سکتا ہے ـــــ تحقیق کرسکتا ہے ـــــ خواہ وہ ادنیٰ انسان ہو یا زمانہ کا عظیم محقق۔ اس میں کسی قسم کا نقص نہ پاسکیگا۔ بلکہ اس کتاب سے حقیقتِ حال پانے کی پوری راہنمائی حاصل کرسکیگا ـــــ البتہ اس کتاب کے نازل ہونے کا مقصد محض دنیوی عروج نہیں ـــــ کہ کوئی محقق نظامِ کائنات کے آثار و مرکبات۔ وخاصیات کی تحقیق میں اس سے استفادہ کر کے دنیا پر غلبہ واقتدار حاصل کرے ـــــ نہیں۔ اس کتاب کا اصل مقصد ـــــ لِلْمُتَّقِیْنَ ہے۔ کہ اس دنیا سے ماسوٰی۔ ایک روحانی عالم بھی ہے۔ جو اس کائنات میں بھی ہے اور اس کائنات کے نیست ونابود ہونے کے بعد بھی ایک عالم وجود پذیر ہوگا۔ جس عالم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ کہ اس عالم میں راحت وعذاب کا ایک منظم نظام ہے۔ سو جس نے بہتر عمل کیا ـــــ اسے راحت ہوگی۔ اور جس نے بہتر عمل نہ کیا اسے شدید عذاب ہو گا ـــــ اس عالم کو قیامت یا روزِ حشر ـــــ روزِ جزا کہا گیا۔ اس عالم کا احساس کرنا ضروری نہایت ضروری ہے۔ اس عالم کے عذاب کا خوف دل میں پیدا کرنا ضروری ہے ـــــ یہ کتاب اسی مقصد کیلئے پیش کی جاتی ہے۔ اس میں۔ نیک عمل۔ طریقِ عمل۔ اور عمل کے نتائج کو واضح کیا گیا۔ لہٰذا ہر انسان کا اس کتاب کی طرف اس حال میں آنا ضروری ہے۔ کہ اسکے دل میں خوفِ عذاب پیدا ہو۔ اور اس عذاب سے بچنے کیلئے۔ کتاب سے علم اور عمل حاصل کرے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ تم کتاب کے ظاہری علم کو حواس وعقل سے پرکھو تو یہ کتاب سچی ثابت ہوگی ـــــ مگر اسکے روحانی علم کیلئے دلیل و ثبوت سے تسلیم ویقین ممکن نہیں۔ لہٰذا۔ اس کتاب کے روحانی علم کو بلا دلیل تسلیم کرنا شرط ہے۔ اسکے لئے دین میں بغیر دلیل وثبوت داخل ہونا۔ اور مادی تحقیق وتجربات۔ مادی عروج سے سوا ـــــ روحانی علم حاصل کرنا ـــــ اور نماز پڑھنا یعنی عبادت کرنا ـــــ عبادت کرنے سے ہی روحانی علم کی

تحقیق وحقیقت کامل ہوسکتی ہے۔اسکے لئے قرآن نے ایک علیٰحدہ تصور دیا ـــــ وہ یہ کہ ایک مخصوص و منتخب ہستی کے ذریعہ کتاب (کتاب الٰہی) پیش کی جاتی ہے ـــــ جسے نبی کہا گیا ـــــ یہ ہستی عام انسانوں میں ہی ایک انسان ہوتا ہے ـــــ لیکن عام انسانوں کے مقابلہ میں۔اسکے حواس خمسہ۔ عقل۔شعور۔روح۔قلب پاکیزہ ہوتے ہیں۔ان قوتوں میں تحقیق حقیقت کی صلاحیت پائی جاتی ہے ـــــ اسکا شعور قوی ہوتا ہے۔جو ایثری قوت کا حامل ہوتا ہے۔اور ہر ناری کائنات کا ادراک کر سکتا ہے ـــــ علم رکھتا ہے ـــــ اسکے علاوہ نوری قوت سے نوری کائنات کا مشاہدہ رکھتا ہے ـــــ تاکہ یہ انسان ہر لحاظ سے ہر کیفیت کے حصولِ علم میں راہنمائی کر سکے۔

محققین مغرب کے نزدیک ـــــ جبکہ وہ انسان میں نوری روح کے قائل نہیں۔نہ انہیں مادی حیثیت میں اسکا ادراک ومشاہدہ ہوسکتا ہے ـــــ وہ ناری فضا سے ماوریٰ نوری عالم کے بھی قائل نہیں ـــــ کیونکہ وہ طویل زمانہ گزرنے کے باوجود اس نوری عالم کا تصور پانے سے قاصر ہیں۔البتہ قرآن نے اس نوری عالم کا تصور دیا۔جو اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی صورت میں بلا دلیل ایک شخصیت کے ''قولِ حق'' پر ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔قرآن نے نوری عالم کے وجود کا ایک تصور دیا۔جس میں قرآنی اصطلاحِ عربی میں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔اللہ آسمانوں اور زمین کا نور (بنیادی وجود یا روح) ہے اور سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کرسی۔عرش۔سدرۃُ المنتہیٰ اور ماوریٰ عالم نوری کا تصور پایا جاتا ہے ـــــ اور ان کیفیات کو عقلی طور سمجھنے کیلئے ایک ترکیبِ فہم بیان کی ہے۔سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ پس پھرو زمین پر ـــــ اور تحقیق وفکر سے کام لو۔کہ اس تمام کائنات کی ابتداً کیسے ہوئی تو اس تحقیق میں تمہیں اسکے بنیادی وجود اور Material (مرکب) کا تصور مل سکتا ہے اسکے لئے قرآن نے تحقیق وفکر کیلئے ایک نقطہ۔ایک سمت کا اشارہ دیا ـــــ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ تحقیق پیدائش عالم نوری اور عالمِ ناری اور عالمِ خاکی میں ایسی ترتیب موجود ہے۔جس سے تمہیں اس کائنات کی پیدائش کا تصور مل سکتا ہے۔اسکے لئے تمہاری تحقیق کا نقطۂ آغاز تمہارے

قریبی ماحول زمین کی تحقیق میں پائے گئے آثار۔اورتمہارے وجود میں پائے گئے آثار پر تحقیق سے شروع ہوتا ہے۔جوتم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو ـــــ وہ کیا؟ وہ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ۔تمہارا جسم۔اور تمہاری ناری روح ـــــ ستارے ناری اورانکی ناری فضا ہے ـــــ

پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ انسان ایک ناری روح اور خاکی جسم کا مرکب ہے۔یہی دو کیفیتیں نار ـــــ اورخاک تمہاری تحقیق کا نقطۂ آغاز ہیں ـــــ اس کائنات پر تحقیق کرو۔تو معلوم ہو گا۔کہ کوئی کیفیت نہ اپنا مستقل وجود رکھتی ہے۔نہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔اس سے مراد ہر کیفیت کا Material قدیمی ۔یا دائمی نہیں۔اور یہ کہ ہر کیفیت کسی دوسرے وجود سے بن کر ایک نیا وجود حاصل کرتی ہے۔تمہارے سامنے خاکی وجود ہے۔یہ پہلے سے قدیمی موجود نہ تھا ـــــ تو اسکا بنیادی وجود کیا ہے؟ ـــــ خاک زمین سے ہے۔زمین خاکی کہلاتی ہے ـــــ زمین کی ابتدائی پیدائش پر محققین مادہ نے بھی تحقیق کی ہے۔کہ زمین مثل اور سیاروں کے فضائے آسمانی میں معلق ایک سیارہ ہے ـــ جسکا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں تھا ـــ بلکہ ابتداً میں یہ سورج کا ایک وجود تھی ـــ اور یہ زمین سورج کا ایک ٹکڑا ہے۔جو سورج سے الگ ہوا ـــــ ''یہ سورج سے الگ ہونا'' پیدائش کا فطری (قدرتی) عمل ہے ـــــ تو ظاہر ہوا۔کہ سورج سے علیٰحدہ ہونے کے وقت زمین مثل سورج ناری تھی۔جسے محققین مغرب نے ''کرۂ نار'' سے تشبیہ دیا ـــــ ایسے زمانہ میں ۔زمین کا تصور خاکی نہیں ہوگا۔بلکہ ناری ہوگا ـــــ لہٰذا اس فطری عمل کے مطابق ناری وجود کا بھی کوئی Subject (علت) ہونا فطری اور ضروری ہے۔یہ امر بھی ثابت ہے۔کہ ناری قوت۔خاکی قوت سے قوی ہوگی ـــــ لہٰذا ناری قوت خود کسی قوت کی تنزلی Analysed قوت کی Object (معلول) ہوگی جو ناری قوت سے قوی ہوگی ـــــ اس قوت کو قرآن نے اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ کے بیان میں ''آسمان'' کے تصور میں پیش کیا۔جن میں آسمان کو سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ کی تقسیم میں پیش کیا ـــــ کہ سات آسمان طِبَاقًا عَنۡ طِبَاقٍ کی صورت میں ایک آسمان کے اوپر (گول دائرہ کی شکل میں) دوسرا آسمان احاطہ کئے ہے۔دوسرے آسمان پر تیسرے آسمان کا احاطہ۔اسی طرح چوتھا۔پانچواں۔چھٹا۔

ساتواں آسمان واقع ہے۔ان سات آسمانوں پر ایک فضا احاطہ کئے ہے۔اسے قرآن نے وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے بیان میں تصور دیا۔اس کیفیت کو کُرْسِیّ کا نام دیا گیا۔اسی طرح پہلے آسمان کو اَلسَّمَآءُ الدُّنْیَا ۔دنیا کا آسمان بتایا ـــــ آسمانِ دنیا وہی ہے جس میں تمام ستارے واقع ہیں۔وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ البتہ زینت دی آسمانِ دنیا کو ستاروں سے۔یہ ایک نوری فضا ہے۔فطری تخلیق کے عمل کے ساتھ۔اس نوری فضا سے ستارے بنے۔یعنی ناری ستاروں کا اپنا کوئی وجود نہیں۔بلکہ ان ستاروں کی ایک علت Subject ہے۔یہ علت آسمان دنیا ہے ـــ اسکا تصور ایسا ہے۔کہ ابتداً میں ناری طاقت سے قوی طاقت کی ایک فضا تھی ـــ اس وقت ستاروں کا وجود موجود نہ تھا۔تو فطری تخلیقی عمل کے مطابق اس نوری فضا میں سے وجود نکلے جو ناری طاقت میں تھے۔لاتعداد زمانہ میں یہ عمل جاری رہا۔یہاں تک کہ لاتعداد ستارے اس آسمان میں بنے۔انہیں ستاروں میں سورج بنے۔ان سورجوں میں ایک سورج زمین کا سورج ہے۔جس سے زمین نکلی۔اس عمل سے یہ ظاہر ہوا۔کہ ستاروں کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں۔بلکہ انکا وجود اس ابتدائی وجود سے ہوا۔جو اپنی قوت میں ان ناری سورجوں سے زیادہ قوت رکھتا تھا۔اسی قوت کو قوی قوت کے اعتبار سے آسمان کہا گیا۔اور اسکی قوی قوت کو نور سے تعبیر دیا گیا ـــ اس فطری تخلیقی عمل سے یہ ظاہر ہوا۔کہ کائنات پر تین کیفیتوں کا ظہور ہے۔ایک خاکی ـــ جو نار سے بنی ـــــ دوسری خود ناری کیفیت ـــــ جو نور سے بنی ـــ تیسری خود نوری قوت۔اس عمل سے ظاہر ہوا۔کہ خاک۔نار سے پیدا ہوئی ـــ نار نور سے پیدا ہوئی ـــــ اور نور خود مستقل وجود ہے۔جو کسی کیفیت سے نہیں بنتا ـــــ تو ظاہر ہوا۔کہ خاک پر تحقیق کرنے سے نار کا تصور قائم ہوتا ہے۔نار پر تحقیق کرنے سے نور کا تصور قائم ہوتا ہے ـــــ اس امر سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ کل کائنات تین کیفیتوں سے مرکب ہے۔ایک نور جو بنیادی وجود ہے۔اسی نور سے نار نکلی۔دوسرا نار ـــــ اسی نار سے خاک بنی ـــ تیسری خاک ـــــ خاک و نار کا تصور انسان پا سکتا ہے ـــ لیکن نور کا تصور ماورائے ادراک ہے۔اسکا تصور عقلی تحقیق کے احاطہ میں نہیں۔لیکن اس نور کے وجود سے قطعی انکار ممکن نہیں۔اسی نور

کی جز قرآن نے وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کے بیان میں انسان میں داخل ہونا بیان کیا۔

اِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔

جب کہا آپ (محمدؐ) کے رب نے آسمان کی مخلوقِ نوری ملائکہ سے میں بنانے والا ہوں ایک بشر خاکی زمین کی جوہری مٹی سے ـــــ اس بیان میں وہ تمام ترکیبیں شامل ہیں۔ جو انسان کی پیدائش میں صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ (ناری ذرہ) سے لیکر حماءٍ مسنون لیس دار کیچڑ سے جسمانی ہیئت میں آنے میں۔ ایک ذرہ سے بن مانس جتنی ہیئت تک۔ اور بن مانس سے انسانی بشری شکل وصورت تک مراحل سے گزر کر بنی۔ اس مقام پر انسان جیتا جاگتا انسان تصور میں آتا ہے۔ اسکے بعد فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ ۔ جب میں اسے سنوارونگا۔ اس سے مراد انسان میں قوی۔ کارآمد حواسِ خمسہ ـــ عقل۔ شعور ۔ قلب بناؤنگا تو اس مقام پر بشری تخلیق مکمل ہو جاتی ہے۔ جس میں روح (ایثری یا حیوانی روح) موجود ہے۔ اسکے بعد وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ میں نوری روح کا تصور پایا جاتا ہے۔ جو ایک اضافی قوت ہے۔ اس تخلیقی ترکیب میں۔ انسان میں بھی تین قوتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک جسم (خاک) دوسری روح (نار) تیسری اضافی روح (نور) مسلمہ پیدائشی وجود ہیں ـــــ خاک میں جسمانی نشوونما ـــ نار سے بھی جسمانی نشوارتقاً ـــ اسکے علاوہ مشاہدہ اور علم حاصل کرنا ـــ ان قوتوں کی حد ناری قوتوں تک ہے۔ اور نور سے خالص نوری عالم کا مشاہدہ ہے ـــــ یہ مشاہدہ ایثری قوت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ لہٰذا۔ خاکی عالم میں خاکی ایثر کے ذریعہ ـــــ ناری عالم میں بھی یہ قوت ہے اسکا مشاہدہ بھی ایثر سے مقرر ہے۔ اسے ناری ایثر کہا جاتا ہے۔ اور نوری روح سے نوری عالم کا مشاہدہ۔ مشاہدہ بغیر ایثر کے ممکن نہیں۔ اسلئے نوری عالم میں بھی ایثر ہی مشاہدہ کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اسے نوری ایثر سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اور جہاں تک نوری عالم کی وسعت ہے۔ یہ وسعت لامحدود نور۔ نورِ الٰہی تک وسیع ہے۔ اسلئے اس عالم کا مشاہدہ نوری روح سے کرنا مقرر ہے۔ اسلئے ایثر نورِ لامحدود تک قائم ہے۔ میں کہتا ہوں۔ ایثر بنیادی نور ہے۔ جو نور میں نوری ایثر۔ نار میں ناری ایثر اور خاک میں خاکی ایثر سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ ایثر کا تصور محققین مغرب نے دیا ـــــ انکا تصور غالباً ہندو فلسفہ وحدت الوجود پر ہی

ہے۔ کہ دراصل اللہ ایک نور ہے جسے ہندو فلسفہ ایشور کے نام سے پکارتا ہے ـــ اسی نور سے نار اور خاک وجود میں آئے ۔ ایشور کائنات کا بنیادی وجود ہے۔ اسلئے ہر وجود ایشر ہی ہے۔ یہی تصور ہندو فلسفہ میں وحدت الوجود کا ہے۔ کہ ہر جگہ ایشور تقسیم ہے اور خود ایشور آسمانوں میں براجمان ہے۔ شاید اسی قدیم ہندو فلسفہ کے تصورِ ایشر پر محققین مغرب نے اس قوت کو ایژ کا نام دیا ہو ـــــ

الغرض جیسا کہ کائنات ۔ نور۔ نار۔ خاک تین قوتوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح انسان بھی ۔ نور۔ نار۔ خاک تین قوتوں سے مرکب ہے۔ اور ان تینوں قوتوں کے اثرات بھی انسان میں نوری اثر۔ ناری اثر۔ خاکی اثر پایا جانا ضروری ہے ـــ خاکی اثر یہ کہ انسان سے ایٹمی قوتوں کا صدور ہو ـــــ ناری اثر یہ کہ انسان ناری قوتوں پر غلبہ حاصل کرے۔ اس سے ناری کمالات کا مظاہرہ ہو۔ جس میں ۔ ہوا میں اڑنا۔ بیماروں کو اچھا کرنا۔ پانی پر چلنا۔ آگ میں کود جانا۔ ستاروں میں اڑ کر جانا وغیرہ ـــــ ایسے واقعات جنہیں کرامات سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح نوری اثر یہ کہ آسمانوں میں جانا ـــــ اور نوری عالم کا مشاہدہ کرنا۔ یہ عمل نوری روح سے عمل میں آتا ہے ـــــ یہی وہ قوتیں اور انکے اثرات ہیں جنکا انسان سے ظہور ہوتا ہے۔ لیکن انسان زمانہ کی تعمیر میں ۔ حادثات سے دوچار رہا۔ اور وہ اپنی قوتوں کو سالم ہیئت میں قائم نہ رکھ سکا۔ لہٰذا انسان سے اپنی ان نوری ۔ ناری قوتوں کا انسانی حیثیت میں مظاہرہ نہ ہوسکا۔ کہ وہ اپنی ان قوتوں کو اپنی اصلی حالت میں قائم نہ رکھ سکا اور مدتوں اس سے ان قوتوں سے مظاہرہ نہ ہوسکا اور انسان اپنی بنیادی خصوصیات وکمالات سے بے خبر ہوگیا اور اب وہ یہ باور کرنے سے عاری ہے ـــ سمجھنے سے عاری ہے کہ آیا انسان سے ایسے کمالات کا اظہار ممکن ہے! انسان کیلئے ان قوتوں کا استعمال اور انکے مظاہرات وکمالات کا پایا جانا ضروری تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کیلئے منتخب نبی ۔ اور رسول پیدا کئے جنہیں کتاب الٰہی دی گئی۔ اس کتاب میں ۔ انسان کیلئے اصلاح روح وجسم کیلئے نسخے بتائے گئے ۔ جنہیں احکام کہا گیا۔ اسکے علاوہ عالمِ نوری کی کیفیات ۔ منازل ومراتب کا تصور دیا گیا۔ کہ روح نوری کے ذریعہ اس عالم کا مشاہدہ و تسخیر حاصل کی جائے ـــــ یہی علم ۔ یہی عمل ۔ اللہ کے منتخب نبی اور رسول انسان کو بتاتے آئے ۔

یہی علم۔یہی عمل آخری نبی محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کے تمام انسانوں کو پہنچانے کیلئے دیا گیا۔جسے قرآن کہا گیا ــــ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔یہ وہ کتاب ہے۔جو ہر زمانہ میں ہر انسان کو اسکے حقیقی مقصد میں راہنمائی حاصل کرنے کیلئے نازل کی گئی۔هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ وہ اللہ ہے جس نے نازل کی آپ پر کتاب اس میں اصلاح انسانی کیلئے۔اسکی روح کی پاکیزگی کیلئے اصلاحی احکام دیئے گئے۔ تاکہ انسان کی روحانی۔جسمانی اصلاح ہو۔اور وہ مشاہدہ کر سکے۔اور ان قوتوں کو تسخیر کر سکے ــــ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ اور اس میں ماورائے ادراک عالم نوری کی کیفیات کا بیان ہوا۔یہ اسلئے کہ انسان کو ایک نوری روح دی گئی۔اس سے وہ اس عالم نوری کا مشاہدہ کر سکے۔اور اسکی تسخیر کر سکے ــــ مگر ــــ اس عالم نوری کا مشاہدہ سوائے رسول کی اطاعت کے ممکن نہیں۔نہ انکا عقلی تصور قائم ہو سکتا ہے۔نہ ان مقامات و کیفیات کی دلیل دی جا سکتی ہے۔اسلئے ایسے مقامات کے مشاہدہ و تسخیر کیلئے قرآن میں تدابیر ہیں۔جو بغیر رسول کے دوسرا کوئی نہیں سمجھا سکتا۔اسلئے ایسے مقامات کو بغیر دلیل تسلیم کرنا۔اور دین محمدیؐ میں داخل ہونا شرط ہے۔رسول کا کام کیا ہے؟

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۔وہ کتاب کے احکاماتِ اصلاحی پڑھکر سناتا ہے۔طریقِ عمل بتاتا ہے۔اور تمہاری روحوں کو پاک کرتا ہے۔کتاب میں عالمِ نوری کے آثار بیان کئے گئے ہیں۔انکا مشاہدہ کراتا ہے۔اور ہر ماورائے ادراک عالم کا مشاہدہ کراتا ہے۔لہٰذا لازم ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ایسی کیفیات کو بلا دلیل تسلیم کرو۔اور رسول کی اطاعت میں دین اسلام میں داخل ہو جاؤ ــــ رسول کے بعد یہ عمل رسول کے جانشینوں سے پورا کیا جاتا ہے۔جنہیں علمائے امت خصوصاً ولی اللہ کہا جاتا ہے ــــ سو ایک طالبِ حق کیلئے لازم ہے۔کہ ولی سے اسکی شخصیت کی ضمانت لے۔کہ تم واقعی ان اسرار سے آگاہ ہو! اور دوسروں کو اسکا مشاہدہ کرا سکتے ہو! یہ ضروری ہے۔ولی اپنی شخصیت کی ضمانت دے۔تاکہ اسکی شخصیت کو تسلیم کرتے ہوئے بلا دلیل دین میں داخل ہو کر ولی کی اطاعت کی جائے۔

اس تمام بیان کا ماحصل یہ ہے۔ کہ قرآن اور اسلام کا مقصدِ نزول واضح ہے ـــ کہ قرآنی تعلیم کا اصل مقصد ـــ انسان کو اُسکے مقصدِ حقیقی ـــ پیدائشی مقصد ـــ کا اصل تصور دینا کہ سوائے اسکے نہیں۔ کہ اِنِّیْ جَاعِل" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط ـــ کہ انسان کو تین قوتوں۔ خاک۔ نار۔ نور سے بنایا گیا ـــ اسکے مرکب میں ایک نور شامل کیا گیا۔ یہ نور اس میں باقی مخلوقِ ملکوتی (ملائکہ) اور مخلوق ناری (جن) اور مخلوق خاکی (جمادات۔ نباتات۔ حیوانات) کے مقابلہ میں یہ خصوصیت پیدا کرتا ہے۔ کہ اس نوری روح کے ذریعہ وہ مقاماتِ نوری۔ آثار و اسرارِ نوری۔ تا ذاتِ لامحدود نور تک رسائی و علم۔ حاصل کرے۔ یہی اسکی زندگی کا واحد نصب العین ہے۔ اور اس نصب العین کا اعلان قرآن ہی کرتا ہے ـــ جو نظریہ اٹل ـــ اور ہر انسان کیلئے۔ قابلِ عمل۔ اور واجب التسلیم ہے ـــ بغیر اس قبول کے انسانی زندگی بہر صورت بے مقصد اور ضائع ہوگی ـــ جسکا نتیجہ۔؟ ـــ کوئی قبول کرے ـــ یا نہ کرے۔ اٹل ہے۔ کہ موت کے بعد ایک نیا عالم ظاہر ہوگا ـــ اس عالم میں۔ انسان کیلئے وہی عمل باعثِ راحت و عذاب ہوگا۔ جو اس نے دنیوی زندگی میں۔ خیر و شر کی صورت میں کیا اسے یَوْمُ الْجَزَا۔ حشر کہا گیا۔ یہ ایک اٹل تصور ہے جسکا پیش آنا یقینی ہے ـــ بلاشبہ انسان اپنے کردار و عمل ـــ اپنے مقصد کے تعین میں صاحبِ اختیار ہے۔ جو راہ اپنے لئے پسند کرے کرسکتا ہے ـــ لیکن انسان کلیتًا صاحبِ اختیار نہیں۔ بلکہ ایک قوی و غالب طاقت (اللّٰہ) کی متعین کردہ تقدیر کا پابند ہے ـــ وہ خالق ہے ـــ اور انسان مخلوق۔ وہ حاکم ـــ اور انسان محکوم ـــ انسان اپنی حیات و موت پر اختیار نہیں رکھتا ـــ نہ خود پیدا ہوسکتا ہے ـــ نہ خود موت وارد کرسکتا ہے ـــ نہ خود ہوا بنا سکتا ہے۔ نہ اس پر قدرت رکھتا ہے۔ کہ بغیر ہوا۔ زندہ رہ سکے ـــ انسان ہوا کے بغیر پانی میں رہنے سے مجبور ہے ـــ اور جب اس پر موت وارد ہوتی ہے۔ جسمانی حالت میں تندرست اور غالب ہونے کے باوجود وہ ایک حاکمِ اعلیٰ کے حکم کے آگے بے بس ہے۔ اس پر موت آجاتی ہے ـــ انسان دیکھ سکتا ہے ـــ سن سکتا ہے۔ سمجھ سکتا ہے۔ ارادہ رکھتا ہے۔ اسکے باوجود اگر وہ اپنے اختیار میں بے بس ہے ـــ تو ظاہر ہے۔ ان قوتوں کے مقابلہ میں کوئی قوی طاقت ہے جو

اسکی ان قوتوں پر غالب ہے ـــــ تو یہ تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ کہ وہ قوی طاقت بھی۔ قوتِ سمع۔قوتِ بصر۔فہم وارادہ کی حامل ہے۔ جو اپنے اختیار سے انسان کو محکوم و بے بس کر دیتی ہے ـــــ جس نے انسان کو ایک خاص مقصد کیلئے بنایا۔ اسکے لئے راہِ عمل بھی متعین کر دیا ـــــ تو پھر انسان اسکے ارادے کے مقابل اپنا ارادہ استعمال کر کے فطرت کے قانون کے خلاف عمل کرے۔ تو اسکا ایک نتیجہ ضرور متعین ہے ـــــ وہ ہے۔ موت کے بعد انسان کی روحانی زندگی ـــــ اس زندگی کی ابتدا موت کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے اسے ''قبر'' یا برزخ کے تصور میں قرآن اور صاحبِ قرآن صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔ سو یہ امر واقع ہے ـــــ اٹل ہے ـــــ اس زمانہ کا یقین بہر حال لازم ہے ـــــ وہ زمانہ کا قوی و غالب شہنشاہ ہو ـــــ یا عظیم محقق ہو ـــــ یا مدبّر لیڈر سیاست دان ہو۔ یا جابر جرنیل ہو۔ یا عظیم سرمایہ دار ہو۔ اپنی موت پر بے بس۔ کسی غالب طاقت میں اسکی جان آجائیگی۔ پھر یہ اٹل واقع ہے۔ کہ اسکے عملِ خیر کے مطابق اسے راحت و عذاب ہوگا۔ یہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کہ اس غالب طاقت اللہ نے انسان پر اپنا حکم جاری کیا ہے۔ اسکی تعمیل ضروری ہے۔ عدم تعمیل میں اُسے یقیناً عذاب ـــــ شدید عذاب ـــــ دردناک عذاب سے دوچار ہونا اٹل ہے ـــــ قطع نظر اسکے کہ دنیا پر وہ مادی حیثیت میں عظیم مقام رکھتا ہو۔ اگر اللہ کے متعین کردہ عمل پر اسکا عمل نہیں۔ وہ ایک ناقص و ذلیل انسان تصور ہوگا۔ اس نے عذاب سے ضرور دوچار ہونا ہے ـــــ یہ ہے انسانی زندگی کے مقصد کا حقیقی تصور ـــــ اسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے۔ انبیاً و رسولوں کے ذریعہ ایک ضابطۂ ہدایت پیش کیا گیا۔ جس میں آخری ضابطۂ ہدایت قرآن ہے۔ اور اس قرآن کو بحیثیت استاد ـــــ راہنما ـــــ پیش کرنے والی ہستی حضور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے ـــــ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ آپکی امت کے علماً قائم مقام محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ علمائے امت نے۔ اسی انداز سے ـــــ جیسا کہ گزشتہ بیان کیا گیا۔ پیش کرنا ہے۔ جس میں ایک عالم امت کیلئے ـــــ ناری اور نوری خصوصیات کا حامل ہونا ـــــ اور ذاتی کردار و عمل سے ''شخصیت'' کی ضمانت دیکر قرآن اور اسکے علم کی حق ہونے کی ضمانت دینا ضروری ہے ـــــ اسی علم و

عمل کو قرآنی اصطلاح میں شریعت وطریقت سے تعبیر دیا گیا۔ جو قرآن کی اصل ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ شریعت وطریقت کوئی شوقیہ مشغلہ نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے۔ جس میں انسانی مقصدِ زندگی کا ایک اہم نصب العین واضح ہے جس میں عام انسانوں تک اس علم کو پہنچانے کیلئے سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق ایک عالمِ امت کیلئے صرف ــــ اور صرف اپنی شخصیت (امین وصادق) اور اپنا کردار پیش کر کے ہر مکتبِ فکر کیلئے۔ خواہ وہ کسی دین۔ کسی نظریہ و عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو۔ دلیل وثبوت فراہم کرنا ہے۔ جس کیلئے قرآن نے ترتیب فہم دیا کہ مادی حقائق کیلئے۔ حواس وعقل استعمال کیا جائے۔ ناری حقائق کے سمجھنے کیلئے روح حیوانی کی قوت سے تحقیق کی جائے ــــ مگر قرآن کے متشابہات علم کیلئے۔ نہ مادی ذریعہ سے۔ نہ عقلی ذریعہ سے دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔ نہ اس طرح کے دلائل دینا جائز ہے سوائے اسکے کہ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ بلا دلیل ایک عالم کی شخصیت کو ضمانت لیکر تسلیم کرنا اور وہ بھی اس شخص کیلئے۔ جو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ خوفِ قیامت کے جذبہ کے ساتھ حصولِ حق میں مخلص ہو کر اسلام کی طرف آئے ــــ بغیر اس اصول کے کوئی بھی شخص نہ اسلام کو تسلیم کر سکتا۔ نہ راہ پا سکتا ہے ــــ بغیر اس جذبہ کے ہر انسان کا حصولِ علم میں غیر اصولی طریق کار آمد نہیں۔ نہ اسکی ہدایت کیلئے۔ اللہ۔ رسول۔ ولی ذمہ دار ہے۔ نہ ایسے انسان کیلئے کوئی دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔ البتہ قرآن کے بتائے ہوئے۔ ترتیب فہم کے مطابق ــــ قرآنی حقائق ــــ عقائد ونظریات کو مادی حیثیت میں پیش کئے گئے آثار کو۔ مادی قوت کے ذریعہ سمجھنا ــــ اور ناری تصور میں پیش کئے گئے آثار کو۔ ناری قوت سے سمجھنا ــــ لیکن نوری تصور میں شریعت اسلامی ــــ قرآن میں پیش کئے گئے آثار کیلئے ــــ مادی دلائل نہ پیش کرنا ضروری ہے۔ نہ اس طرح بغیر دین میں داخل ہوئے ــ یہ کیفیتیں سمجھی جاسکتی ہیں ــــ سوائے اسکے کہ شریعت اسلامی کے متعین کردہ عالم امت ولی کی طرف رجوع کر کے اسکے علم وراہنمائی سے استفادہ حاصل کیا جائے ــــ

❁❁❁

موت وحیات

حیات وموت کا اصل تصور کیا ہے ــ؟ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (پارہ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۲) بنایا موت اور حیات کو تا کہ آزمائے تم کو کہ کون اچھا عمل کرتا ہے ــــ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ موت اور حیات مخلوق ہے۔ مخلوق مستقل نہیں۔ بلکہ فانی ہے۔ یعنی ایک ہیئت سے بدل کر دوسری ہیئت میں آنے والی کیفیت ــــ موت اور حیات میں بھی بحیثیت خَلَقَ (مخلوق) ابتداً اور انجام ــــ عدم۔ غیر عدم ــــ موجود و غیر موجود کیفیت پائی جاتی ہے ــــ جیسے باقی مخلوق پر یہ اثر موجود ہے کہ ایک مخلوق کے ظہور سے قبل ایک شے معدوم اور غیر موجود ہوتی ہے ــــ اور غیر موجود سے ظہور میں آتی ہے ــــ ظہور کے بعد اسکا ایک انجام ہوتا ہے۔ انجام پر پھر عدم و غیر موجود ہو جاتی ہے۔ یہی عدم و غیر عدم۔ موجود و غیر موجود کیفیت موت اور حیات سے تعبیر ہے ــــ ایک کیفیت کا جب ظہور ہوا تو وہ حیات ہے۔ اور جب اسکا انجام ہوا تو یہ وجود پھر معدوم و غیر موجود ہو جاتا ہے ــــ اسے موت سے تعبیر دیا جاتا ہے ــــ تو ثابت ہوا۔ کہ عدم اور ظہور کیفیت ہی کو موت اور حیات کہا جاتا ہے ــــ موت اور حیات کی ابتداً کب اور کیسے ہوتی ہے ــــ؟

موت اگر عدم اور غیر موجودگی کے تصور میں لی جائے۔ تو ایک شے کے ظہور سے قبل بھی ــــ وہ شے عدم اور غیر موجود ہے ــــ اسلئے ایک شے کے ظہور سے قبل بھی موت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اور ظہور سے بعد بھی ایک شے عدم اور غیر موجود ہو جاتی ہے۔ اسلئے بعد میں بھی موت کی کیفیت پائی جاتی ہے ــــ اور درمیانی دور ایک کیفیت کے ظہور کا حیات کہلاتا ہے ــــ یعنی موت ہر زمانہ میں موجود ہے ــــ اور حیات کی کیفیت صرف ظہور کے زمانے میں جب ایک شے موجود رہتی ہے

پائی جاتی ہے ـــــ اب دیکھنا ہے۔ کہ موت اور حیات کی ترکیب کیا ہے ـــ؟

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اور بنایا پانی سے ہر شے کو زندہ ـــ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پانی ہی حیات کا سبب ہے ـــــ مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ کی ترکیب کیا ہے ـــ؟ پانی سے ایک شے کیسے زندہ ہو جاتی ہے (يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ـــــ اور نکالتا ہے زندہ (حیات) کیفیت سے مردہ (موت) کیفیت ـــــ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور نکالتا ہے مردہ کیفیت سے زندہ کیفیت)۔ کسی شے کی حیات سے مراد اس وجود کا ظہور اور بقاء (باقی رہنا ہے)۔ اور موت اسکی فنا اور غیر موجود و غیر محسوس ہونا ہے یا ہیئت تبدیل کرنا ـــ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ہر شے مخلوق مٹ جانے والی ـــ ہیئت تبدیل کرنے والی ـــــ اور غیر موجود و غیر محسوس ہونے والی ہے ـــ فَانٍ میں موت کا تصور پایا جاتا ہے ـــــ کائناتِ ارضی کی ہر شے عدم سے وجود میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور اپنے انجام پر ظاہر سے پھر عدم اور غیر موجود ہو جاتی ہے۔ یہی اسکی حیات اور موت ہے۔ جب کسی شے کا ظہور نہ ہو تو وہ موت کے زمرہ میں آجاتی ہے۔ جیسے زندگی کے بعد موت واقع ہونے پر ایک شے عدم اور غیر موجود ہو جاتی ہے ـــــ دیکھنا یہ ہے۔ کہ کسی شے کے ظہور سے قبل کیا اسکا وجود بغیر کسی سبب کے موجود ہوتا ہے یا۔ ظہور سے قبل اسکا ایک معدوم اور غیر محسوس وجود ہوتا ہے۔ تو اسکے لئے اشیاً کی تخلیق (ابتدائی پیدائش) کی تحقیق کرنی ہے ـــــ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط۔

اسی آیت قرآنی سے حیات و موت کی ابتداً ـــــ ترکیب ـــ موت و حیات کی کیفیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ اشیائے کائناتِ زمین (الارض) کی تمام اشیاً زمین سے نکلی ہیں۔ اور زمین پر ہر وقت یہ ترکیبیں ہماری نظروں میں آتی ہیں۔ کہ ہر شے زمین سے نکلتی ہے ـــــ قرآن نے اس اخراج (نکلنے) کو پانی کا ذریعہ بتایا ـــــ یعنی جب زمین مثل اور سیاروں کے موجود ہوئی تو اس پر ابھی اشیائے زمینی کا وجود ظاہر نہیں ہوا ـــــ تو اس وقت پانی کا وجود موجود ہوا ـــــ اسی پانی سے ہر شے ظہور پذیر ہوئی۔ یعنی زندہ ہوئی ـــــ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ ـــــ ہر شے غیر موجود تھی تو ہر شے کو پانی کے ذریعہ حَيٍّ زمین سے ظاہر کیا ـــــ تو اسکی فطری ترکیبِ پیدائش یہ ہے ـــ کہ زمین

کے ذراتِ ناری پانی کے ذریعہ ٹھوس جسمانی ہیئت میں منتقل ہو گئے ـــــ یا زمین کے ذراتِ ناری نے پانی کے ذریعہ ٹھوس شکل اختیار کی ـــ اور ہر شے ایک ظاہر وجود میں محسوس ہونے لگی وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کا یہی مطلب ـــــ یہی ترکیب ہے ـــــ یعنی زمین ایک زمانہ میں ناری وجود کی حامل تھی ـــ پھر ایک زمانہ میں اس پر پانی کے آثار نمودار ہوئے۔ اور اسی پانی سے زمین کی ناری ہیئت خاکی ہیئت میں تبدیل ہوگئی (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ میں اسی ہیئت کا تصور پایا جاتا ہے) اسی ناری زمین کے ناری ذرات بجائے خود ایک مجسم زندگی ہیں اور یہی ذرات ناری اشیائے کائنات کے وجودوں کا بنیادی وجود ہے۔ جو اشیائے زمینی (ٹھوس مادی ہیئتوں) کی خاکی شکل میں تبدیل ہو کر ظاہر ہو گئے ـــــ اسی کیفیت کو حی سے تعبیر دیا گیا ـــــ یعنی ایک وجود قبل از ظہور موجود ہے۔ لیکن معدوم و غیر محسوس ہیئت میں ـــ پانی نے اسے حـــــی موجود و محسوس کر دیا ـــــ ایسا نہیں کہ ایک وجود اپنے ظہور سے قبل قطعاً موجود نہ تھا یا بے جان تھا ـــــ نہیں ـــــ بلکہ خاکی ہیئت میں ظہور سے قبل ناری ہیئت میں موجود تھا ـــــ اور ناری وجود نے خاکی ہیئت میں تبدیل ہو کر خاکی ہیئت میں ظہور کیا ـــــ اسی کیفیت کو حیات کہا جاتا ہے۔ زندہ ہونا ـــــ عدم سے ظہور میں آنا ـــــ اسکے بعد جب تک یہ خاکی وجود ـــــ موجود و باقی ہے۔ حـــــی کہلاتا ہے ـــــ حالانکہ یہ خاکی وجود۔ بجائے خود کوئی نیا وجود نہیں۔ بلکہ خاکی ہیئت سے قبل ناری ہیئت میں غیر محسوس۔ موجود تھا ـــــ خاکی ہیئت سے قبل ناری ہیئت لطیف اور غیر محسوس تھی۔ خاکی ہیئت پانے سے۔ ہر شے ایک ٹھوس وجود میں محسوس ہوئی۔ حَـــــيٍّ ـــــ کے تصور میں۔ ایک شے کا متحرک ہونا (حرکت کرنا) بھی ضروری ہے ـــ اِس کیفیت کو زندہ ہونا تصور کیا جاتا ہے ـــــ یہ اسلئے کہ ایک غیر محسوس شے جب حیات میں داخل ہوتی ہے۔ تو وہ ایک ذرۃ سے اپنے وجود کی ابتدا کر کے وسعت حاصل کرتا ہے ـــــ وسعت حاصل کرنے میں اسے ارتقائی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جیسے چھوٹے سے بڑا ہونا ـــ یہ چیز قانونِ فطرت میں شامل ہے۔ کہ ہر شے اپنی نشو و نما سے اپنی جسمانی ہیئت کو ارتقاء و عروج کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک خاکی وجود۔ ابتداءً ایک ناری ذرہ ہوتا ہے۔ پانی

کے ذریعہ ـــــ پانی سے غذا حاصل کر کے یہ ذرہ خاکی ہیئت میں تبدیل ہو کر ذرہ سے بڑھکر عظیم الجثہ وجود بن جاتا ہے ـــــ اس ارتقاء کیلئے اس میں حیات زندگی کی صورت میں پائی جاتی ہے۔اس مقام پر حیات ـــــ زندگی کے تصور میں پائی جاتی ہے۔اس مقام پر حیات کی کیفیت ایک خاکی وجود کی ایک جاندار۔متحرک وجود کی محسوس ہوتی ہے۔جیسے ایک جاندار وجود۔اسے متحرک ہونے کی وجہ سے حیوان کہا جاتا ہے۔حیوان کا تصور بھی حیات سے نکلا ہے ـــ حیوان کی جسمانی کیفیت میں ـــ ایک خاکی ٹھوس مادی اور محسوس جسم پایا جاتا ہے۔اس حیوان کی حیات۔جسم کی نشوو ارتقاء سے ظاہر ہوتی ہے۔جسم کی نشوو ارتقاء۔اسکی جسمانی ساخت سے ظاہر ہوتی ہے ـــــ جسم زمین کی مٹی کے اجزأ سے بنا ہوا گوشت پوست کا وجود ـــــ اس وجود کی حیات (زندگی) ـــــ خون ـــ خون کا جوہر۔مادۂ منویہ ـــــ مادۂ منویہ کا جوہر۔روح ہے ـــــ اس مقام پر حیات کے تصور میں۔جسم خاکی میں دوران خون سے مادۂ منویہ ـــــ مادۂ منویہ سے روح (مادۂ منویہ کا لطیف جوہر) کا پایا جانا ہے ـــــ یہ کیفیت ایک وجود کی نشوو ارتقاء اور حرکت و عمل سے ظاہر ہوتی ہے ـــ اور حیات کی ابتدأ میں ایک ناری لطیف وجود (ذرہ) جب ٹھوس مادی جسم کی طرف انتقال کرتا ہے۔تو پانی سے یہ ذرہ۔ایک ٹھوس جسم میں ـــــ گوشت۔ہڈیاں۔اعصاب (شریانیں۔رگیں) اعضٰئے رئیسہ۔جگر۔گردہ۔دل۔پھیپھڑے۔آنتیں۔دماغ۔آنکھیں۔کان۔ناک۔زبان وغیرہ کی شکل میں آجاتا ہے۔اور اس ذرہ کی ناری قوت (جوہر) خون کی شکل اختیار کر کے تمام جسم کی بقا کو قائم کرتا ہے ـــــ اس طرح ایک ناری ذرہ حیوان کی شکل میں انتقال کر کے ایک ٹھوس جسم کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔اور اسکی حیات۔نظامِ جسمانی کی بقا کیلئے دورانِ خون ـــ خون سے مادۂ منویہ ـــــ مادۂ منویہ سے جسم کی ساخت کو ذرہ سے عظیم جثہ کی ہیئت میں بڑھانا ـــــ اور اس وجود کی حرکت کو قائم رکھنا ہے۔یہ تمام کیفیتیں حیات سے تعبیر ہیں ـــــ

گزشتہ تخلیق انسانی میں ایک وجود کی تخلیق کے متعلق قرآنی دلائل سے انسانی وجود کی تمام ترکیب بیان کی گئی ہے۔کہ انسان کا وجود ـــ اسکی ابتدأ ـــ ایک ناری وجود سے ہوتی ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ بنایا انسان کو (کمہار کے آوے سے نکلی ہوئی) ٹھیکری جیسی مٹی سے۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ اور بنایا جنوں کو آگ کو لوؤں سے۔ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۴، ۱۵)

درحقیقت مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ میں نار کا ابتدائی مادہ ہے۔ جو زمین کی ابتدائی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جبکہ زمین ناری سورج سے نکلی ہوئی ناری سیارہ تھی۔ یہی ناری ہیئت ایثری جوہر ہے۔ جو انسان کے وجود میں بھی موجود ہے۔ یہی کیفیت دراصل انسان کی روح حیوانی سے تعبیر ہے ــــ اسی ناری ہیئت کا ایک ذرہ انسانی جسم کا بنیادی وجود ہے۔ جو حماءٍ مسنون میں پرورش پا کر انسانی (بشری) ہیئت اختیار کرتا ہے ــــ اسی ترتیب پر نسل انسانی کی پیدائش واقع ہے۔ کہ مرد کے مادۂ منویہ میں بھی ایک لطیف ذرہ (جو بمثل ناری یا ایثری ذرہ کے ہے) عورت کے رحم میں خون سے پرورش پا کر انسانی (بشری) ہیئت اختیار کرتا ہے۔ عورت کے رحم میں خون بھی بمنزلہ حماءٍ مسنون ہے۔ اس خون میں وہی جوہر پایا جاتا ہے جو حماءٍ مسنون میں پایا جاتا ہے۔

یہی ذرہ لطیف ہے۔ جو دراصل انسان کا بنیادی وجود ہے۔ جو انسانی بشری وجود سے قبل بھی مجسم زندگی کے ساتھ موجود ہوتا ہے ــــ لیکن غیر محسوس ــــ اور خون ــــ یا حماءٍ مسنون میں پرورش پا کر متحرک و محسوس ہوتا ہے۔ یہی کیفیت حیات و موت سے تعبیر ہے۔ کہ ایک وجود بذاتِ خود۔ زندہ وجود ہے۔ مگر غیر محسوس۔ اس حالت میں اس پر ''حیات'' کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جب تک کہ یہ وجود ــــ حماءٍ مسنون ــــ یا خون سے مادہ حاصل کر کے ایک ٹھوس وجود کی ہیئت میں محسوس و متحرک نہ ہو۔ اور ایک وقت معین گزرنے کے بعد یہ جسم دو کیفیتوں میں الگ الگ ہو کر معدوم ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت میں۔ روح انسانی جسم سے علیٰحدہ ہو کر غیر محسوس ہو جاتی ہے۔ مگر اسکا وجود پہلے کی طرح باقی رہتا ہے۔ اور حماءٍ مسنون۔ یا خون سے ساختہ جسم زمین کے ذرات میں جذب ہو کر اپنی اصل میں چلا جاتا ہے ــــ اور باقی روح جیسے کہ پہلے زندہ ہیئت تھی۔ اپنی اصل کی طرف رجوع

کر کے پہلے کی طرح باقی رہتی ہے۔ایسی صورت میں۔حیات وموت سے مرادصرف ایک غیر محسوس وجود کاٹھوس ہیئت میں محسوس ہونا حیات سے تعبیر ہے۔اوراس وجود کا غیر محسوس ہونا موت سے تعبیر ہے۔حالانکہ اس صورت میں بھی ایک وجود اپنی ابتدائی حالت میں آ کر زندہ وجود باقی رہتا ہے۔

موت پر روح حیوانی کا مقام برزخ میں ہوجاتا ہے۔بـــرزخ سے مرادد وکیفیتوں کے درمیان ایک مقام جو پردے کی حیثیت میں واقع ہے۔ایک دوسرے کے قریب ہیں۔لیکن آپس میں باوجود اتصال کے ایک دوسرے میں مدغم (یا ملے) نہیں ہوتے جیسے قرآنی بیان میں ایک کیفیت کا ذکر ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخ "لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۵ آیت ۱۹، ۲۰) بنائے دو دریا آپس میں بغلگیر (متصل) انکے بیچ میں ایک پردہ ہے۔کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وجود میں مدغم نہیں ہوتے۔اس حالت میں کہ یہ دو وجود مل کر ایک ہوجائیں ـــــ

یہ کیفیت سمندر کے پانی کی ہے۔کہ سمندروں میں سفر کرنے والے مسافر اس کیفیت کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔اسی لئے انکے مشاہدہ کے عین مطابق کیفیت کا ذکر ہوا۔کہ بعض مقامات پر دورنگوں کے پانی سرخ وزرد یا سبز ساتھ ساتھ چلتے ہیں لیکن ایک رنگ کا پانی دوسرے رنگ میں ملتا نہیں ۔بلکہ اپنی اپنی سمت برابر جاری رہتے ہیں۔جب کہ فطری قانون کے تحت پانی پانی سے جدا نہیں رہ سکتا بلکہ آپس میں مل جاتے ہیں۔جیسے ایک نالے کا پانی دوسرے نالے میں مدغم ہوکر دریا کی شکل اختیار کرتا ہے۔یا دودھ اور پانی دو اجزأ آپس میں مل جاتے ہیں۔ایسا نہیں ہوتا کہ پانی الگ رہے اور دودھ الگ ـــــ یہ دونوں پانی آپس میں يَلْتَقِيَانِ بغلگیر ہوکر چلتے ہیں انکے درمیان ایک پردہ ہے۔جو انہیں الگ رکھتا ہے ـــــ دراصل ان دو پانیوں میں بعض کیمیاوی اجزأ ایسے پائے جاتے ہیں۔جن سے یہ پانی مرکب ہیں۔جو آپس میں ملتے نہیں۔یہی اجزأ برزخ بنتے ہیں ـــــ اسی طرح دُنیَا و عُقبٰے دو کیفیتیں ہیں۔جو پانی کی طرح بغلگیر ہیں ـــــ آپس میں متصل ہیں۔مگر انکی اپنی کیفیت ایک دوسرے میں مدغم ہونے میں مانع ہے ـــــ وہ ہے مادی ماحول (دنیا) اور نوری یا غیر مادی ماحول ـــــ کائنات میں تین ہی کیفیتیں پائی جاتی ہیں ـــــ نور (ازلی وجود) نار (درمیانی وجود) خاک یا

مادہ (تیسرا وجود) ـــــ ماحول ایک ہی ہے۔مگر اسکی تین قسموں میں ۔نور۔نار۔خاک کی ہیئت و خاصیت الگ الگ ہیں۔جو خاصیتیں انہیں ایک دوسرے میں مدغم ہونے میں مانع ہیں ـــــ

خاکی ہیئت ۔خاکی ماحول ایسا ہے۔ جو محسوس ہوتا ہے۔اس میں غیر محسوس ہونے کی خاصیت نہیں۔اسلئے غیر محسوس میں مدغم نہیں ہوسکتی ـــــ اسلئے نور میں ضم نہ ہونے میں اسکا اپنا وجود برزخ بن جاتا ہے ـــــ نور قوی قوت ہے۔یہ مادہ کو تحلیل کر کے اپنے وجود میں جذب کرسکتا ہے۔مگر فطری تخلیق کے مطابق مادہ اس وقت تک نور میں سما نہیں سکتا جب تک کہ اسکی مادی ہیئت مٹ کر تحلیل نہ ہو ـــــ یہی کیفیت بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ کا سبب بن جاتی ہے۔موت اُخروی کے وقت ۔انسانی جسم کا اعادہ مٹی میں ہوتا ہے اور روحِ حیوانی چونکہ ناری خاصیت رکھتی ہے۔یہ نور و خاک کے درمیانی وجود نار میں مقام پاتی ہے ـــــ نار ہی درمیانی مقام اسکا برزخ بن جاتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو ایک نظام کے تحت بنا کر اسکی ازل اور اسکے ابد کیلئے وقت مقرر کیا ہے۔اسلئے وعدہ کے وقت تک روح حیوانی کا مقام برزخِ ناری میں رہیگا ـــــ اسکے ساتھ ہی چونکہ انسان کیلئے ایک عمل تزکیہ مجاہدہ۔تسبیح وحمد و تصور قائم کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے انسان اپنے عمل تزکیہ مجاہدہ سے اپنی روح کو پاکیزہ بنا کر نور سے متصل بھی کرتا ہے۔اسلئے یہ امر انسانی عمل پر منحصر ہے۔کہ اگر انسان نے قوی تزکیہ مجاہدہ سے کام لیا تو اسکی روح حیوانی نور سے متصل (قریب) ہو کر نیم نورانی ہو جاتی ہے۔تو ناری ماحول میں اسکا مقام نور سے قریب ہو جاتا ہے۔کیونکہ نور ـــــ نار ـــــ خاک ایک ہی ماحول کی تین کیفیتیں ہیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔مثلاً جب نور کی آخری ہیئت (آسمان اول) میں مزید نوری ہیئت میں تقسیم ہونے کی قوت باقی نہیں رہتی تو یہ نور ناری ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔اس حیثیت میں نور نار سے علیٰحدہ نہیں ہو جاتا بلکہ نور کی ہیئت فاصلہ کے ساتھ ساتھ ناری ہیئت میں محسوس ہونے لگ جاتی ہے۔جیسے ایک انتہائی بلندی پر فضا سرد ہوتی ـــــ اور انتہائی پستی اور خط استوا میں فضا میں شدید تپش ہو جاتی ہے۔تو سردی اور گرمی میں کسی مقام پر ایسی کوئی حد نہیں ہوتی جہاں پر سردی کی حد ختم ہو کر گرمی کی حد شروع ہو جاتی ہو بلکہ فاصلہ میں سرد فضا گرمی کی

طرف رفتہ رفتہ گرم فضا میں تبدیل ہو جاتی ہے ـــــ اسی طرح نور اور نار کے درمیان خاصیت میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت نار اور خاک کی ہے ـــــ اسی طرح اگر انسان نے تزکیہ۔ مجاہدہ ـــــ تسبیح وحمد وتصور کو قائم نہ رکھا تو روح حیوانی ناری ہیئت سے تنزل کی طرف آکر اپنی ناری ہیئت وخاصیت سے پستی کی طرف آجاتی ہے۔ یہی دو مقام۔ تزکیہ مجاہدہ کی صورت میں نوری فضا سے قربت مقام عِلِّیِّیْنَ کہلاتا ہے ـــ یہ بھی برزخ میں واقع ہے اور پستی کی صورت میں روح حیوانی کمزور ہو کر نار سے بھی پست مقام پر آجاتی ہے۔ یہ مقام جتنا نور اور نار سے دور و پست ہوا تنا ہی نوری کیفیت کم ـــ اندھیری فضا ہو جاتی ہے ـــــ اسے ظلمات یا سِجِّیْنَ کہا جاتا ہے۔ زندگی میں بھی بوجہ صحیح عمل نہ ہونے کے روح پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان میں مشاہدہ کی قوت باقی نہیں رہتی اسلئے اسے اپنی روح حیوانی کا مقام نظر نہیں آتا ـــ موت وارد ہونے کے ساتھ ہی۔ چونکہ روح اسی مقام پر ہوتی ہے۔ انسان اپنے برزخ سجین کو دیکھ لیتا ہے یعنی روح حیوانی اپنے مقام کو محسوس کرتی ہے۔ اور ایسے شخص کی جس نے زندگی میں تزکیہ وتسبیح سے اپنی روحِ حیوانی کو نور سے متصل کیا۔ تو وہی اسکی روح حیوانی کا مقام (زندگی میں ہی) ہو جاتا ہے۔ چونکہ انسان میں تزکیہ مجاہدہ پایا جاتا ہے۔ تزکیہ سے اسے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ ایسا شخص زندگی میں اپنی روح حیوانی کا مقام دیکھ لیتا ہے اور فطری طور جب اس پر موت وارد ہو جاتی ہے ـــــ تو یہ اپنے برزخ علیین میں قائم رہتا ہے ـــــ تاوقتیکہ وعدے کے مطابق یہ خاکی ـــــ ناری۔ نوری فضا ارادۂ الٰہی کے تحت مٹ جائیں اور آپس میں مل کر ایک عظیم نوری فضا پیدا کرلیں ـــــ یہی نوری فضا حشر کہلاتی ہے ـــــ جو ایک انتہائی وسیع کیفیت نوری میں محسوس ہوگی ـــــ خاکی ـــ ناری وجود کی ظاہری شکل مٹ جائیگی۔ لیکن جسطرح انسانی جسم کی ہیئتِ وجودی مٹ کر جسم زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور روح برزخ میں قائم رہتی ہے۔ جسم زمین کے ذرات کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ مگر ذرات میں اسکا وجود باقی رہتا ہے۔ اسی طرح فضائے حشر میں بھی اسکا وجود (روح حیوانی) باقی رہیگا اور یہی روحیں اس حشر کی نوری فضا میں جمع ہونگی۔ اسی کیفیت کے اعتبار سے اس فضا (مقام) کو حشر سے موسوم کیا جاتا ہے کہ وعدے کے دن اپنے عملوں

کے مطابق ہر انسان کی روح حیوانی اسی ہیئت میں پائی جائینگی۔ جو ہیئت انہوں نے اپنے عمل سے حاصل کی ہوگی ـــــ ہاں یہ ارادۂ الٰہی ـــــ اور وعدہ الٰہی ہے کہ انسانی روح حیوانی بحیثیت جسم برزخ میں موجود رہینگی ـــــ اور برزخ ہر انسان کا اسکے جسم اور قبر سے وابستہ رہتا ہے۔ جب کسی روح حیوانی کی ہیئت کو مشاہدہ کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ تو اسکے لئے اسکے جسم (قبر) کا تصور کیا جاتا ہے۔ تو ایسے مشاہدہ میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ وجود قبر میں ہی دکھائی دیتا ہے۔ دراصل یہ وجود قبر کے تنگ گڑھے میں نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ناری برزخ میں ہوتا ہے۔ جسکی وسعت خاک سے نور تک پائی جاتی ہے ـــــ اور انسان ایسے محسوس کرتا ہے۔ کہ یہ وجود قبر میں ہی بیٹھا ہوا ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا۔ کہ ہر انسان کی روح حیوانی کی کیفیت اسکے عمل۔ تزکیہ۔ مجاہدہ پر منحصر ہوتی ہے۔ جیسا عمل انسان نے کیا۔ ویسی ہی روح حیوانی میں قوت و مقام حاصل ہوتا ہے۔ انسان زندگی میں ارادہ و عمل کا مالک ہوتا ہے۔ انسانی حرکت و عمل۔ دیکھنا ـــــ سننا۔ کلام کرنا ـــــ سمجھنا ـــــ قوت۔ کمزوری۔ انسانی روح حیوانی سے تعلق رکھتی ہے۔ موت کے وقت جسم سے روح حیوانی الگ ہو جاتی ہے۔ تو اسکے اعضٰے بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں۔ اسکی آنکھوں کے ذریعہ دیکھنا ـــــ کانوں کے ذریعہ سننا ـــــ دماغ کے ذریعہ سمجھنا۔ وجود کے ذریعہ عمل ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسانی جسم محض آلہ ہے۔ اور عمل کرنے والی قوت صرف روح حیوانی ہے اور جب خود روحِ حیوانی ہی ہر حرکت و عمل کی مالک ہے۔ تو موت کے بعد روح حیوانی کی یہ صفات نوری اعتبار سے باقی رہ جاتے ہیں۔ اسلئے موت کے بعد روح حیوانی کا دیکھنا۔ سننا ـــ سمجھنا ـــ ارادہ قائم رہتا ہے ـــــ اسی طرح جسطرح غیر جسمانی حالت میں ـــــ جنات اور ملائکہ میں علم و عمل کی صفات پائی جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر انسان کسی شخص کی روح حیوانی کو مشاہدہ میں اسکے مقام پر دیکھکر اس سے کلام کرے۔ تو وہ روحِ حیوانی اسی طرح۔ کلام۔ بصر۔ سمع۔ فہم و ارادہ پر قادر ہوگی جسطرح جسم میں ہوتی تھی کیونکہ روحِ حیوانی۔ مثل جنات و ملائکہ کے علم و عمل کی قوت رکھتی ہے ـــــ اور اسکی ہیئت اُسی انسان کی ہیئت میں مشابہ ہوتی ہے۔ تو مشاہدہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے اسی

انسان سے کلام کی جاتی ہے۔جس انسان کی یہ روح تھی ـــــ اور انسانی عمل ۔تزکیہ۔مجاہدہ ـــــ تسبیح وحمد کے مطابق اس روح کی حیثیت پائی جاتی ہے۔اسلئے انہیں صفات کے مطابق روح حیوانی برزخ میں اپنی قوتِ تزکیہ وتسبیح کے مطابق اس میں قوت پائی جائیگی۔مثلاً ایک انسان زندگی میں۔ کلامِ فصیح ۔علمِ وسیع ـــــ اور قوتِ عظیم کا حامل ہے۔جیسے ایک انسان ۔مقرر ہے علم ظاہری اسے حاصل ہے۔تمام کلام وعلم پر اُسے عبور حاصل ہے۔تحقیق وفکر میں اُسے عبور حاصل ہے۔اپنی قوت کے اعتبار سے وہ جری ۔قوی وغالب ہے۔کسی کمزور کی امداد کرسکتا ہے۔کسی کو مشکل سے نجات دلاسکتا ہے۔اور روحانی اعتبار سے اسے علم والاسماء سے آگاہی ہے۔علم الاسماء میں اسے روحانی اعتبار سے ہر ماورائے ادراک کیفیت کا بالمشاہدہ (ماضی ۔حال۔مستقبل کا) علم حاصل ہے ـــــ روحانی اعتبار سے (تزکیہ مجاہدہ سے) اسے مافوق الفطرت قوتِ ملکوتی حاصل ہے ـــــ مافوق الفطرت قوت سے مراد یہ کہ وہ اپنی روحانی قوت سے کسی بیمار کو نفخ کے ذریعہ شفا دے سکتا ہے۔کسی کمزور کو دریا میں ڈوبنے سے بچاتا ہے۔کسی مغلوب کو دشمن کی ہلاکت سے بچا سکتا ہے۔اسی طرح کی وہ قوتیں جو انسان اپنی زندگی میں استعمال کرتا ہے۔اوران سب قوتوں کی حامل روح حیوانی ہی ہوتی ہے۔تو یہ سب صفات موت کے بعد۔اگر انسان کو تزکیہ۔مجاہدہ۔تسبیح وحمد۔تصور ذاتِ الٰہی حاصل ہوا سکی روح حیوانی میں پائی جاتی ہیں۔اور روحانی حیثیت میں جب یہ قوتیں اسکی مِلک ہیں۔انہیں استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔مگر ـــــ چونکہ اسکا تعلق دنیا سے نہیں رہتا ـــــ اور یہ قوتیں دنیا میں ہی استعمال کی جاتی ہیں اسلئے اس روح کو اپنی قوتیں استعمال کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ـــــ البتہ جیسا کہ ''توجہ'' کا طریق ہے۔ایک روح دوسری روح سے نسبت ورابطہ رکھ سکتی ہے۔ چونکہ یہ کیفیت روحانی ہے ـــــ اسلئے طریق توجہ کے ذریعہ ایک انسان دوسرے انسان کی روح حیوانی سے رابطہ قائم کر کے مشاہدہ میں۔ایک عالم اور خلیفہ کی روح سے فیض (ہر قسم کی امداد) حاصل کرسکتا ہے ـــــ یہ ہے روح حیوانی کا مقام جو ہر انسان کو برزخ میں عِلِّیِّیْن ـــــ اور سِجِّیْن کی شکل میں ملتا ہے ـــــ یہ مقام انسان کی قبر سے نسبت دیا جاتا ہے ـــــ

اسکے بعد انسان کی دوسری روح ـــــ روح رحمانی کا مقام مراتب علیا میں ہوتا ہے ـــــ روح رحمانی کا تعلق زندگی سے نہیں۔ اسکا تعلق صرف علم وخبر سے ہے۔ علم وخبر سے مراد۔ انسانی وجود (زمین) سے لیکر آسمانوں ـــــ آسمانوں سے لیکر ذاتِ الٰہی تک جو بھی غیر جسمانی ـــــ روحانی ـــ یا نورانی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ انکی پہچان کرنا ـــ اور پہچان سے ان کیفیات کا علم حاصل کرنا ـــــ چونکہ انسان میں آسمانوں اور نورانی کیفیات کا ادراک کرنے کی کوئی ایسی قوت نہیں۔ جو ان کیفیات کو اپنے علم کے احاطہ میں لاسکتی ہو۔ اسلئے انسان میں روحِ رحمانی ودیعت کی گئی تا کہ یہ روح ذاتِ الٰہی تک رسائی حاصل کر کے ہر کیفیت کا ادراک کر کے انسانی ذہن (روح حیوانی) کو کیفیات کا علم فراہم کرے ـــــ جسطرح روحِ حیوانی۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ تسبیح وحمد سے عروج حاصل کرتی ہے اسی طرح روحِ رحمانی کا عروج بھی تزکیہ۔ مجاہدہ۔ تسبیح وحمد پر منحصر ہے ـــــ جوں جوں روحِ حیوانی کے مشاہدہ کو عروج ملتا ہے۔ اسی قدر روح رحمانی عالمِ بالا۔ آسمان۔ آسمانوں سے اوپر کے مقامات تک پرواز کر کے کیفیات کا علم روح حیوانی کے مشاہدہ کو فراہم کرتی ہے۔ یا جتنا انسان تسبیح وحمد۔ تصور حقیقی سے روحِ رحمانی کو عالمِ نورانی میں عروج دیتا ہے۔ اتنا ہی روح حیوانی کو عالم بالا کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے ـــــ اور انسان اپنی زندگی میں۔ جتنی کثرت سے۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ تسبیح وحمد ـــــ تصور ذات الٰہی کرتا ہے۔ اتنا ہی اسکی روحِ رحمانی عالم بالا کے مراتب حاصل کرتی ہے۔ اور موتِ آخر تک روح رحمانی جس مقام کو حاصل کرتی ہے وہی اسکا مرتبہ مقرر رہوتا ہے۔ وہی مرتبہ انسان کا مرتبہ تصور کیا جاتا ہے ـــــ موت کے بعد اس مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا ـــــ بلکہ روح رحمانی اپنے مقام پر قائم رہتی ہے۔ چونکہ روحِ رحمانی کا تعلق روح حیوانی سے قائم رہتا ہے ـــ اسلئے موت کے بعد اگر روحِ حیوانی پاکیزہ ہو تو زندگی کی طرح موت کے بعد بھی اسکا مشاہدہ روحانی اعتبار سے قائم رہتا ہے ـــــ یہ مشاہدہ بند نہیں ہوتا ـــــ اور حشر میں بھی انسان جبکہ وہاں روحانی حیثیت میں ہی موجود ہونا ہے۔ انسان اپنے مرتبہ پر قائم رہیگا۔ انسان کا مرتبہ اسکے عمل کے نتائج کی نشاندہی کریگا ـــــ تو اسکے لئے مزید کسی حساب وکتاب کی ضرورت باقی نہ رہیگی۔ یہی اسکی دنیاوی زندگی کے عمل کا نتیجہ واجر ہوگا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ I

دنیا کے دانشوروں اور محققین کو یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے۔ کہ دنیا کے واقعات کو اپنے حقیقی تصورات کے ساتھ دیانتداری سے اپنے اصلی روپ میں بیان کر کے حقیقی تاریخ کو پیش کریں۔ ان واقعات میں من گھڑت غیر حقیقی واقعات کو شامل نہیں کرنا چاہیے ورنہ زمانہ کے ساتھ۔ یہ امر خیانت کے مترادف ہوگا۔

تاریخ سے یہ امر واضح ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ــــ اس حقیقت کو فراموش کرنا۔ حقیقتاً انصاف کے خلاف ہوگا ــــ کہ واقعات کو محض عصبی تاویلات۔ یا ذاتی نفرت کی بنأ پر۔ غلط رنگ میں دیدہ دانستہ پیش کیا جائے۔ جس سے اصل حقیقت نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے ــــ

انسان خواہ کسی فرقہ۔ یا قوم ــــ یا کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو ــــ یا خود کو ایک محضِ انسان سمجھکر کسی فرقہ سے وابستہ نہ ہو ــــ پھر بھی۔ اسکی پیدائش یا موت اسکے اختیار میں نہیں۔ خود پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اسکی زندگی اور موت میں کسی غالب طاقت Super Power کا دخل ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ ہر شے کے بنانے والے کو خالق کہا جاتا ہے جسکی قدرت میں ہر شے کا اختیار وابستہ ہے ــــ لہٰذا۔ ایسا خالق اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جسکی خالقیت۔ طاقت۔ اختیار کا ہر انسان کو ذہن میں قائم رکھنا ضروری ہے۔ کہ ایسی Super Power۔ غالب طاقت ہر شے پر اپنا غلبہ ــــ اور معاملہ رکھتی ہے۔ یعنی اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا۔ خالق۔ مالک۔ اور صاحب اختیار ذات ہے۔ جسکی اطاعت۔ خاص کر ــــ انسان کیلئے لازم ہے۔ قدیم ہو یا جدید ہر زمانہ میں۔ ایک انسانی ذات کی تشکیل ــــ تکمیل انسانی ــــ خواہ انفرادی ہو۔ یا اجتماعی۔ اللہ کی

اطاعت اور اسکے حکم پر وابستہ ہے۔اسی وابستگی کے تصور پر ہر انسان کا اللہ سے ایک۔''رابطہ''___ ایک ''معاملہ''۔ہونا ضروری ہے۔اس رابطہ سے لاتعلقی گویا۔قانونِ فطرۃ کے خلاف اقدام ہوتا ہے ___ جسکی مثال کسی شخص کا اندھیرے میں۔بغیر کسی راہنمائی کے ایک گہری کھائی میں گر جانے کا احتمال ہوتا ہے۔کہ انسان کیلئے۔بغیر کسی راہنمائی کے چلنا ممکن نہیں۔ورنہ انسان کبھی بھی صحیح راہ پر چل کر سلامتی نہیں پا سکتا ___ لہٰذا دنیا کے مشرق مغرب طول وعرض کے ہر انسان کیلئے ایک راہنما کی راہنمائی حاصل کرنا اور اطاعت کرنا ایک فطری قانون کے تحت لازم ہے۔وہ فطری قانون۔ایک خالق کی ہدایت ___ ایک رسول کی راہنمائی۔ہر فردِ انسانی کیلئے لازم قرار دی جاتی ہے۔بغیر وحی احکام الٰہی کی اتباع ___ بغیر ایک منتخب نبی ورسول کی راہنمائی۔اور الدین الاسلام کے منتخب اولی الامر۔شخصیات کی اطاعت وتقلید کے۔دنیا کا کوئی شہنشاہ۔لیڈر۔یا صدر یا وزیر اعظم۔اپنے ساختہ آئین وقانون پر چلنے۔اور اپنی خود ساختہ قوت پر۔مخلوقِ انسانی میں۔دائمی امن۔استحکام۔دوامِ سلطنت قائم نہیں رہ سکتا۔لہٰذا ضروری ہے۔کہ کسی قوم کی امن وسلامتی دائمی آسودگی کیلئے۔لازمی طور الدین الاسلام کے اصول وضابطہ کے مطابق اپنا عمل جاری رکھا جائے۔ایک فطری آئین وقانون کی بنیاد پر اپنی ساخت کو قائم کیا جائے۔

کسی عامی قوم ___ کسی طاقتور قوم کے زوال کا بنیادی سبب۔اپنے لئے الدین الاسلام الٰہی وضع کردہ۔آئین وقانون وضابطہ سے انحراف ___ اختلاف۔تغافل وکوتاہی ___ اصل سبب ہوتا ہے۔لہٰذا ضروری ہے۔کہ ہر فردِ انسانی۔خواہ اعلےٰ ہو ___ یا ادنیٰ۔کہ اپنی قوت بحال رکھنے کیلئے۔ایک فطری قانون۔فطری آئین۔پر اپنا آئین۔آئینِ زندگی ___ وابستہ کرے۔خواہ انفرادی ہو ___ یا اجتماعی۔

دنیا پر۔ہر زمانہ میں۔قوموں کا عروج وزوال اسی اصول پر موقوف رہا ___ کہ انسان نے الدین الاسلام سے روگردانی کی۔اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامَ۔سے مراد۔الٰہی احکام کی تعمیل میں۔عبادات وتسبیح پر کاربند رہنا۔یہ بنیادی ضابطہ ہے۔جس پر اپنے کردار واخلاق۔اپنی آخرت۔اور دنیا کی

عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ۔ مستقل۔ امن وسلامتی کی ضامن ہوتی ہے۔ ہاں دنیا کی قوموں کی ہر زمانہ میں یہ حالت رہی کہ دینِ فطرت پر عامل رہے تو ظاہری۔ باطنی عروج حاصل کیا۔ اور جب دینِ فطرت۔ تسبیح وعبادت سے کوتاہی کی۔ اسکے لئے ہر حال میں زوال مقدر ہوا ـــــ یہ الگ بات ہے۔ کہ زمین پر الٰہی احکام سے روگردانی۔ پر بھی۔ انسان یا قوموں نے عروج وطاقت حاصل کی۔ دراصل یہ عروج۔ اصلِ اصول۔ اور الٰہی قانون سے انحراف کے سبب حاصل ہوا۔ انسان نے غلط روی۔ خلاف قانون اقدام ـــ یا فعل سے غلط طریقہ پر اقتدار۔ (طاقت۔ یا دولت) حاصل کیا۔ اور محکوم کمزور انسانوں کو اپنا مطیع وغلام بنا کر ناجائز طریقہ پر انہیں استعمال کیا۔ لیکن بالآخر ایسے لوگوں کا حشر آپس کی خونریزی۔ قتل وغارت سے اپنی قوت کو پارہ پارہ کر کے ذلت وپستی نصیب ہوئی یا خود بے راہ روی۔ یا خودغرضی کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن بن کر ایک دوسرے کو ہلاک کیا۔ یا۔ باوجود دولت وامارت کے اندرونی۔ پریشانی۔ اضطراب میں پھنس کر امن وسلامتی سے محروم ہو گئے۔ اور انکی تمام قوتیں پارہ پارہ ہو کر منتشر ہو گئیں۔

یہ قاعدہ ہے۔ ہر قوت اپنے زوال پر پھر امن کی خواہاں ہو جاتی ہے ـــ ایسی صورت میں قوم۔ احساس محرومی کے نتیجہ میں۔ پھر اصول وقانون کی پابند ہو کر۔ ایک پرامن معاشرہ کیلئے کسی راہنما کی اطاعت وتقلید پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ یا پھر فطرۃ الٰہی کے مطابق۔ زمانہ میں۔ قوموں کے بربادی پستی وذلت کے موقع پر ـــ ایک ''نبی'' ـــــ ایک ''رسول'' کا بحیثیت راہنما ـــــ لیڈر ظہور ہوتا ہے جو مخلوقِ انسانی کو ایک نیا دور ـــــ نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ یہ لازم ہے۔ کہ انسان کو اپنی محرومی پر پھر سے امن وسلامتی کیلئے جدوجہد پر آمادہ ہو کر ـــ زمانہ میں۔ اپنا حقِ انسانیت حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ ایک فطری اصول ہے۔ کسی قوم کے خلاف فطرۃ اقدام سے زوال آنے پر پھر امن و سلامتی کیلئے فطری ضابطہ پر یعنی الدین الاسلام کے فطری اصول پر عمل کر کے کسی طرح عروج حاصل کرے۔ یہ انسانی زندگی کا لازمہ ہے ـــ کہ ہر انسان ـــ ہر قوم کو الدین الاسلام کے

اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

ابتدائے پیدائش۔مخلوقِ انسانی نے ۔اسی فطری قانون۔فطری ضابطہ۔پر چل کر زندگی گزارنے کی ایک راہ اختیار کی۔جبکہ اس زمانہ میں ۔نہ کثرتِ مخلوق تھی ۔نہ کسی فروعی ضابطہ کی ضرورت ہوئی ۔نہ کوئی فروعی ضابطہ وضع کرنے کی ضرورت رہی ـــــ ضرورت پڑی ۔تو کثرتِ مخلوق ـــ اجتماعیت ـــ اور کاروبار دنیوی میں حصولِ زرودولت کی خاطر۔اور ذاتی اغراض کے بے جا مصرف اور حصولِ میں بے اعتدالی کے نتیجہ میں۔ الدین الاسلام کے الٰہی وضع کردہ۔اصول وقوانین سے تجاوز کی بنأ پر غیر ضروری طریق اختیار کیئے گئے۔جسکا نتیجہ کسی قوم کے پستی وزوال پر ہوا ـــ

تاریخِ انسانی ـــ میں۔ رونما ہونے والے تاریخی واقعات سے یہی معلوم ہوتا ہے ـــ یہی اخذ ہوتا ہے کہ قوموں کے زوال وپستی۔ کے یہی اسباب ہوتے رہے۔اور انسانی اصلاح۔اور اصولِ حق اختیار کرنے پر قومیں عروج حاصل کرتی رہیں ـــ

حضرت آدمؑ کی پیدائش سے۔انسانی عروج وزوال کی ابتدأ ہوئی۔اور ہزاروں سال۔ مخلوق انسانی کو انفرادی حیثیت میں۔یا اجتماعی حیثیت میں ایک ـــ نبی ـــ رسول کے ظہور پر امن اور سکون۔سلامتی میسر آتے رہے ـــ اور قومیں الدین الاسلام کے خلاف۔انحراف۔نافرمانی کی صورت میں۔پستی وزوال کا شکار ہوتی رہیں۔ یہ ضرورت ہے۔کہ ہر قوم اپنے عروج حاصل کرنے کیلیئے۔خالص الدین الاسلام کے حقیقی اصول ـــ تسبیح وعبادت سے اپنے عروج و آسائش کی بناڈالے یہی حقیقی۔طریقِ زندگی ہے۔

الدین الاسلام ـــ ایک نبی ورسول کے ظہور سے ہوتا ہے ـــ اسی بنیاد پر اسلام میں خلافتِ اسلامی کا وجود ہوا ـــ تقریباً چودہ سو سال سے۔حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ظہور پر۔خلافتِ اسلامی کا ظہور ہوا ـــ جسکی بنیاد ـــ بعثت (ظہور) رسول سے ہوئی ـــ اور اسی ابتداء سے ۸ھ سے ۱۳۴۱ھ تک خلافت اسلامی۔الدین الاسلام کی ہیئت میں ـــ امتِ مسلمہ ـــ ہیئت مسلمہ کی حیثیت میں قائم رہی ـــ اور آخر خلافتِ عثمانیہ تک۔یہ دنیا پر

اپنی شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی ـــــ اس حال میں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت سے ہی۔ خلافتِ اسلامی کی۔ الدین الاسلام۔ میں تسبیح وعبادت سے بنیاد رکھی گئی۔ جو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال دنیا پر قائم رہی۔

اس بناً پر خلافتِ اسلامی کی بنیاد۔ الدین الاسلام کی تسبیح وعبادت پر رکھی گئی۔ اور خلافت کے اکثر زمانوں میں۔ الدین الاسلام کے احکام وعبادات کو ہر خلافتِ اسلامی میں روا رکھا گیا۔ اور جب تک شریعتِ اسلامی کی عبادات وتسبیح اور اجرائے قرآن وسنت کو اجرائے اقتدارِ اعلےٰ ـــــ حکومت اسلامی کو خلافتِ اسلامی کی ہیئت میں۔ شامل رکھا گیا۔ اسلام اور خلافتِ اسلامی تمام دنیا پر اپنے عروج کے ساتھ دنیا کی ہر قوت۔ اور اقوام پر غالب رہی۔ اور جب تک خلافتِ اسلامی کے عروج واقتدار میں۔ مال وزر کی فراوانی سے۔ اہل اسلام۔ (خلفاً وعوام المسلمین ـــــ امتِ مسلمہ) نے دنیا کی ہر دولت مال وزر کی طرف۔ توجہ سے گریز کیا۔ مسلمان (اہل اسلام) دنیا پر اپنی ہیئتِ مسلمہ کے ساتھ بام عروج پر قائم رہے۔ اور جونہی مال وزر کی فراوانی۔ کثرت ـــ انہیں حاصل ہوئی۔ خلافتِ اسلامی کے خلفاً۔ ارکان حکومت میں حرص ولالچ نے جگہ پکڑی۔ انکے اعمال۔ میں فرق آنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ارکانِ اسلامی میں۔ الدین الاسلام کے عمل میں۔ تغافل۔ کوتاہی۔ آرام طلبی آئی۔ اس عمل سے خود۔ شریعت کے خلاف اقدام شروع ہوا۔ جسکے نتیجہ میں خلافت اسلامی میں تفریق۔ اختلاف۔ حسد ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور ایک وقت اس بے عملی اور خلاف شریعت اعمال سے اس وحدتِ اسلامی میں۔ تفرقہ پیدا ہو کر۔ ایک وحدت ملی میں رخنہ پیدا ہوا۔ اسطرح اسلام کی ہیئتِ مسلمہ میں بھی تفریق پیدا ہو کر۔ خلافت اسلامی ـــــ حکومتِ اسلامی ـــــ اقتدارِ اعلےٰ۔ رعب ودبدبۂ اسلامی ختم ہو کر خلافتِ اسلامی میں تنزل آکر باطل طاقتوں کو اقتدار اعلےٰ پر یلغار کرنے کا موقع ملا۔ جسکی امت مسلمہ تاب نہ لاسکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غیر طاقتوں نے انہیں۔ محکوم بنا کر اپنا دست نگر بنالیا ـــــ اور آج خلافتِ اسلامی کی تمام سطوت خاک میں۔ مل کر آج کسی صورت اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کی نہ قدرت رکھتے ہیں۔ نہ

طاقت رکھتے ہیں۔

اس امر کا تجزیہ کیا جائے۔دنیا میں قوموں کے عروج کے کیا مقاصد ہیں۔اور زوال کا سبب کیا بنتا ہے۔یہ قوموں کی تاریخ اور حالات سے واضح ہو جاتا ہے ـــــ کہ دنیا میں پیدائشِ انسانی کا واحد مقصد۔واحد ذریعۂ ارتقا سوائے۔تسبیح وعبادت۔حسن عمل کے اور کوئی فروعی ذریعہ کارآمد نہیں ہو سکتا۔دیکھا گیا انسان کی پیدائش کا امن وسلامتی کا ذریعہ ایک اللہ کے حکم کی اطاعت کے ساتھ تسبیح و عبادت کو لازم رکھتا۔ورنہ ملائکہ نے یہ پہلے ہی پیشگوئی کی ہے۔اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا ۔کیا زمین پر ایسی سفلی قوت کا پیدا کرنا ہے۔جو خلافِ فطرۃ الٰہی ۔قانون الٰہی ۔تسبیح وعبادت سے انحراف کر کے فساد وخونریزی کریگا؟ ـــــ دنیا میں مخلوقِ انسانی کو خواہ کسی قوم ۔قبیلہ۔مذہب سے تعلق ہو ـــــ انسان انہیں دو خیر وشر کے حادثات سے گزرتا۔عروج حاصل کرتا ـــــ یا پستی وتنزل میں۔ گرفتار ہوتا رہا ـــــ یعنی ـــــ اسلام ـــــ تسلیم قانونِ الٰہی ـــــ اور تسبیح وعبادت کے نتیجہ میں۔ امن وسلامتی ـــــ اور انحراف کی صورت میں۔انتہائی عروج کے نتیجہ میں بھی ۔بالآخر فساد و خونریزی ۔انسانی بستیوں کی تباہی۔انسانی آبادیوں کی ذلت وپستی ۔یعنی تسبیح وعبادت سے لاتعلقی کے نتیجہ میں۔ناکامی اور غلامی مقدر ہو جاتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے۔کہ انسان اپنا فطری مقصد حاصل کرنے میں۔بنیادی طور۔تسبیح وعبادت۔الدین الاسلام کی طرف رجوع کرے۔

جانو یہ عروج وارتقاء کا پہلا زینہ۔پہلا اقدام ہے۔مقصدِ الٰہی میں بھی یہی انسانی مقصد کا پہلا زینہ ہوا کہ اللہ نے اپنے اخلاقی ۔احکام ـــــ تسبیح وحمد کیلئے ـــــ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ۔انسانی فلاح وعروج کیلئے تسبیح وعبادت کی صورت میں احکام نازل کئے ۔جنہیں الدین الاسلام سے تعبیر دیا گیا۔

اسکے ساتھ ہر رسول کے ظہور پر باطل اور اسلام کی جنگ شروع ہو گئی آخر ـــــ جانو ـــــ تاریخ پر گہری ۔نظر اور سوچ استعمال کرو۔کہ بالآخر حق کو ہمیشہ کامیابی اور دوام حاصل ہوتا رہا۔ جب انسان بے بس ۔غلام ـــــ اور محتاج ہو۔اسکے عروج کا ذریعہ مادی حصول کی قوتوں کے مقابلہ

میں الدین الاسلام کے اصول واحکام سے سہارا لیکر باطل قوتوں سے مقابلہ کر کے شکست دیکر اپنا وجود مستحکم بنانا ہے۔یہی عمل وفعل۔جس میں الدین الاسلام کے اصول پر اپنی قوت کو تقویت دینا ہے ــ اقتدار اعلےٰ یا خلافتِ اسلامی سے موسوم کیا جاتا ہے۔حقیقتاً کسی قوم کی ترقی۔اقتدار۔استحکام ووسعت۔خلافت اسلامی کے نام سے ہی حاصل ہوتا رہا ــــ اقتدارِ اعلےٰ ایک ایسی قوت ہے۔ جس میں اطاعت الدین الاسلام کے ساتھ ــــ ع مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی یہ ایک ایمانی جذبہ ہوتا ہے ــ جو ہر قدم پر بلا مادی ذرائع کے بھی فتح حاصل کرتا ہے ــ لہٰذا۔اپنی بازگشت میں شکست خوردہ مسلمان کو اپنے حقیقی ورثہ کی طرف راغب ہو کر۔تسبیح وعبادت۔اطاعتِ الدین الا سلام سے ہی اپنا کھویا ہوا مقامِ عزت وعظمت حاصل ہوسکتا ہے۔

آپ نے گزشتہ اسلامی سطوت کا مشاہدہ کیا؟ ــــ ایک عالمگیر۔کفر والحاد۔دین سے نفرت وبے زاری ــ دوری ــ فسق وفجور۔ظلم وجبر۔لاقانونیت۔طاقتور اپنی طاقت مظلوموں کو غلام ومحکوم بنانے میں صرف کرتا ہے ــ انسان اخلاقی حیثیت میں بھی پست وذلیل ہو چکا ہے۔ہاں باطل قوت میں طاقتور ہو چکا ہے۔کسی فردِ واحد۔کمزور فرد کی جرأت نہیں۔کہ کسی باطل قوت کے خلاف معمولی سا اقدام بھی کرے۔مگر چونکہ پیدائش انسانی میں۔مقصد پیدائش۔مقصد انسانی میں۔ تسبیح وعبادت پر ہی انسانی۔ارتقاء کو لازم رکھا گیا۔لہٰذا ــ ہر موقع پر۔اسی انسانی پستی وذلت پر ایک راہبر۔ایک لیڈر ــــ ایک نبی۔ایک رسول الدین الا سلام کے احکام ومنصوبہ مخلوق انسانی کیلئے پیش کرتا ہے۔ہاں یہ بھی مقصد الٰہی ہے۔فطری اصول ہے۔کہ ایسی جابر وقوی قوتوں کے مقابلہ میں۔فلاح انسانی کیلئے۔ایک کمزور ــ ناتواں۔بے بس۔بے یار ومددگار۔فرد کو منتخب کیا جاتا ہے ــ ہاں۔غور کرو۔ایسی باطل قوتوں کے مقابلہ میں ایک بے بس۔ناتواں قوت ہو کر یہی فتح۔ عالمگیر فتح کی ضامن بن جاتی ہے کیونکہ ایسی قوت کیلئے۔مخلوق انسانی کیلئے۔ایٹم۔ہائیڈروجن بم سے نیست ونابود کرنا نہیں۔بلکہ فلاح وامن وسلامتی عطا کرنے کا مقصد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوقِ انسانی کی دارِ آخرت اور فلاح دنیوی کیلئے۔حضور صلے اللہ

علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ظہور سے۔عمل رسالت۔اجرائے قرآن وحدیث سے۔الدین الاسلام کی صورت میں۔اللہ کے دین واحکام کے نفاذ سے ایک عالمگیر خلافتِ اسلامی کی ہیئت دنیا پر قائم ہوئی۔یہی عمل رسالت۔الدین الاسلام آگے چل کر دینِ اسلامی ـــ خلافتِ اسلامی کی ہیئت میں۔ایک حکمران حیثیت قائم کرگئی۔جس میں اصل عمل اجرائے قرآن وسنت اوراصولِ الدین الاسلام ـــ عبادات۔تسبیح اورشریعت کی صورت میں قائم رہا۔ بعد میں۔چونکہ اسلام ـــ خلافتِ اسلامی کا معرکہ۔کفر کے خاتمہ کیلئے ہونا تھا۔اسلئے خلافتِ اسلامی میں۔اقتدار اعلےٰ نے ایک حکمران حیثیت حاصل کی جسکا غلبہ۔الدین الاسلام کی ہیئت میں۔خلافت حضرت امیر معاویہؓ (۴۱ھ تا ۶۰ھ) سے خلافتِ بنوامیہ (۶۰ھ تا ۱۳۲ھ) تا خلافت عثمانی (۹۲۳ھ تا ۱۳۴۱ھ) تک دنیا پر رہی۔اس وقت۔زمین کی وسعت تمام۔خلافتِ اسلامی کے زیرنگیں تھی۔اوراسلام کا نام زمین کے چپہ چپہ پر مشہور تھا۔جو محض اقتدارِ اعلےٰ کی حکومت کی وجہ سے۔صرف حکومتِ اسلامی تصور کی جاتی رہی۔گویا خلافتِ اسلامی کوایک حکومت کی ہیئت میں پہچانا گیا۔جس میں۔عام حکومتوں کی مانند۔اسلامی طریق پر نظامِ ملکی چلانا تھا۔کہ عوام الناس کی جملہ ضروریات زندگی ـــ دنیوی خلافتِ اسلامی کے ذمہ ـــ لازم ہوتی ہے۔جس میں۔حقیقی خلافتِ اسلامی کا شرعی (شریعت کا عمل) تسبیح وحمد کا تصور شامل نہ رہا ـــ یہ امر واضح ہو کہ ان زمانوں میں خلافتِ اسلامی ایک حکمران قوت تھی۔ اسلئے اسی حکمران حکومت کیلئے ملکی نظام چلانے کیلئے۔جیسا کہ پیشتر قرآنی احکامِ شریعت کے مطابق احکام جاری ہوتے تھے۔بعد میں ـــ اقتدارِ اعلےٰ ـــ کی حکمران ہیئت میں۔زمانہ وحالات کے مطابق۔اجتہادی احکام کے نفاذ کی ضرورت رہی۔جوخلافتوں میں شامل علماً امت نے اپنی اجتہادی صلاحیتوں پر ـــ قرآن وحدیث کی روشنی میں۔اجتہادی احکام قانونی صورت میں وضع کئے۔جو حکمران ـــ خلافت میں۔وقت کی ضرورت کے مطابق جاری کئے گئے۔ان احکام کی حیثیت بھی۔قرآن وحدیث کے احکام کی روشنی میں ـــ قائم رہی۔یہی احکام۔جوعلمائے امت نے وقت کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دیئے۔قانون اسلامی سے تعبیر دیئے جاتے ہیں جوخلافتِ اسلامی

میں۔(خلافت اموی۔خلافت عباسی۔خلافت عثمانی میں) ہمیشہ جاری رہے۔جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خالص۔یکسر۔دنیوی۔حکمران۔قانون تصور کئے جاتے ہیں۔جو درحقیقت خلافتِ عثمانی ترکی کے۔انتشار وزوال کے بعد بھی۔مختلف اسلامی حکومتوں میں استعمال ہوتے رہے۔یہاں تک کہ خلافت اسلامی یکسر معدوم ہوکر۔بعدِ زمانہ مختلف اسلامی ریاستوں کی شکل میں۔علاقہ عرب میں قائم رہیں۔اورانہیں ریاستوں میں سے کچھ لوگ ایران کے راستہ ہندوستان میں داخل ہوئے۔جو تمام اپنا اسلامی کلچر وتہذیب ساتھ لائے۔اس۔کلچر (تہذیب وعلم) میں۔کچھ شریعتِ اسلامی کی عبادات وتسبیح کا عمل۔کچھ طریقت کا عمل۔کچھ حکمران اسلامی قوانین کا نفاذ ہندوستان میں رائج ہوا ـــــ اسی عمل پر ہندوستان میں۔اسلامی حکومت (حکمران طرز کی حکومتوں) کا اجرا ہوا۔جو اسلامی حکومت ہی کے نام سے موسوم ہوتی ہیں۔ہاں۔جن میں زیادہ تر اجرائے قرآن وشریعت کے مقابلہ میں۔علمائے امت کے وضع کردہ قوانین (جو اسلامی طرز پر وضع کئے گئے) ہندوستان میں رائج ہوئے۔اورعوام الناس ایسی ہی حکومتوں کو۔اسلامی حکومت تصور کرتے رہے۔

ایسے حکمران اورقوانین۔عرصہ سے ہندوستان پر مسلط رہے۔جنکے ساتھ ہندوستان میں قدیم آرین قوموں کے راجوں۔مہاراجوں کی حکومت بھی قائم رہی۔جن میں۔اپنے قدیم آرین مذاہب کے قوانین بھی نافذ رہے۔اس حال میں کہ آرین حکومتیں۔اسلامی یورش کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ اور ہندوستان میں اسلامی حکومتوں کا غلبہ عام محسوس کیا گیا۔ان حکومتوں میں۔آخر مغلیہ سلطنت کا کافی عرصہ غلبہ رہا۔اور چونکہ ہندوستان ایک امیر ملک سمجھا جاتا تھا۔یہاں کے زرو جواہرات نے مسلم حکومتوں خاص کر مغل حکومت کو بھی اپنی حرص کی لپیٹ میں لے لیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومتوں میں بوجہ دینی اعمال میں تغافل اورکوتاہی کے الدین الا سلام کے اصول پر کاملاً عمل قائم نہ رہ سکا ـــــ اسی الدین الا سلام سے انحراف اورکوتاہی کی بناً پر۔اسلامی حکومت ـــــ مغلیہ حکومت زوال پذیر ہوکر۔اسلامی ہیئتِ مسلمہ۔اسلامی اقتدارِ اعلےٰ الدین الاسلام کی ہیئت مسلمہ۔کا یکسر خاتمہ ہوگیا۔اس وقت انگریز قوم نے ہندوستان میں۔حیلہ وفریب سے داخل ہوکر۔تمام قوتِ

اسلامی کا خاتمہ کردیا۔ کہ نہ اسلامی اقتدار اعلےٰ باقی رہا نہ حکومتِ اسلامی کا وجود۔ نہ الدین الاسلام کا عمل اجرائے قرآن وسنت۔ نہ تعلیم اسلامی۔ شریعت اسلامی۔ اس حال میں رہی۔ کہ مسلمان ـــــ اہلِ اسلام۔ اپنی آزادی کی صورت میں کسی اسلامی قوت کا سہارا لیکر پھر سے اپنی ہیئت مسلمہ کو قائم کر سکتے۔ جبکہ مسلمان ـــــ اہل اسلام میں۔ شریعتِ اسلامی میں اطاعتِ دین کا جذبہ مٹ چکا تھا۔ یا مردہ ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں۔ انگریز سے آزادی حاصل ہونے پر مسلمان کسی بنیاد پر اپنی ہیئت یا حکومت قائم نہ کر سکے۔

ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ مسلمانان ہندوستان۔ کُلُّھم۔ بحیثیت مجموعی (کیا پاکستان میں بسنے والے اور کیا ہندوستان میں رہنے والے) وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا۔ بحیثیت مسلمان (مسلمانان ہندوستان) ایک الدین الاسلام۔ کی حقیقی ہیئتِ مسلمہ کی رسی کو تھام کر ایک الدین الاسلام کی حقیقی اطاعت ـــــ خاص کر۔ تسبیح وعبادت۔ شریعت کی تابعداری خلوصِ نیت سے۔ ہر فرد اختیار کرے۔ اور اسی عمل کو۔ اپنی (ظاہری باطنی ـــــ دینی۔ دنیاوی) ترقی وآزادی کو اپنا حقیقی نصب العین بنائیں ـــــ اور اسی عمل ـــــ عملِ رسالت ـــــ الدین الاسلام سے اقتدارِ اعلےٰ ـــــ خلافتِ اسلامی کا اقتدار اعلےٰ ـــــ کی بنیاد قائم کریں۔ تو مثل ابتدائے عملِ رسالت۔ مسلمان ـــــ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْيُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ کے اعلانِ الٰہی کے مطابق ـــــ ع مسلم ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی مسلمان۔ پھر قرون اولیٰ کے فاتحین کی طرح ایک قوی اقتدار اعلےٰ حاصل کر کے۔ دنیوی اعتبار سے اپنی ساکھ قائم کر سکینگے ـــــ اور واضح ہو کہ جیسا پیشتر عرض کیا جا چکا ہے۔ پاکستان کا نہیں۔ بلکہ ہندوستان کا ہر فرد۔ بحیثیت مسلمان ـــــ (ہندوستان میں قدیم بسنے والے لوگوں میں سے) پاکستان کے لوگوں سے رابطہ کر کے۔ ایک وحدتِ ملی ـــــ ایک وحدت قومی میں یکجا ہو کر۔ اپنا دینی فریضہ ادا کرے۔ اس عمل سے مسلمانوں کی ـــــ جملہ ساکنانِ ہندوستان کی۔ جبکہ ہر امورِ دینی میں یکسانیت قائم ہو ـــــ مسلمان کی ہیئتِ مسلمہ تشکیل پا سکتی ہے اس حال میں کہ ہندوستان کے منتشر مسلمان ایک دینی حیثیت میں ایک

مسلم ــ ایک قوم بنکر ــــ ہاں ــ ابتداءً ہر فرد ــ یعنی پاکستان اور ہندوستان کے تمام مسلمان۔ اپنے ابتدائی فریضہ ــــ تسبیح وعبادت میں یکساں عمل۔ صحیح معنوں میں دینی عقائد میں اتفاق کر کے۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کا عمل شروع کریں۔ کہ ان میں پاکستانی ــ یا ہندوستانی تصور باقی نہ رہے۔ اسی عمل سے۔ ہندو پاکستان۔ کیا۔ عملی اعتبار سے ــــ دینی حیثیت میں۔ الدین الاسلام کے عمل سے تمام دنیا کے مسلمان ایک دین۔ ایک اسلامی معاشرہ ــ میں یکجا ہو کر۔ دنیا کے مسلمانوں میں ایک عمل ــــ واحد عمل۔ سے ہیئتِ مسلمہ سے ایک قرآنی قانون ــــ یعنی الدین وقرآن کا خالص قانون خود بخود نافذ ہو کر۔ ایک خلافتِ اسلامی کا وجود قائم ہو جائیگا۔ یہی صورت اب مسلمانانِ پاکستان ــــ یا مسلمانان ہندوستان کیلئے۔ اپنی علیٰحدہ اسلامی حیثیت قائم کرنے کی ہے۔ سوائے اسکے کہ قرآنی ضابطے۔ اور قوانین صرف الدین الاسلام کے احکام عبادات کیلئے نافذ ہوتے ہیں۔ خلافتِ اسلامی ــ حکومت اسلامی کی تشکیل۔ جب تک الدین الاسلام۔ اطاعتِ قرآنی احکام۔ نماز ــــ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج ــــ احسان پر کاملاً اطاعت وعمل نہ ہو ــــ خلافتِ اسلامی نہ وجود میں آسکتی ہے۔ نہ اس پر کوئی فروعی قانون نافذ ہونے سے اسلامی ہیئت قائم ہو سکتی ہے۔ اس حال میں کہ ایسی حکومتِ اسلامی۔ حکومتی انداز پر چلانے کیلئے سابقہ خلافتِ اسلامی کی خلافتوں۔ خلافت اموی۔ خلافت عباسی۔ خلافت عثمانی میں علمائے امت کے وضع کردہ قوانین پر حکومت کا قانون وضع کیا جائے ــ جن (اختراعی۔ اجتہادی) قوانین سے حکومتِ اسلامی کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔ مسلمان حکومتوں (خاص کر پاکستان میں) میں سابقہ انگریز کے مسلط کردہ قوانین کی جگہ۔ کہ یہ قوانین۔ استحکام حکومت کیلئے۔ عوام ــ اور ارکانِ حکومت کی اصلاح۔ اور حکومت سے وفاداری اور سربراہان کی جائز اطاعت کیلئے نافذ ہوں ــ اس حال میں کہ۔ قوانینِ قرآنی ــــ قوانینِ شرعی۔ علیٰحدہ حیثیت میں الدین الاسلام۔ اور اعمال تسبیح وعبادات کے اجراً کیلئے مخصوص اور وقف کئے جائیں۔ تاکہ الدین الاسلام کی۔ دینی حیثیت وہیئت نمایاں ہو کر۔ عوام المسلمین ــــ امت مسلمہ سے دینِ اسلام (جو عملِ رسالت۔ نماز۔ روزہ ــــ زکوٰۃ ــ حج ــ احسان

سے تعبیر ہے) کا مظاہرہ ہو۔ تا آنکہ ملک ـــــ یا قوم پر اصل خلافتِ اسلامی ـــــ (خلفاءِ اربعہ ـــــ یا خلیفۃ المومنین جیسی خلافتِ دینی) کا عمل درآمد ہو ـــــ جو خلافتِ اسلامی کا۔ اجرائے قرآن وسنت کا اصل مقصد ہے۔ ہاں۔ اب یہ مقصد اقتدارِ اعلیٰ۔ ایک مستحکم۔ قوی ـــــ پائیدار۔ قوت سے ہی قائم ہوسکتا ہے۔ اس حال میں۔ کہ امت مسلمہ کا ہر فرد ـــــ عملِ رسالت ـــــ اطاعت الدین الاسلام ـــــ تسبیح وعبادات کا کاملاً عامل ہو ـــــ بصورتِ دیگر دین وشریعت ـــــ تسبیح و عبادت سے۔ غفلت۔ لاپرواہی۔ اور بے عملی کی حالت میں۔ کوئی اسلامی حکومت ـــــ سلطنتِ اسلامی ـــــ یا خلافتِ اسلامی کی شکل میں۔ مسلمان۔ خواہ ہندوستان ہو۔ یا عالمِ اسلام۔ کسی صورت کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ اس حال میں کہ مسلمانوں میں۔ دینی افراتفری ـــــ بے عملی۔ یا جمہوری نظامِ حکومت۔ اپنا وجود قائم نہیں کرسکے۔ نہ بے بنیاد جمہوری حکومت تشکیل دینے سے۔ اسلامی ساخت قائم کرسکتے ہیں ـــــ سوائے اسکے پاکستان میں ایک اسلامی وجود قائم کرنے کیلئے۔ اولاً۔ پاکستان کے ہر فرد کو دین پر عامل کرنے کیلئے علمائے امت انگریز کی ایجاد کردہ سیاست کی جدوجہد کے گورکھ دھندے میں پھنس کر سیاست کے ذریعہ دین اسلام کا نظام قائم کرنے کی بے معنی ـــــ اور بدعت کی جدوجہد کے بجائے۔ بطریق ''عملِ رسالت''۔ دینی حیثیت میں۔ عوام المسلمین میں تبلیغ و اشاعت سے۔ ہر فرد کو۔ تسبیح وعبادات۔ (عمل رسالت) نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کا عامل بنادیں۔ کہ تمام امتِ مسلمہ (پاکستانی) کو ایک عقیدۂ قرآنی ـــــ ایک سنت نبوی۔ کے عقیدہ پر عامل بنا کر۔ ایک ہیئت مسلمہ حاصل کریں ـــــ اور پھر بطریق سنت نبوی۔ خواہ الدین کیلئے ہو۔ یا حکومتِ اسلامی کیلئے اقتدارِ اعلیٰ کی ایک قوت حاصل کرکے۔ ہی خلافتِ اسلامی قائم کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا۔ علمائے اسلام کیلئے۔ دینی تفرقہ ـــــ بحث ومناظرہ ـــــ سیاسی جماعتوں کی صورت میں امتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کرنا۔ اسطرح مسلمان نہ ہیئت مسلمہ حاصل کرسکینگے۔ نہ کوئی اپنی قوت قائم کرسکینگے۔

❁❁❁

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ II

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ سے مراد۔ اَلدِّیْنَ الْاِسْلَامَ کا بنیادی تصور۔ عبادتِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ احسان ـــــ تقویٰ کا عملی مظاہرہ ـــــ یہ مومنانہ کردار ہے۔ جس سے انسان مقامِ انسانیت حاصل کر کے ایک پاکیزہ معاشرہ سے۔ ہیئتِ مسلمہ تشکیل دیکر۔ ذلت و پستی سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ یہی دینی عمل ہے جس سے انسانی بنیادی ـــــ پیدائشی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی عمل ہے جس سے دنیاوی زندگی میں عروج حاصل ہوکر امن وسلامتی میسّر آسکتی ہے ـــــ سوائے اسکے کچھ نہیں ـــــ

انسان کسی بھی حالت میں ہو۔ اسکے لئے یہی دینی عمل (الدین الاسلام) آخرت کی زندگی میں نجات کا سبب بن سکتا ہے۔ اور دنیا کی سربلندی بھی بغیر اس عمل کے کسی صورت ممکن نہیں ہوسکتی ـــــ گویا انسان کی ذلت وپستی ـــــ غلامی سے نجات کا واحد تصور ـــــ لا الٰہ الا اللّٰہ۔ انسان اپنے عملی مظاہرہ میں عبادات وتسبیح سے۔ اپنا پاکیزہ کردار حاصل کر کے دنیا کی تمام قوتوں پر غالب آکر۔ ایک اللہ کا غلام بنکر۔ انسان کی غلامی سے نجات حاصل کرتا ہے ـــــ ہاں! انسان اللہ تعالیٰ کی غلامی میں فرار کی صورت میں اس قول (لا الٰہ الا اللّٰہ) کی بے بنیاد تاویلیں کر کے عبادات وتسبیح کے عمل سے خود کو مبرّا سمجھے۔ لیکن انسان اس حال میں کسی طرح ذلت وپستی سے نجات حاصل نہیں کرسکتا ـــــ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی کا واضح اعلان ـــــ فارمولا ـــــ پیش کردیا۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔ اللہ کے اعلان میں مضمر نتیجہ واثر کبھی مبدّل نہیں ہوسکتا ـــــ

یہ حقیقی تصور ذہن نشین کرنے کے ساتھ۔ انسان۔ پستی۔ غلامی سے نجات حاصل کرنے

میں جب تک اسی فارمولا پر اپنی آزادی کی ابتداً (بنیاد) نہ کرے۔ دنیا کے عظیم محققین کے وضع کردہ فارمولوں پر عمل کرنے سے بھی اسے مکمل آزادی ــــ اور نجات میسر نہیں آسکتی ــــ یہی وہ تصور ہے۔ جس پر مسلمانانِ ہندوستان نے ــــ ''پاکستان کا مطلب کیا ؟ لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ لگایا تھا۔ اب غور کیجیے! کہ اس نعرے کے بنیادی قدم میں کس ''عمل'' کا مظاہرہ ہونا چاہیے! یہ ''عمل'' اَلدِّیْنُ الْاِسْلَامَ کے تصور میں وضع ہوتا ہے ــــ جسکی تفسیر قرآن کے حکم۔ اور محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے تصدیق ہوتی ہے۔ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' ۔

قطعِ نظر نجاتِ آخرت کیلئے اپنے عمل کو وقف کر دینے کے۔ عبادات سے نجاتِ دنیوی۔ عروج دنیوی حاصل کرنیکے لئے بھی یہی عمل سبب بن سکتا ہے ــ اَنَّ الْاَرْضَ یُرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ تحقیق۔ صالح بندوں کو ہی زمین کی قوتوں پر غلبہ دیا جاتا ہے۔ یعنی کسی جابر قوت کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کیلئے۔ ابتدائی اقدام۔ عبادات [1] و تسبیح پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہاں! اس اقدام میں پہلے قومی حیثیت میں ''ہیئت مسلمہ'' کی صورت میں ''وحدتِ ملی'' ــ ''وحدت دینی'' ــــ وحدت قومی۔ تشکیل دینا ضروری ہے ــــ اس حال میں کہ افرادِ انسانی وحدتِ ملی۔ وحدتِ قومی کی صورت میں۔ ایک عالمگیر ہیئت مسلمہ میں عبادات و تسبیح کا عمل قائم کریں یہی عمل ہے۔ جو ابتدائے اسلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور جماعتِ صحابہ نے اختیار کر کے۔ ایک قلیل تعداد۔ قوم نے ہرقل روم کی شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیا۔ لازم ہے سنتِ نبویؐ پر عمل سے ہی اقتدار اعلےٰ حاصل ہوسکتا ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد یہ امر ذہن نشین کرنا لازمی ہے۔ کہ کسی قوم ــــ یا افرادِ انسانی کی سربلندی۔ آزادی۔ سوائے اسکے نہیں کہ اصولِ فطرت کے تابع۔ انسانی مقصدِ زندگی۔ تسبیح وعبادات کو لازم رکھنا ضروری ہے۔ برعکس اسکے کہ جس قوم نے عبادات و تسبیح کے عمل سے کوتاہی۔ روگردانی برتی۔ وہ عظیم قوت ہونے کے باوجود پستی و ذلت و غلامی کا شکار ہو جاتی ہے ــــ لہٰذا یہ امر

---

[1] عملِ صالح۔

ضروری ہے۔ کہ جابر قوتوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کا بنیادی اقدام سوائے عبادات و تسبیح کے عمل کے۔ کوئی فروعی ذریعہ کارآمد نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔

تاریخ[1] اسلام سے یہ امر واضح ہے۔ کہ خلفائے راشدین کے عہدِ خلافت کے بعد۔ خلافتِ اموی۔ خلافتِ عباسی۔ خلافتِ عثمانی۔ میں۔ اگرچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور خلفائے راشدین کے عہدِ رسالت وخلافت کے زمانہ جیسی ہیئتِ مسلمہ ۔ الدین الاسلام جیسی روحانی ہیئت محسوس نہ کی گئی۔ تاہم ان خلافتوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ علماً امت نے خلافتوں سے علیٰحدہ بھی الدین الاسلام کے علم وعمل کو انتہائی عروج پر پہنچایا ـــــ اس حال میں۔ کہ انہیں خلافتوں کی ساختہ عظیم طاقتوں کی معاونت حاصل رہی ـــ جس سبب ''خلافت'' کو خلافتِ اسلامی سے تعبیر دیا گیا۔ جس میں الدین الاسلام اور خلافت اسلامی کا غلبہ کائنات کی وسعتوں تک محیط رہا ـــ جس میں الدین الاسلام کی ہیئتِ مسلمہ ''شریعت اسلامی'' کے تصور کے ساتھ ـــ اور خلافتِ اسلامی کی حکمران ہیئت۔ خلافتِ اسلامی کی صورت میں۔ دو الگ الگ ہیئتوں میں قائم رہیں ـــ ہاں! ـــ یہاں اس امر کا تصور رکھنا ضروری ہے ـــ کہ امتِ مسلمہ میں علمائے امت کی حیثیت۔ قرآن وحدیث وفقہ واجتہاد کے اجراً کی صورت میں الگ تصور کی جاتی ہے۔ اور خلافتِ اسلامی۔ محض جہاد وحکمرانی کی حیثیت میں الگ تصور کی جاتی ہے ـــ یعنی۔ علمائے امت کا عمل۔ قرآن وحدیث کے علم وعمل کے اجراً پر موقوف رہا ـــ اور خلفائے اسلام (خلافتِ اسلامی) کا عمل باطل قوتوں کے خلاف جہاد کر کے انکی قوتوں کو پاش پاش کر کے مخلوقِ انسانی کو انکی غلامی اور آزادی کے ساتھ۔ اپنا مقصدِ انسانی۔ عبادات وتسبیح پر عامل ہوکر۔ نجات حاصل کرنا معمول رہا ـــ انہیں دو تصورات پر اسلام (الدین الاسلام) اور خلافتِ اسلامی تعبیر ہوتی ہے۔ جس میں انسان باطل قوتوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے۔ صرف اور صرف عبادات وتسبیح کا عمل آسانی

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ کریں مصنف مضمون ہذا جناب محمد نورالدین اویسی امینی کشمیریؒ کی تصنیف ''تاریخ خلافتِ اسلامی'' (شعبہ نشرواشاعت)

سے پورا کرسکتا ہے ــــ

حقیقت یہ ہے۔ کہ اسی۔ پیغمبرانہ تصور پر مسلمانانِ عالم ــــ خصوصاً مسلمانانِ پاکستان کا انگریز کی جابرقوت کے غلبہ سے نجات حاصل کرنے کے مقصد پر پاکستان کا مطلب کیا ؟ لا الٰہ الا اللّٰہ کا تصور قائم ہونا چاہیے تھا ــــ لیکن مسلمانانِ ہندوستان نے اصل تصور۔ کا نعرہ لگایا ــ مگر اس نعرہ میں اصل روح کارفرمانہ تھی۔

سب سے پہلے مسلمانانِ ہند میں آزادی حاصل کرنے سے پہلے۔ اپنی ہیئت مسلمہ کی تقویم ــ کیلئے۔ علمائے امت کو اجرائے قرآن وسنت میں مسلمانوں کو اسلامی کردار ــــ یعنی عبادات وتسبیح کا حامل بنا کر (کسی حدتک) حقیقی شریعت۔ عبادات کے عمل سے ایک مومن حیثیت قائم کرنا ضروری تھا ــــ جبکہ مسلمانانِ ہندوستان میں آزادی کی تحریک میں اس عمل کو لازم نہ سمجھا گیا۔ ظاہر ہے ایک کثیر تعداد جماعت۔ جو روزمرہ نماز ــــ اور روزہ۔ تقویٰ کے حامل نہ ہوں۔ ان میں اللہ کے احکام میں۔ تغافل۔ کوتاہی وسیع تر ہو۔ کیسے ''پاکستان کا مطلب کیا''؟ کے مقصد کو کامیاب بنانے میں انکا عمل نتیجہ خیز ہوسکتا ہے؟۔ حقیقتاً نظامِ اسلام کو جاری کرنے کیلئے۔ سنتِ نبوی کے مطابق عمل کرنے سے سوا کامیابی ممکن نہیں۔ نہ ایسا عمل نتیجہ خیز ثابت ہوسکتا ہے۔

اسلام۔ خلافتِ اسلامی۔ اور الدین الاسلام کے اجراً کیلئے۔ ایک مومن جماعت۔ جو تسبیح وعبادات کی حامل ہو۔ اقتدارِ اعلیٰ سے ہی قوت حاصل کرسکتی ہے۔ جس میں بنیادی محرک ــ قوت۔ تسبیح وعبادات ہی ہوسکتی ہے۔ جیسا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت میں ــ اصحابِ امت میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احکامات وارشادات پر عمل سے الدین الاسلام۔ کو تقویت پہنچا کر ہیئتِ مسلمہ کو تشکیل دیا۔ یہی قوتیں۔ الدین الاسلام کی ہیئت کو کائنات کی وسعتوں میں پھیلنے کا ذریعہ بن گئیں ــــ

ضروری تھا۔ کہ انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے سے قبل۔ مسلمانان ہند۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک اسلامی قوی قوت حاصل کرنے کیلئے۔ اولین عبادات وتسبیح کے حامل

(عادی) بن کر۔اہل اسلام کی ایک غالب قوت وجود میں آتی ـــــ جسکے نتیجہ میں۔اہل اسلام میں ہیئتِ مسلمہ ـــــ اقتدار اعلےٰ سے ایک اسلامی سلطنت کا وجود قائم ہوتا۔

خیال رہے۔انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے موقع پر مسلمانانِ ہند کی حیثیت ابتر تھی ـــــ ان میں ابتدائے اسلام۔مسلمانان عالم کی جیسی قوت موجود نہ تھی۔جو آزادی حاصل ہونے پر اپنی قوت سے۔اقتدار اعلےٰ حاصل کر کے ایک اسلامی خلافت (سلطنت) کا وجود قائم کر سکتے۔چنانچہ مسلمانان ہند کو۔عملی صورت میں۔ایک خالص اسلامی سلطنت بنانے کا موقع نہ مل سکا سوائے اسکے کہ۔سیاسی حیثیت میں۔انگریز ساختہ۔پاکستان۔(جس میں کسی بھی معقول ـــــ غیر معقول ساخت پائی جاتی ہو) مسلمانان ہند نے بغیر سوچے سمجھے قبول کیا۔جبکہ نصف صدی (پچاس سال کا عرصہ) گزرنے پر بھی اہل اسلام۔اکابرین اسلام اپنی ایک مسلم سلطنت بھی قائم نہ کر سکے ـــــ بدقسمتی سے اقتدار انگریز میں ـــــ انگریز کی یہ پالیسی رہی۔کہ مسلمانان ہند کو ہر سطح پر قوت ـــــ قوتِ ایمانی ـــــ جذبہ جہاد اسلامی ـــــ تسبیح وعبادات کی خصوصیات سے۔یکسر خالی کیا جائے۔تا کہ آزادی کے بعد مسلمانان عالم دوبارہ۔سابقہ جذبہ ایمانی۔جذبہ عمل سے عاری ہو کر انہیں سلطنتِ اسلامی (خلافت اسلامی) بنانے کا موقع نہ مل سکے۔گہری توجہ سے پاکستان۔اہل پاکستان کے اسلامی۔شرعی عمل کو دیکھا جائے۔پچاس سال کی طویل حکومت میں۔اہل پاکستان کا روحانی عمل مفقود ہو چکا ہے ـــــ اس حادثہ کا پس منظر یہ بھی ہے۔کہ مسلمانانِ ہند کی حیثیت۔جیسا گزشتہ بیان ہوا۔اول عہد مغلیہ میں ہی مسلمانانِ ہند۔حقیقی معنوں میں احکامِ الٰہی ـــــ احکامِ شریعت سے غافل بحیثیت مجموعی۔دینی اعمال سے غافل رہے۔جس بناء پر انکی ہیئتِ مسلمہ قائم نہ رہی۔اس بناء پر کہ انگریز نے دیدہ دانستہ مسلمانانِ ہند کی قوتِ ایمانی ختم کر کے۔ہر حیثیت میں ناکارہ بنا دیا ـــــ دوسرے علمائے امت۔اسلامی اقتدار اعلےٰ ـــــ (سلطنت مغلیہ کی قوت) ختم ہونے کی وجہ سے نان شبینہ۔کیلئے محتاج۔ذریعہ معاش کے حصول میں۔بے بس ہو گئے۔جس بناء پر بیشتر علمائے امت اجرائے قرآن وحدیث کا عمل پورا نہ کر سکے۔اس طرح مسلمانان ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی

میں۔تسبیح وعبادات کی راہیں مسدود ہوکر وہ بے عملی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ایسی صورت میں نہ ان میں ہیئت مسلمہ کی ہیئت قائم ہوسکی۔نہ انگریز کی غلامی میں مسلمان کیلئے جبکہ مسلمان۔تسبیح وعبادات سے دور ہو چکا تھا۔اقتدار اعلےٰ کی قوت حاصل کرنا قطعاً ناممکن ہوا۔انہیں دو صورتوں کے نہ ہونے کی بناٗ پر مسلمان۔سوائے نعرہ کے۔پاکستان کا مطلب کیا۔اپنی ذات سے بھی ۔اپنی ہیئتِ مسلمہ کو تشکیل دینے میں ناکام رہا ـــ کہ آزادی حاصل کرنے کے باوجود دینی اعتبار سے بےعمل ـــ لادین ـــ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه کے مقصد کو نہ پاسکا۔اسلئے کہ محققین اسلام۔لیڈرانِ اہل اسلام بذاتِ خود۔تسبیح وعبادات (نماز۔روزہ۔زکوٰۃ۔حج۔احسان۔نوافل۔رات جاگنے۔ روزہ رکھنے کے ـــ حکومتِ انگریز کے غلبہ اور سازش کی بناٗ پر) سے اکثر عاری رہے۔اس حال میں کہ بحیثیت اہل ایمان (مسلمان) انہوں نے شرائطِ اسلامی (شریعتِ محمدیؐ) پر۔عامل۔کامل رہنا نہ محسوس کیا۔نہ ضروری سمجھا۔برعکس اسکے انگریزی ساختہ تعلیم۔انگریزی وضع کردہ تعلیم۔کے علم وعمل کو ہی کامیابی کا ذریعہ سمجھکر۔الـدین الاسلام کی اہمیت (پیغمبرانہ اہمیت) کو لازم نہ سمجھا ـــ جسکا نتیجہ اہل اسلام ـــ اہل ہند کامیابی ـــ کے بنیادی اصول وضوابط پر جدوجہد کرنے کے بھی۔پاکستان کا مطلب کیا ـــ ''لاالـه الّا اللّٰـه'' کا مقصد پورا نہ کرسکے۔اور آج مسلمانانِ ہند انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے باوجود۔(دینی ـــ دنیاوی ـــ اعتبار سے) منتشر ـــ پراگندہ نظر آتے ہیں اس بناٗ پر بھی۔کہ مسلمانانِ ہندوستان۔ایک سو سال انگریزی حکومت کی غلامی۔اور (رفتہ رفتہ) ہندو کی دشمنی اور مخالفت کے باعث اصول اسلامی کی بنیاد پر ابتدائی اقدام نہ کرسکے۔وہ اصول اسلام کیا ہیں؟

وہ ابتدائے قرآنی بیان کیا ہے؟ ـــ هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ ـــ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ۔ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۲ آیت ۲)

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۲۸)

مسلمان ـــ خواہ ادنیٰ ہو ـــ یا اعلےٰ فلسفہ دان! یہ جاننا چاہیے۔کہ مسلمان کی تمام۔

ظاہری۔ باطنی۔ روحانی۔ مادی زندگی کی اساس قرآن ۔ احکام الٰہی ــــ اور احکام محمد رسول اللہ ﷺ پر قائم ہے۔ بغیر اس علم وعمل کے۔ انسان کچھ بھی چاہے۔ کچھ بھی نظریہ قائم کرے۔ بغیر اجرائے قرآن وحدیث کسی عمل کے ذریعہ کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔ جسکے لئے ایک مسلمان ــــ (نام مسلمان) کو قرآن وحدیث کا علم وعمل بہرصورت تسلیم کرنا ضروری ہے ــ خاص کر اس بنا پر بھی ۔ کہ ایک فرد انسانی کی شناخت محض ''مسلمان'' ــــ نام سے ہوتی ہے ــــ! ــــ لہٰذا ضروری ہے۔ خاص کر پاکستان کا ایک مختصر ٹکڑا حاصل کرنے والے مسلمان کی شناخت ــــ مسلمان (مسلمانان ہندوستان) سے ہی ہوتی ہے۔ جسکے لئے ایک مسلمان کے نام پر ایک عالمگیر ''علم'' قرآن وحدیث کا بنیادی علم ہی اسکی۔ دینی۔ دنیاوی۔ کامرانی کا واحد ذریعہ ہوسکتا ہے۔ جس پر ہندوستان میں۔ ایک مستقل قومی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے!

قرآن عظیم کا ایک بنیادی ''فارمولا'' ــــ!

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ــــ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ ــــ وَیُزَكِّیْهِمْ ــــ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ــــ وَالْحِكْمَةَ ط

کائنات میں سوائے اللہ کی ہدایت وراہنمائی کے کسی فرد انسانی کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسکا طریق یہ ہے بَعَثَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ۔ اللہ اپنی طرف سے ایک لیڈر (رسول) منتخب کرتا ہے۔ جسکی اطاعت اسکے بھیجے ہوئے ہدایت نامہ (القرآن) کے مطابق اپنے حصول مقصد میں کی جائے۔ سوائے اس اطاعت کے کسی صورت کامیابی نہیں ہوسکتی ــــ! پھر یہ لیڈر اپنی طرف سے کوئی منشور پیش نہیں کرتا۔ بلکہ منشور ہو ــــ تو اللہ ہی کی طرف سے ہو ــــ جسے'' قرآن '' کہا گیا۔ اور وہ لیڈر اس قرآنی منشور وآئین کی تلاوت کرتا ہے ــــ صرف پڑھکر سناتا ہے ــــ ہاں مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔ یہ رسول بھی اگر اپنی طرف سے حصول دنیا کی سربلندی کے منصوبہ میں اپنی طرف سے کچھ کہے ــــ کچھ رائے دے ــــ تو اس رائے پر بھی عمل کرو۔ یہ رسول (لیڈر) جاننے والا ہے ــــ یہ تمہیں تمہاری جسمانی ــــ روحانی کثافت دور کرکے باشعور بنائیگا۔ اسکی ہدایت پر عمل

کرو۔تو تمہیں کامیابی حاصل ہوگی۔اہلِ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے بھی۔ایک باشعور۔کامیاب منصوبہ ــــ طریقِ عمل ــــ پیش کرتا ہے۔کہ سنتِ نبوی کے تحت اسکے بنیادی اعلان قُمْ فَاَنْذِرْ پر۔ باشعور طریقہ سے کان دھرو ــــــ مکہ کے اہلِ قریش (سرمایہ داروں) کی طرح۔اس اعلان سے نفرت وانحراف کا مظاہرہ نہ کرو ــــ ورنہ دنیا وآخرت میں بھٹکتے رہو گے! خیالِ آخرت وقیامت کو ذہن سے محو نہ ہونے دو ــــ اپنی مختصر زندگی کے بعد۔ہر حال میں وارد ہونے والے عذاب کا شدت سے احساس رکھو۔لہٰذا۔ضروری ہے۔اپنی سربلندی حاصل کرنے کیلئے۔دنیوی زندگی کے ساتھ تسبیح وعبادت الدین الاسلام کا تصور شامل رکھو ــــــ خدا کی قسم بغیر اس تصور کے۔کسی عظیم فلسفی۔ لیڈر۔کسی عظیم خالقِ پاکستان کی راہنمائی سے بھی تمہیں کامیابی میسر نہ آسکیگی۔غور کرو! فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ ۔تم اس مفروضہ کو ذہن سے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔اگر تم کر سکتے ہو۔

؎ خشتِ اول گر نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

اگر معمار تعمیر کی ابتدائی اینٹ (بے مقصد) ٹیڑھی لگادے ــــــ تو بامِ ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہوتی جائیگی۔

حقیقتاً بمطابق اعلان مسلمانانِ ہندوستان ــــــ پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰــہ اِلَّا اللّٰہ ۔میں ابتدائی قدم لا الہ الا اللّٰہ ۔الدینُ الاسلام کے تصور کے ساتھ۔تسبیح وعبادت کا عمل شامل ہونا چاہیے تھا۔جو کہ بدقسمتی سے نصف صدی گزرنے پر بھی پورا نہ ہوسکا۔ضروری ہے۔کہ بحیثیت ایک (علیٰحدہ) مسلمان قوم کے اسکا مظاہرہ۔"الدین الاسلام" ــ تسبیح وعبادت کے مظاہر وعمل سے ہونا چاہیے۔سوائے اس عمل کے ہزاروں سال گزرنے کے ــ پاکستان کی کامیابی ممکن نہیں! ــــــ یاد رکھو اپنی ذات ــ اپنی اوقات کا حقیقی ــــــ اسلامی تصور پسِ پشت نہ ڈالو ــــــ یاد رکھو ــــــ لا الٰہ اِلّا اللّٰہ ــــــ سے مراد تسبیح وعبادت ہے ــــــ لا الہ ..... دھوکہ نہیں۔ بلکہ مسلمان کا شیوہ تسبیح وعبادت ہے۔مسلمان۔ہزاروں سال۔اس شیوہ سے غافل رہا ــ جسکے نتیجہ میں۔محض ہوسِ دولت وامارت میں۔خلافتِ اموی۔خلافتِ عباسی۔خلافتِ عثمانی جیسی عظیم قوتیں۔

آج بے عملی کے نتیجہ میں اپنی قوتیں کھوکر ــــ ایک دشمنِ اسلام ــــ بد باطن انگریز کی غلامی کو اپنے لئے رحمت سمجھنے پر مجبور ہو رہا ہے۔

اے اہل اسلام! اسکے لئے لمبی تقریریں۔ قرآن وحدیث کی آیتیں پڑھکر سنانا نہیں ــــ رات عبادتوں میں گزارنا نہیں ــــ جہاد بالسیف کرنا نہیں ــــ آمادہ ہو جاؤ۔ تو لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ ''حَسَنَةٌ'' حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روزمرّہ زندگی کے افعال کی اتباع کرو۔ دنیا کے شہنشاہوں میں تمہارا شمار ہوگا۔

علمائے اسلام سے گزارش ہے۔ کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی (بغیر رسالت) کی تقلید کریں۔ چھوڑ دیں سیاست کے ذریعہ دین اسلام پھیلانے کو۔ یہ اشاعت واجرائے قرآن وسنت حکومت سے نہیں ہوتی۔ بلکہ ذاتی طور۔ دیانت وعقل وشعور سے شریعتِ اسلامی کے مطابق۔ ایک مومن (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) کی حیثیت میں تسبیح وعبادت کو اپنا شعار بناؤ جس سے امتِ مسلمہ میں ہیئتِ مسلمہ کا وجود قائم ہو۔ اور تمام قومِ مسلم ایک ہی نعرہ لا الٰــہ .....ایک ہی تصور ــــ ایک ہی قرآنی نظریہ کے ساتھ اپنا ایک اسلامی وجود ــــ ہیئتِ مسلمہ۔ قائم کرنے میں کامیاب ہو۔

آمدم برسرِ مطلب:ــ

تمام علمائے امت ــــ علمائے ہندو پاکستان۔ اس اولین۔ تصورِ اسلامی پر متحد ومتفق ہو جائیں۔ کہ اسلام میں فرقہ بندی۔ جماعت بندی کا وجود ختم ہو کر۔ ایک امتِ واحد کی شکل میں۔ اسلامی ہیئتِ مسلمہ کا نفاذ ہو۔ تمام علماً ایک جماعت کی حیثیت میں۔ قرآن وحدیث کے اجراً کی اپنی ذمہ داری۔ بغیر فرقہ بندی۔ متفق ہو کر قبول کریں ــــ ایک جماعت کی حیثیت میں۔ ایک وحدتِ ملی۔ کی حیثیت میں۔ واحد ہیئتِ مسلمہ کی حیثیت میں۔ ایک مجموعی کانفرنس کسی متعینہ مقام پر۔ اپنی طرف سے تمام امت مسلمہ کو۔ ایک عمل پر متحد کر دیں۔ کہ (اسے ی تک) ہر آدمی ایک عمل پر متفق ومتحد ہو کر۔ ایک تشکیل شدہ جماعت کی تقلید واطاعت میں۔ شریعتِ اسلامی کے بنیادی اور عالمگیر۔ نظریہ پر متحد ہو کر عمل شروع کرایا جائے۔ جس میں جماعتی نظریہ کا اختلاف درمیان میں نہ لایا

جائے۔اس سلسلہ میں تمام جماعتوں کے اولوالعزم۔اکابرین علماً کے ایک ایک عالم کا انتخاب ہو۔ جو یکجا ہوکر ہر فرقہ اپنے نظریات وعقائد پر بحث سے ایک ہی قرآن وحدیث کا نظریہ متفقہ طور پر قبول کر کے ایک ہی ہیئتِ مسلمہ تشکیل دیں۔انہیں نظریات وعقائد پر تمام امتِ مسلمہ اتفاق کر کے ایک ہی متفقہ نظریہ۔کو تمام امت میں لائقِ عمل تسلیم کر کے ایک ہی ــ ''وحدت ملّی''۔ایک ہی وحدتِ مسلمہ۔ایک ہی ہیئت مسلمہ قائم کریں۔بلکہ تمام دنیا پر پھیلا دیں۔

پہلا ــ شرعی۔ابتداً عمل ــ ابتدائی اقدام!ــ

(۱)ــ افراد کسی نظریہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ان نظریات سے علیٰحدہ ہوکر۔ایک ''ہیئت مسلمہ'' کی ہر محلّہ کی مسجد میں تشکیل دی جائے۔جو اصول شریعت کے اجراً کی ذمہ داری قبول کریں۔جس میں کسی حکومتی۔مفاد کو ذہن میں نہ رکھا جائے۔محض اللہ ورسولؐ کی رضا۔اور دینِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کے سوا۔کوئی ذاتی مفاد یا نظریہ کا خیال ذہن میں نہ رکھا جائے ــــــ ہر مسجد میں ایک مومن کمیٹی بنائی جائے۔جو ایک مومن ذمہ دار کمیٹی ہو۔جسکی محلّہ کا ہر فرد۔اطاعت کی ذمہ داری قبول کرے۔جو صرف احکام دینی کی تعمیل سے تعلق رکھتا ہو ــــــ ہر محلّہ مسجد کا (امام نہیں بلکہ) امیر محلّہ کے تمام گھروں کے افراد کا جائزہ لیکر۔انکے نام (بچہ سے بوڑھے تک) رجسٹر میں درج کرے ــــــ اور بعد نماز جمعہ یا فرصت کے وقت ایک میٹنگ میں محلّہ کے تمام افراد کو وعظ میں۔کمیٹی کے اغراض ومقاصد بیان کر کے۔تمام سے حمایت حاصل کرے۔کہ کمیٹی کے اغراض و مقاصد پر ہر بچہ کو عامل بنادے۔

(۲)ــ کمیٹی کا بنیادی مقصد ــ صرف ــ محلّہ کے تمام افرادِ خانہ۔عورت۔مرد کو یہ شدت سے تلقین کی جائے۔کہ مسلمان کیلئے۔پاک جسم رہنا (ہندو یا کافر کے مقابلہ میں) ضروری ہے۔بغیر پاکیزگی جسم۔انسان۔چھوٹا بچہ ہو یا بوڑھا۔مسلمان (مومن) نہیں بن سکتا۔ہر گھر کے مرد عورت پاکیزگی کا احساس کرتے ہوئے۔خود۔اور دیگر بچوں اور افراد خانہ میں یہ احساس پیدا کردیں۔جسکا ابتدئی قدم صرف۔پاک اور پلید اشیاً۔خاص کر پانی استعمال کرنے کا پاک ہو۔جسکے لئے پیشاب کرنے کے

ساتھ۔مسلمان۔عورت۔بچہ۔بوڑھے بٹوانی کیلئے پانی استعمال کرنے کی عادت ڈالیں۔تو اسی عمل سے۔اہل اسلام میں ـــــ ہیئتِ مسلمہ۔اور وحدتِ مسلمہ کا خود بخود ظہور ہونا شروع ہو جائیگا۔اور آئندہ محلّہ مسجد کمیٹی کی مشاورت سے ایسے منصوبے پیش کئے جائیں۔جس سے تسبیح وعبادات کے عمل ہیئت مسلمہ میں عمل میں آئیں ـــــ

(۳) ـــــ اسکے بعد پاک پانی سے ہر موقع پر ہاتھ دھونا۔منہ میں کلی کرنا۔منہ دھونے سے وضو کی عادت پڑ جائے۔اور اسی عمل سے انسان نماز وعبادت کا خوگر ہو جائے۔تو انسانی عمل سے خود بخود ہیئت مسلمہ تشکیل ہو جائیگی۔جو تسبیح وعبادات کے حامل ہونگے۔

دوسرا۔اخلاق حسنہ کے ساتھ۔ایک صاحبِ عمل مومن کی صفات پر دوسرے لوگ کسی کا انتخاب کریں۔خود انتخاب کیلئے آمادہ نہ ہو۔بلکہ دوسرے لوگ ایسے فرد کو منتخب کریں۔جس سے ایک پرہیز گار جماعت (ہیئت مسلمہ) تشکیل ہو ـــــ پاکیزگی کی عادت کیلئے پہلے پیشاب کرنے کے ساتھ مٹی سے بٹوانی کرنا ضروری ہے۔اور ساتھ ہی پانی سے استنجا کرنا۔اور ہاتھ دھونا۔اس طرح پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے۔مستقلاً عادت سے بچہ سے لیکر بوڑھے تک۔عبادت کے پہلے (ابتدائی) رکن کے عمل سے آخر انسان عبادت تک خود بخود پہنچ جاتا ہے۔اسطرح عادتاً انسان منہ پر۔دہن۔ناک اور چہرے پر پانی ڈالتا ہے۔اس طرح کرنے سے۔وضو کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔وضو بھی عبادت کا ایک ابتدائی رکن ہے۔وضو کا عادی ہو جائے۔تو تھوڑی سی تبلیغ۔ہدایت سے انسان نماز پر آمادہ ہو جاتا ہے۔محلّہ میں اکثر افراد اس طرح عمل کریں۔تو مسجد میں متعینہ وقت پر حاضر۔جمع ہونے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔اور کمیٹی کے ارکان کے وعظ سننے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔اس طرح محلّہ کی مسجد میں۔اکثر افراد جماعت کی شکل میں نمازی۔(صاحب تسبیح وعبادت) ہو جاتے ہیں۔جب محلّہ کے افراد مسجد سے تعلق رکھکر۔پانچ وقت یا صبح شام اکٹھے ہو کر۔نماز ادا کریں۔تو انکے خیالات۔عقائد۔نظریات ایک جیسے ہوں۔تو ان میں اتحاد۔محبت۔ہم خیالی۔نفاق سے دور ہونے کا جذبہ پیدا ہو کر۔ایک جماعت۔مشکل امور میں متفقہ طور کامیاب ہو جاتی ہے۔یہی کیفیت ابتدائی طور

''ہیئت مسلمہ'' (اسلامی جماعت) سے تعبیر ہوتی ہے۔اور مسجد میں اجتماع سے ارکانِ کمیٹی۔محلّہ کے تنازعات آپس میں طے کر کے عدالتوں۔اور پولیس کے جبر وظلم سے نجات دلا سکتے ہیں۔افرادِ قوم۔ قانون وجرم۔سزا کی دستبرد سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔عدالتوں میں۔ججوں کی پیشی۔وکیلوں کی ہر وقت خدمت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ایک محلّہ کے افراد۔آپس میں ایک دوسرے کی مدد ـــــ ''اپنی مدد آپ'' کے طریقہ سے اپنے بہت سے امور جس میں حکومت سے مدد مانگنے کا موقع نہیں آتا حل کر سکتے ہیں۔حکومت کیلئے بھی ایک اتحادی جماعت سے آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور حکومت اور عوام مل کر ایک اسلامی جماعت۔ہیئتِ مسلمہ یا خلافت اسلامی یا سلطنتِ اسلامی سے منسوب ہوتی ہے۔

ایسے موقع پر جب۔محلّہ سے۔شہر۔شہر سے ملک اس جماعت سے منسلک ہو کر ایک ہی خیال۔ایک ہی نظریہ۔ایک ہی مفاد۔ایک ہی مطالبہ (Demand) پر آجائے تو سارا ملک ایک ہی مقصد ـــــ ''پاکستان کا مطلب کیا''؟ لا الٰہ الّا اللّٰہ کا مظاہرہ کرتا ہے۔تو اس سے حصولِ پاکستان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔یہی پاکستان ـــــ منتشر پاکستان ـــــ ایک دوسرے سے منتشر پاکستان۔ایک ہیئت مسلمہ کی شکل میں۔حکومت وعوام متحدہ طور۔ایک مقصد ـــــ حکومتِ اسلامی ـــــ یا خلافتِ اسلامی کہہ سکتے ہیں ـــــ ایک اسلامی ہیئت مسلمہ کی شکل میں اپنی ذات کو ـــــ ''مومن'' ـــــ یا ''مسلمان'' کی شناخت سے نمایاں ہو کر۔اپنے وجود کو دنیا کی طاقتوں سے منوا سکتے ہیں۔اور اسی عمل سے۔قرونِ اولیٰ کی۔خلافتوں۔خلافتِ عباسی۔خلافتِ عثمانی۔خلافت اموی کی شان حاصل کر کے اسلامی عظمت کا پھر سے مظاہرہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے ـــــ

قرونِ اولیٰ کی خلافتوں کی خصوصیت کیا تھی؟ ـــــ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتِ نبوی میں وضع کردہ ـــــ ''خلافت'' جس میں قرآن وحدیث پر کاملاً عمل۔فرقہ بندی سے پاک۔خلیفۃ المسلمین (یا خلیفۃ المومنین) اور امتِ مسلمہ (جہاں تک تسبیح وعبادت کا عمل جاری رہا) ایک ہیئت مسلمہ سے تعبیر تھی۔جب تک انکی ہیئت ـــــ ہیئتِ اسلامی ـــــ تمام دنیا پر غالب رہی۔اور جب

امت مسلمہ۔خلفاً نے تسبیح وعبادت ۔اصولِ اسلامی سے انحراف کرنا شروع کیا۔یہی غالب طاقتیں منتشر ہوکر فرقوں ۔قوموں ۔سلطنتوں میں بٹ کر ایک دوسرے کوزیر کرنے میں اپنی قوت کواستعمال کرنا شروع کیا۔اوراہل یورپ نے محض مادی قوت کا سہارا لیکر انہیں خدائی مجاہدین کومغلوب کر کے تاعمر اپنا غلام بنالیا ـــــ ہاں! وہ تسبیح وعبادات اصول وضابطۂ اسلامی سے منحرف ہوگئے ـــــ ہاں اندازہ کیجئے۔تسبیح وعبادت کس عمل سے تعبیر ہے۔جس سے اہل اسلام محروم ہو چکے ہیں؟ ـــــ قرآن اس حقیقت کا بنیادی تصور پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ـــ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ ـــ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط ـــ تسبیح کرتے ہیں واسطے اس (اللّٰہ) کے سات آسمان اورزمین اور جو کچھ ان میں (مخلوق نوری۔ومادی) ہے۔ ہاں! ـــ نہیں کوئی شے۔کیفیت ـــ وجود ـــــ مگر تسبیح کرتی ہے ـــــ عبادت کرتی ہے ـــــ مخلوقیت کا مظاہرہ کرتی ہے ـــــ خالقیت کی نشاندہی کرتی ہے۔اپنے وجودِ مخلوق کی پہچان سے ـــــ ایک خالق کی دلیل پیش کرتی ہے۔لیکن تم اتنی وسعت کے ساتھ ان کیفیات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔! ہاں۔اے۔انسان! تم یہ گمان نہ کرو۔کہ صبح اٹھتے ہی Dady Good Morning کہہ کر تم نے اپنی زندگی کا فریضہ ادا کر دیا! ایسا نہیں۔الٰہی قانونِ فطرت یہ ہے۔کہ کوئی بھی ہو۔صبح کی اذان سنتے ہی۔اس نے۔رفع حاجت سے فارغ ہوکر۔استنجا کرنا ہے۔وضو مکمل کرنا ہے ـــــ اللہ کے حضور حاضر ہوکر۔نماز ادا کرنی ہے۔اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار ہونا ہے۔فیکٹری میں جا کر کسی عام آدمی کو اپنا غلام نہیں سمجھنا۔اس حال میں۔انسان کسی طرح بھی۔اپنی مرضی۔اپنی خواہش سے کچھ بھی نہ استعمال کرے۔نہ اپنا سمجھے۔بلکہ اللہ کی عنایت سمجھے۔کسی کے حق کو غصب نہ کرے۔اپنا نہ سمجھے۔وغیرہ! ـــ اپنی طاقت۔اپنی دولت پر کسی فردِ انسانی کو کمتر سمجھ کر اس پر اپنا حکم نہ چلائے ـــ اسکی مدد۔خدمت کرے ـــ خود کو ایک غلام ـــــ اللہ کا خود پیدا کردہ انسان سمجھکر۔اسکی پوری اطاعت کرے۔ہر انسان ایسا ہی خیال کرے ـــــ سمجھے ـــ تو کسی کو کسی سے نقصان نہ پہنچیگا۔

امن سے رہیگا ــ سلامتی سے رہیگا ــــ یہی تعبیر تسبیح کی ہے جس میں خاص مقام ــ صبح جسم سے پاکیزہ ہونا۔ ہاں ! ضروری عمل وضو کرنا۔ منہ ہاتھ دھونا۔ اپنے آقا۔ اللہ کے حضور حاضر ہو کر نماز پڑھتے سجدہ ریز ہونا۔ انتہائی ضروری عمل ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ۔ کائناتِ نوری۔ ناری خاکی کا کوئی ایسا وجود نہیں۔ جو اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنی اطاعت کا اظہار۔ نماز سے کرتا نہ ہو۔ اس حال میں کہ وہ اپنا مقام انسانیت۔ جان لیتا ہے۔ پہچان لیتا ہے۔ عقلمندی سے جان لیتا ہے۔ کہ بحیثیت انسان مجھ پر کیا ذمہ داری ہے۔ اسے پورا کرتا ہے۔ یہی کیفیت تسبیح و عبادت سے تعبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی نافرمانی ۔ گمراہی پر۔ ہر موقع پر انسان کی ہدایت ــــ تسبیح وعبادت کیلئے ایک رسول بھیجا۔ اس رسول نے اول اپنی ذات سے تسبیح وعبادت ــ وضو ــ نماز ــ روزہ ــ زکوٰۃ ۔ احسان ۔ عجز کا مظاہرہ کیا۔ اور انسان کو اسی عمل کی ترغیب دی ــــ ہاں ! سوائے اسکے ــــ دنیا کی تاریخ چھان لو ــ ہر پیغمبر نے۔ اسی عمل سے باطل قوتوں پر غالب آکر کائنات پر اپنا اقتدار وغلبہ ــــ غلبۂ انسانیت۔ حاصل کیا ــ ہاں ــ یہی کیفیت ۔ تسبیح و عبادت سے تعبیر ہے۔ یہی تسبیح وعبادت ۔ ہر انسان کا بنیادی عمل ہے ــــ یہ نہ جانو ! ــــ ٹینک۔ بندوق ۔ کلاشنکوف۔ گرنیڈ ۔ ایٹم بم اصل ذریعہ۔ اقتدار وغلبہ کا ہے ــ غلط سوچ ہے ! اس ذریعہ اقتدار کا نتیجہ انسان کی تباہی ہے۔ سوائے ۔ تسبیح وحمد۔ عبادت ایک بے ضرر حربہ ہے۔ جس عمل سے ہر انسان امن وسلامتی سے بہرہ ور ــ ہوسکتا ہے۔

مشاہدہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

مشاہدہ کیا چیز ہے؟ اور کیسے ہوتا ہے؟ اسکے لئے ہم نے نفس انسانی کا تجزیہ کرنا ہے۔ کہ انسان کیا چیز ہے؟ کن چیزوں سے مرکب ہے؟ اسکے وجود میں علم حاصل کرنے کیلئے کیا کیا خاصیتیں پائی جاتی ہیں؟ انسان میں کون سے ایسے قویٰ ہیں جن پر اسکے نیک و بد افعال کا اثر پڑتا ہے؟ اور انسان کے افعال کا اثر انسان پر کس طرح پڑتا ہے؟

انسان کے وجود کا باریک نظروں سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کا مادی جسم فطرۃ کی کاریگری کا ایک بے مثل نمونہ ہے۔ اسکے گوشت کے ایک ذرہ کی تخلیق (نشو ونما) پر بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے ایک بال یا گوشت (انگلی کی ایک پور) کی بناوٹ میں بھی ایک عظیم الشان تقویم کارفرما نظر آتی ہے۔ یعنی جسم کا ہر ذرہ ایک منضبط نظام ایک مکمل مشینری کی مانند بنتا ہے اور انسان کے جسم کا ہر ذرّہ اپنی بناوٹ میں حد درجہ دلچسپی رکھتا ہے۔ انسانی مشینری میں لا انتہا۔ انتظامات موجود ہیں جو اسکی بناوٹ میں اپنے موقع و محل پر اپنا کام علے الترتیب بغیر کسی روکاوٹ کے جاری رکھتے ہیں۔ اور خصوصاً انسانی شرافتِ مخلوقاتی میں اسکا تعقل (دماغ) بھی لا انتہا کیفیتیں اپنے میں رکھتا ہے۔

انسانی مشاہدۂ علمی اسی دماغ سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں تعقل کے ساتھ حواس خمسہ بھی شامل ہیں۔ یعنی کسی شے کے علم و مشاہدہ کیلئے انسان میں پانچ خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ قوتیں (۱) باصرہ (دیکھنے کی قوت)۔ (۲) سامعہ (سننے کی قوت)۔ (۳) لامسہ (چھونے کی قوت)۔ (۴)

شامہ (سونگھنے کی قوت)۔(۵) ذائقہ (چکھنے کی قوت)۔انہیں پانچ قوتوں (خاصیتوں) کے ذریعہ انسان ہر کیفیت کا علم حاصل کر لیتا ہے۔سامع کیلئے کان ہیں۔باصرہ کیلئے آنکھ ہے۔لامسہ کیلئے ہمارے جسم کا ہر حصہ جس میں ہمارے رگ و پٹھے موجود ہیں۔شامہ کیلئے ناک اور ذائقہ کیلئے زبان ہے۔ان قوتوں کے احاطہ میں آنے والی اشیاٗ میں کوئی ایسی مادی شے باقی نہیں رہتی جو مادی ہیئت میں ہو اور اِنکے احاطہ میں نہ آتی ہو۔اسکے علاوہ اگر کائنات میں کوئی ایسی شے جو مادی ہیئت میں ہو لیکن حواس کے احاطہ میں نہ آسکے تو اسکی وجہ یہ ہوگی کہ وہ شے لطیف ہیئت میں ہوگی۔اور اپنا عکس مادہ کے مقابلہ میں کم دیتی ہوگی۔یعنی وہ شے جو ان قویٰ کے احاطہ میں نہیں آتی مادہ کی پوری کیفیت میں نہیں پائی جاتی۔مادہ کے سوا اگر کوئی شے موجود ہے۔اور اسکا وجود حواس خمسہ نہیں پا سکتے ہیں۔تو اسکا مطلب یہ ہوگا۔کہ اس مادہ کے علاوہ بھی کوئی ایسی کیفیت ہو سکتی ہے۔جو حواس کے احاطہ میں نہیں آسکتی جب تک کہ اسکے پانے کیلئے کوئی لطیف ذریعہ حاصل نہ کیا جائے۔گویا ہر وہ شے جو مادہ کی پوری کیفیت اپنے میں نہ رکھتی ہو لطیف کہلاتی ہے۔اور ان قوائے ظاہری کے احاطہ میں نہیں آسکتی۔لطیف سے مراد یہ ہے۔کہ وہ شے جو حواس کے احاطہ میں نہ آئے۔اور حجم میں باریک تر ہو۔لیکن قوت میں مادہ سے زیادہ طاقت رکھنے والی (باالفاظ دیگر الیکٹرک سٹی) ہو یعنی جواہراتی وجود کے اعتبار سے یہ اشیاٗ قلیل ہیئت میں ہوں۔اور مادہ سے زیادہ طاقت رکھتی ہوں۔تجربات سے ثابت ہو چکا ہے۔کہ مادہ خود نہ ہیئت تبدیل کرتا ہے۔نہ کسی شے کی ہیئت تبدیل کر سکتا ہے۔بلکہ مادہ سے قوی جوہر ہی اس میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔بلکہ وہ شے جو مادہ کی ہیئت کو تبدیل کرنے والی ہو۔خود مادہ بھی اسی کی ایک جزوی ہیئت ہوتی ہے۔ایسی اشیاٗ جو ہیئت تبدیل کرنے والی ہوں اور کرانے والی ہوں لطیف کہلاتی ہیں۔اور جب یہ قوتیں اپنی ابتدائی ہیئتوں میں واقع ہوتی ہیں۔مادہ سے خالی ایک تیز اور تابانی (نورانی) ہیئتوں میں ہوتی ہیں۔جنہیں نورانی (روشن) ہیئت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔گویا اس کائنات خلقت میں دو قسم کی ہیئتیں پائی جاتی ہیں۔جو اپنی بناوٹ کے اعتبار سے ایک (مادی) ہیئت ان حواس خمسہ کے احاطہ میں آتی ہے۔اور دوسری (نورانی) ہیئت حواس کے احاطہ میں نہیں

آسکتی۔لیکن وہ (نورانی) ہیئتیں جو مادہ کے قریب ہوں مادی ذرائع سے انہیں حواس کے احاطہ میں لایا جاسکتا ہے۔مثلاً وہ ذرّات جو کائنات کی تخلیق میں لازم وملزوم اور قریبی تعلق رکھتے ہیں۔اگرچہ دیکھنے چھونے میں نہیں آتے۔البتہ دوربینی آلات کے ذریعہ محسوس کئے جاتے ہیں۔لیکن ہر واقعہ کیلئے ایک علت (ابتدائی وجود) ضروری ہے۔اسلئے ایسے وجود جو مادہ سے بہت دور اپنی ابتدائی حالت میں واقع ہیں۔انکا وجود بھی بیحد لطیف اور تیزی۔تابانی میں اسقدر قوی ہوسکتا ہے۔جو کسی مادی ذریعہ کے احاطہ میں بھی نہیں آسکتا۔جب تک کہ اِنکی ہیئتوں کے مطابق نورانی ذرائع حاصل نہ کئے جائیں۔

دنیا میں انسانی مشاہدہ کیلئے حواس خمسہ ہی ہیں۔جو ٹھوس اشیاً کو اپنے احاطہ میں لیکر انسانی علم کیلئے ذریعہ بنتے ہیں۔ان حواس کا رابطہ ہمارے تعقل سے ہے۔اور ہمارا تعقل انہیں حواس کے ذریعہ آگاہ ہوتا ہے۔ہمارا تعقل کیا ہے؟ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسانی کاسہ سر میں ایک حصہ ہے جسے دماغ (Brain) کہتے ہیں۔ان تمام حواس کا تعلق اسی دماغ سے ہے۔لہٰذا ہر کیفیت کی ہیئت وعلم کیلئے۔حواس ایک کیفیت کو دماغ تک پہنچاتے ہیں۔اور دماغ کے آگاہ ہونے سے ہی انسان کو کسی شے کی ہیئت وکیفیت کا علم ہوجاتا ہے۔جب یہ ترسیل اپنی اصلی ہیئت میں ظاہر ہوجاتی ہے۔تو اسے مشاہدہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔مشاہدہ کیلئے جہاں تک مادّہ کا تعلق ہے۔تمام مادی اشیاً کی ہیئت وکیفیت حواس خمسہ دماغ تک نہ پہنچائیں۔انسان کسی شے کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔گویا حواس ہی کیفیات کو دماغ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔اور دماغ انسانی آگاہی کا ایک آلہ ہے۔ان حواس خمسہ میں ہر حس (قوت) سے علم حاصل کرنے کا ایک ایک طریقہ ہے۔

باصرہ۱: دیکھنے کی قوت۔یعنی جب آنکھ کسی ہیئت وکیفیت کو دیکھتی ہے۔تو اسکا عکس دماغ تک پہنچتا ہے۔دماغ کے واقف ہونے سے آنکھ کا مشاہدہ مکمل ہوجاتا ہے۔سامع۲: سننے کی قوت: جب کان سنتے ہیں اور خبر دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔تو سمع (سننے) کا مشاہدہ مکمل ہوجاتا ہے۔لامسہ۳ ۔جب کوئی شے چھونے میں آتی ہے۔اِسکی خبر دماغ تک جاتی ہے۔تو چھونے کا مشاہدہ مکمل ہوجاتا

ہے۔اسی طرح شامہ۴ اور ذائقہ۵ کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔لیکن دماغ کیسے آگاہ ہوتا ہے؟

محققین مغرب نے دماغ کا تجزیہ کرنے کے بعد دماغ کے چند حصص (حصے) بتائے ہیں۔اوران حواس خمسہ کا تعلق دماغ کے انہیں حصص سے براہ راست ہونا بتایا ہے۔انہوں نے دماغ کے تین حصے بتائے ہیں۔

(۱)حصۂ بصارت:Area of Sight: یہ حصہ دماغ کے پچھلے حصہ کی طرف یعنی گردن کی طرف ہوتا ہے۔

(۲)حرکت کا حصہ:Motor Area: یہ حصہ درمیان میں (Area of Sight) سے ملا ہوا ہوتا ہے۔

(۳)تعقل کا حصہ:Psychic Area: یہ حصہ باقی دماغ کا ماتھے کی طرف کا حصہ ہوتا ہے۔جس پر انسانی علم کا تمام دارومدار ہے۔

حِصۂ بصارت کا کام یہ ہے۔کہ یہ آنکھوں کے ذریعہ پہنچے ہوئے عکس کو لیکر انسان کو کسی شے یا واقعہ کا ادراک کراتا ہے۔محققین مغرب نے انسان کے دیکھنے کیلئے کئی صورتوں کا ہونا تجربہ کیا ہے۔یعنی انسان کا دیکھنا صرف اسکی آنکھ پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ آنکھ بیرونی اشیاً اور واقعات کے عکس لینے کا صرف ایک آلہ ہے۔جسکے ذریعہ انسانی ذہن واقعات وکیفیات حاصل کر لیتا ہے۔

انسان جب کسی شے یا ماحول کو دیکھتا ہے۔تو اسکی ترکیب یوں بتائی جاتی ہے کہ کسی مادی شے اور انسان کے درمیان جو فضا واقع ہے اس میں لطیف قسم کے ذرّات (Ether) پائے جاتے ہیں۔انہیں ذرات کے وسیلہ سے ایک چیز کا عکس آنکھ کے بیرونی حصہ Eye Ball تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ ذرّات فضا میں موجود نہ ہوں تو آنکھ کسی شے کا عکس حاصل نہ کرسکیگی۔Eye Ball (آنکھ کی پتلی) سے اندر ایک اور پردہ ہوتا ہے جس پر دونوں آنکھوں کا عکس (ایک شے کا) زاویہ میں الٹا (X) پڑتا ہے جسے Retina کہتے ہیں۔اور Retina سے یہ عکس گزرتا ہوا دماغ کے اس حصہ پر پڑتا ہے جسے Area of Sight (حصہ بصارت) کہتے ہیں۔یہ حصہ اگرچہ دماغ سے متعلق ہے۔

لیکن جب تک تعقل Psychic Area تک حصہ بصارت سے عکس نہ پہنچے۔انسانی ادراک اس شے کے مشاہدہ سے بے خبر رہتا ہے۔ حصہ بصارت (Area of Sight) سے جو عکس Psychic Area تک پہنچتا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اوقات انسان کسی شے کے دیکھنے اور سمجھنے میں دھوکہ کھا کر ایک غلط نقشہ اخذ کرتا ہے۔ جسے وہم اور خیال کہتے ہیں۔ محققین مغرب نے Psychic Area کو ہی اس کیفیت کا حامل قرار دیا ہے۔ بہر حال آنکھ کا دیکھنا انہیں صورتوں میں مکمل ہوتا ہے۔

حصۂ حرکت۔Motor Area۔ کا کام یہ ہے۔کہ یہ حصہ انسانی اعصاب سے متعلق ہے۔اور انسان کی تمام حرکات ۔اور چھونا اسی سے وابستہ ہے۔یعنی Motor Area کا تعلق ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ہے۔کیونکہ انسانی جسم کی تمام رگیں۔Nerves ریڑھ کی ہڈی کے بیچ میں سے اسکے ساتھ جا ملتے ہیں۔اور جس طرح انسانی خواہش کے مطابق حرکت کی جائے۔اسی انداز سے۔دماغ کا یہ حصہ رگوں پٹھوں کو کھینچتا ہے۔ چونکہ انسان میں چھونے کی طاقت نسوں اور پٹھوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔اسلئے قوتِ حس بھی اسی حصہ سے متعلق ہے۔

تعقل کا حصہ:Psychic Area ۔ یہ حصہ انسانی جسم میں حکمران کی حیثیت رکھتا ہے۔انسان کے ہر فعل اور ہر ادراک کا تعلق اسی حصۂ دماغ سے ہے۔اس حصہ کی حیثیت یہ ہے۔کہ اگر یہ حصہ دماغ حواس کے ذریعہ پہنچائے ہوئے واقعات سے آگاہ نہ ہو تو انسان کسی علم سے واقف نہیں ہوسکتا۔گویا انسان کے تمام تر علم کا دارومدار اسی حصۂ دماغ سے ہے۔یہی حصۂ دماغ حواس خمسہ کے ذریعہ واقعات سے خبر پا کر بعد انسان کو حرکت کی تحریک دیتا ہے۔اور انسان اسی کے حکم سے حرکت کرنے لگتا ہے۔

اسی حصۂ دماغ کے حکمران اور ذریعہ علم ہونے کے باوجود اسکی کیفیت یہ ہے۔کہ اسکے علم کا دارومدار خود حواس خمسہ پر ہی ہے۔یعنی اگر حواس کسی کیفیت کو اس حصہ دماغ تک نہ پہنچائیں تو یہ ہر علم سے بے خبر رہیگا۔بالفاظ دیگر یہ حکمران حصہ بجائے خود پانچ ممبروں کی کیبنٹ (حواس خمسہ) کا

محتاج رہتا ہے۔ تیسری کیفیت یہ ہے کہ جس قسم کی کیفیت حواس خمسہ اس تک پہنچائیں۔ یہ ان واقعات میں اصل ونقل کی تمیز نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہرارسال شدہ کیفیت پر ''جی ہاں!'' کہتا ہے۔ حواس خمسہ سے آمدہ اطلاعات جب دماغ تک پہنچتی ہیں۔ تو ان میں بعض ایسے واقعات ہوتے ہیں جنہیں دماغ غلط انداز سے پالیتا ہے۔ ان واقعات کو وہم یا خیال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان واقعات کے غلط ہونے کا سبب یہی حصہ دماغ Psychic Area بتایا جاتا ہے کیوں کہ دماغ کے ان تین حصص (۱) حصہ بصارت Area of Sight (۲) حصہ حرکت Motor Area (۳) Psychic Area عقل ہی تجربات میں مشاہدہ کئے گئے ہیں۔ یہ تجربات مغربی محققین کی تحقیق ہے۔ حکماً متقدمین۔ میں یونانی فلاسفہ نے دماغ کے کئی زائد حصص بھی بتائے ہیں۔ لیکن کسی حصہ کی تکمیل ابھی تک دلیلاً ثابت نہیں کی گئی ہے۔ البتہ فی زمانہ مشاہدات کی رو سے۔ اسلامی محققین نے اس تیسرے حصے (Psychic Area) دماغ کے تین علیٰحدہ علیٰحدہ حصے بتائے ہیں۔ جنہیں (۱) واہمہ (۲) حافظہ (۳) حس مشترک کے نام سے تعبیر دیا گیا ہے۔

حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل کردہ کیفیات جب دماغ تک پہنچ جاتی ہیں۔ تو بعض اوقات یہ غلط انداز میں ہوتی ہیں۔ تعقل کی کیفیت اصلی تو یہ ہے۔ کہ وہ انکی کیفیات کی اصل ونقل میں تمیز نہیں کرسکتا ہے۔ تو لازمی ہے کہ Psychic Area میں ایسے دو حصص ضروری ہوں جو ان کیفیتوں کو غلط انداز میں حاصل کر لیتے ہیں یا خود اسکی غلط شکل پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ حواس خمسہ کی کیفیت بھی ایسی ہے۔ کہ وہ ہر کیفیت کو اسکی اصلی ہیئت میں حاصل کر کے Psychic Area تک پہنچاتے ہیں۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس حصہ دماغ Psychic Area میں دو ایسے حصص خصوصی ہیں جو حواس خمسہ سے حاصل کردہ کیفیتوں کو غلط ہیئت دیکر تعقل کو پہنچاتے ہیں۔ اور تعقل ہی وہ واحد حصہ ہے جسے حکمران حصۂ دماغ کہا جاسکتا ہے۔ باقی دو حصص اپنی خاصیت کے اعتبار سے واہمہ۔ حافظہ سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ اوران تینوں حصص کا اپنا اپنا علیٰحدہ کام مقرر ہوتا ہے۔ یعنی اسکی ترکیب یوں ہوسکتی ہے۔ کہ حواس مادی اشیاً اور کیفیات کے واقعات کو واہمہ تک

پہنچاتے ہیں۔ واہمہ۔ حافظہ تک پہنچاتا ہے۔ اور حافظہ ہی حواس کی تمام کیفیات کو حس مشترک تک پہنچا کر انسانی علم کی تکمیل کرتا ہے۔ واہمہ۔ حافظہ بجائے خود مکمل حصص ہیں۔ جو ہر خبر کو اسکی اپنی حالت میں (جو حواس خمسہ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے) حسِ مشترک تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن ان میں کسی کمزوری کے واقع ہونے سے۔ یہ حواس سے حاصل کردہ کیفیت کو غلط نقوش دیکر حسِ مشترک کو پہنچاتے ہیں جسے ''وہم'' اور ''خیال'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر۔ آنکھ دیکھتی ہے۔ تو یہ عکس Area of Sight تک پہنچتا ہے Area of Sight سے واہمہ عکس پذیر ہوتا ہے۔ واہمہ آنکھ کی دیکھی ہوئی کیفیت کا ایک نام اور رنگ منتخب کرتا ہے۔ اور واہمہ سے حافظہ عکس پذیر ہوتا ہے۔ جو اسے اپنے خزانے میں جمع کرتا ہے۔ اور اسی خزانہ سے حس مشترک عکس پذیر ہوتی ہے۔ تو آنکھ سے دیکھی ہوئی کیفیت کا علم اسی ترتیب سے مشاہدہ میں آجاتا ہے۔ گویا واہمہ۔ حافظہ جس نام و رنگت (ہیئت) میں حواس سے حاصل کی ہوئی کیفیت کو اخذ کر لیتے ہیں۔ وہی کیفیت حس مشترک کے سامنے آجاتی ہے۔ اگر واہمہ حافظہ کمزور ہوں تو یہ حواس کی بہم شدہ کیفیت کو غلط نام و رنگ دیکر حسِ مشترک کو پہنچاتے ہیں۔ تو یہ مشاہدہ وہم اور خیال سے موسوم ہوگا۔ مثال کے طور پر

دور مقام سے فضائی ذرات (ایثر) ایک شے کا عکس آنکھ کے Eye Ball (پتلی) تک پہنچاتے ہیں۔ آنکھ اس چیز کی طرف رجوع (دیکھتی) ہوتی ہے۔ یہ عکس پتلی سے گزرتا ہوا Retina پر الٹا پڑتا ہے۔ وہاں سے یہ عکس Area of Sight (دماغ کا حصۂ نظر) پر پہنچتا ہے۔ ابھی تک اسکا کوئی نام و رنگ (ہیئت) مقرر نہیں ہوتا ہے۔ گویا آنکھ سے دیکھنے کی صورت میں انسان کو کسی شے کا علم نہیں ہوتا بلکہ آنکھ کسی علم کو مرکز تک پہنچانے کا صرف ایک آلہ کا کام دیتی ہے۔ Area of Sight سے Psychic Area یعنی دماغ کا وہمی حصہ (واہمہ) یہ عکس حاصل کرتا ہے۔ واہمہ تک اس عکس کے پہنچنے پر اسکی ہیئت کی کیفیت کا نام دیا جاتا ہے۔ کہ دور مقام پر ایک ''انسان سفید لباس میں کھڑا ہے'' آنکھ اپنی اصلی قوت کے ساتھ اسکا عکس Area of Sight تک پہنچاتی ہے Area of Sight سے واہمہ عکس پذیر ہوتا ہے۔ لیکن حصہ بصارت تک پہنچنے

تک اس شے کا کوئی نام ورنگ نہیں دیا جاتا۔ بلکہ واہمہ کے عکس پذیر ہونے سے واہمہ ہی اسکا نام و رنگ مقرر کرتا ہے۔ کیونکہ واہمہ کا کام یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی شے کی ہیئت کو اسکی اصلی کیفیت میں اخذ کرے۔ اور واہمہ میں جب اس شے کا نام ورنگ مقرر کیا جاتا ہے۔ تو واہمہ سے حافظہ اخذ پذیر ہوتا ہے۔ حافظہ اپنے جمع شدہ خزانے میں سے اس آنے والی کیفیت یا ہیئت کو مشابہت دیکر اسکے نام ورنگ کی تصدیق کرتا ہے۔ اس تصدیق کے ساتھ حسِ مشترک [1] کے سامنے یہ چیز آجاتی ہے۔ جیسی کیفیت حافظہ پر منقش ہوتی ہے۔ حس مشترک میں ''تعقل'' اسے اسی حالت میں بغیر کسی دلیل وحجت کے قبول کرلیتا ہے۔ کہ دور مقام پر ''ایک انسان سفید لباس میں کھڑا ہے''۔ یہ بات واضح ہو کہ حواس خمسہ اپنی ہر ترسیل کو واہمہ تک پہنچاتے ہیں۔ واہمہ اور حافظہ ہی دماغ کے وہ حصے ہیں جو انسان کو کسی چیز کی ماہیت وکیفیت سے آگاہ کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اور انسانی تمام علم کا محافظ صرف حافظہ ہی ہوتا ہے۔ جسقدر علم حافظہ حسِ مشترک کو پہنچائے اسی قدر آگاہی عقل کے ذریعہ انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ لیکن انسان کی آگاہی اسوقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک عقل اس علم سے آگاہ نہ ہو۔ حواس خمسہ جو کچھ واہمہ تک پہنچاتے ہیں اس وقت انسان علم حاصل نہیں کرتا۔ بلکہ حواس خمسہ علم کو حس مشترک تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ جب حواس کے ذریعہ واہمہ تک علم پہنچتا ہے۔ تو بھی انسانی علم مکمل نہیں ہوتا۔ جب حافظہ یہ علم محفوظ کرلیتا ہے۔ تو بھی انسانی ادراک ایک علم کو حافظہ سے عکس پذیر ہوکر آگاہ ہوتا ہے۔ علم کی کیفیت سے انسان کو تب ہی آگاہی ہوتی ہے جب بذاتِ خود حس مشترک اس علم سے آگاہ ہو (عکس پذیر ہو) اگر تعقل اس قابل نہ ہو کہ وہ حافظہ سے علم کا عکس حاصل کرسکے تو انسان ہر شے کی کیفیت سے لاعلم ہی رہیگا۔

فطرت نے انسان کو ایک مکمل نظام کے تحت اَحْسَنِ تَقْوِیْم ۔ بہتر بنیادوں پر خوبصورت طریقہ وترتیب پر ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ تک ارتقاء کرنے کے سامان پیدا کئے ہیں۔ اسکے حواس۔

---

[1] یہ حصہ دو قویٰ سے مرکب ہے (۱) عقل (۲) شعور۔ (شعبہ نشر واشاعت)

اسکا دماغ اور اسکے تمام اعضاً مکمل بنائے ہیں۔ کیونکہ انسان اشرف المخلوقات اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے۔ اسلئے اسکی تکمیل بھی احسن طریقہ پر ہونی لازمی ہے۔ لیکن مشاہدہ میں آیا ہے۔ کہ اکثر انسان اپنی بناوٹ میں کمزور بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ جس طرح انسان فطری طور اپنے سلف کے تاثرات حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح یہ کمزوریاں بھی اپنے اجداد یا والدین سے پا لیتا ہے۔ انسان تو مکمل صورت حاصل کر چکا ہے۔ لیکن اسکا معذور ہونا۔ اندھا۔ لنگڑا ہونا اسکے والدین کے اس مواد کی کمزوری کا ہونا ہے۔ جس سے مادی حیثیت میں انسان کی پیدائش کا دارومدار ہے۔ اسکے بعد اگر انسان ایک قوی ہیئت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور بعد میں اس میں اسی قسم کے نقائص واقع ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی کچھ تو فطری طور والدین کے مواد (ذرات جسمانی) کی کمزوری اور کچھ انسان کے ذاتی افعال کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔ اسی صورت میں اگر انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ تو وہ بھی فطرت کے اصول کے مطابق۔ قوانین فطرت کی عدم توجہی کے باعث ہوتا ہے۔ ورنہ انسان ہر حال میں اشرف المخلوقات انسان ہے۔

جب تک انسان اپنے فطری وجود پر قائم رہے۔ تو اسکا علم خالص اور صحیح ہوگا۔ حواس خمسہ سے جو کچھ حاصل ہوگا اپنی اصلی کیفیت میں حاصل ہوگا۔ واہمہ حافظہ بھی اپنی اصلی حالت میں ہر شے کو اسکی اصل حالت میں اخذ کرینگے۔ اور حسِ مشترک بھی ہمیشہ ہر شے کو ان قویٰ کے ذریعہ اصلی کیفیت میں پائیگی۔ جہاں وہم اور خیال کا کچھ دخل واثر نہ ہوگا۔ لیکن انسان کی چند کمزوریوں کے باعث جبکہ اسکی جسمانی بناوٹ میں فرق آنے لگتا ہے۔ کبھی اسکے وجود میں بیماری پیدا ہوتی ہے۔ حواس خمسہ میں بھی فرق آنے لگتا ہے۔ یعنی کبھی آنکھوں میں درد۔ کبھی سر میں درد۔ کبھی کان میں درد وغیرہ۔ ایسی حالت میں آنکھ کے دیکھنے میں فرق پڑتا ہے۔ دور سے چیز صاف نظر نہیں آتی۔ کبھی صاف سُن نہیں سکتا۔ اسی طرح ہر حس میں کمزوری آجاتی ہے۔ اور اکثر دماغ کے ان تین حصص واہمہ۔ حافظہ۔ حس مشترک میں بھی کمزوری آجاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسان جو کچھ علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں ان کمزوریوں کے باعث افراط وتفریط پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ ایک فطری قانون ہے۔ کہ انسان کائنات ارضی کی ہر شے پر مساوی حیثیت سے فائدہ حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور یہ تمام اشیاً اسکی زندگی صرف زندگی کو برقرار رکھنے اور آسانی سے سامان ربوبیت پانے کیلئے موجود ہیں۔ لیکن اس علتِ لامحدود الرّحمٰن نے اپنے خزانے میں تمام اشیاً اسقدر باافراطِ پیدا کی ہیں۔ کہ انسانی ضرورتوں سے بھی زیادہ پائی جاتی ہیں۔ تا کہ انسان کو اِنکے حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ انسان جب تک قوانین فطرت کی پابندی کرتا ہے۔ تو وہ اپنی زندگی کی نشوو ارتقاء کیلئے حسب قانون اسی قدر حق رکھتا ہے۔ جسقدر اِسے ان اشیاً کی ضرورت ہو۔ مثال کے طور اگر ایک انسان ایک وقت میں ایک سیر اناج سے اپنی زندگی کو اچھی طرح برقرار رکھ سکتا ہے۔ تو اسے ایک وقت کیلئے ایک من اناج جمع کرنے کا یا اسے حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ آبادی کی اکثریت میں کوئی ایسا بھی زمانہ آتا ہے۔ کہ اکثر لوگ ان حقوق سے محروم رہ جاتے ہیں۔ کہ انہیں اپنی زندگی کی نشوو ارتقاء کیلئے پورا سامان حاصل نہیں ہوتا۔ جس پر ان لوگوں نے قبضہ کیا ہوتا ہے۔ جو اپنی ضرورتوں سے زیادہ اشیاً پر قبضہ کر لیتے ہیں یہ حقیقتاً قوانین فطرت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ خلاف ورزی کرنے والا فطرت کے قانون سے بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسکے دل میں سزا کا خوف کم ہو جاتا ہے۔ اور عام حیثیت میں ہر کمزوری پر خواہ وہ ایک ادنیٰ کمزوری ہی کیوں نہ ہو۔ اپنی من مانی کرنے میں شب و روز اپنی خواہشات کی تکمیل پر سوچنا شروع کرتا ہے۔ انہیں صورتوں میں انسان کے اشرف المخلوقاتی جواہر میں کمزوری واقع ہوتی ہے۔ اسکے اعضاً و جوارح میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ جس دماغ میں حافظہ دنیوی تفکرات سے خالی ہوتا ہے۔ دل کی پیہم خواہشات کا ہجوم اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ پھر حافظہ ہی نئی ضروریات کیلئے نئی ایجادات اختراع کرنے لگتا ہے۔ ان مسلسل الجھنوں سے دماغ کے قویٰ تھک کر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ واہمہ میں ہیئت کو پہچاننے کی قوت مستقل نہیں رہتی۔ حافظہ اپنے جمع شدہ تخیلات واقعات کی Setting (ترتیب) نہیں کر سکتا۔ اسلئے انکے ذاتی افعال و کردار میں فرق آنے لگتا ہے۔ انہیں نقائص کو دماغی کمزوری کہا جاتا ہے۔ جب انسان کے حواس میں کمزوری آجائے تو اسکا حاصل کردہ علم بھی اپنی اصلی ہیئت میں اسے حاصل

نہیں ہوتا۔ مثلاً جب آنکھ دیکھتی ہے۔تو کمزوری کے باعث دور مقام کی شے کا کسی وقت صحیح نقشہ حاصل نہیں کرسکتی۔اسی دھندلے نقشے کا عکس جب حصۂ بصارت(Area of Sight) پر پڑتا ہے۔تو واہمہ اپنی کمزوری کے باعث ایک سفید ستون میں ایک سفید لباس آدمی کا نام ورنگ دیدیتا ہے کیونکہ واہمہ پیشتر بھی ایک سفید ستون جسامت کا نقشہ حاصل کر چکا ہوتا ہے۔اسے نام دینے میں تمیز نہیں رہتی۔اور جب حافظہ اس کیفیت سے عکس پذیر ہوتا ہے۔تو حافظہ کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے۔کہ کچھ تو اعصابی کمزوری کچھ بے شمار واقعات کا پے در پے ہجوم حافظہ میں آنے سے اسکا منضبط نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔اور اسکے جمع شدہ خزانے میں واقعات کا ہجوم ہونے کے باعث یہ انہیں ترتیب میں نہیں رکھ سکتا۔نتیجہ یہ ہوتا ہے۔کہ حافظہ میں افراط وتفریط پیدا ہو جاتی ہے۔کوئی واقعہ۔کوئی کیفیت اپنی اصلی حالت میں نہیں رہتی (جسے نسیان۔بھول۔اور پراگندہ خیالی کہتے ہیں)۔حافظہ جب واہمہ کی قرار دی ہوئی کیفیت کو پاتا ہے۔تو اگر حافظہ درست ہو۔تو واہمہ کی کیفیت کو اپنی جمع شدہ کیفیت سے مشابہت دیکر تردید کرتا ہے اور شے کا اصل نام دیکر عقل کو دیتا ہے۔اگر حافظہ بھی کمزور ہو تو یہ بھی اصل کیفیت کو سامنے نہیں لاسکتا اور واہمہ کی کیفیت کو ہی اپنی مشابہت میں لیکر تعقل کو دیتا ہے۔تعقل بھی اسی کیفیت کو جمالیتا ہے۔گویا انسانی کمزوری کے باعث اصلی ہیئت کو غلط نقوش میں اخذ کیا جاتا ہے۔اسی کیفیت میں چونکہ واہمہ۔حافظہ کی تصدیق کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔اسلئے ایسی غلط کیفیت کو دوسرا صحیح حالت میں دیکھنے والا۔وہم (واہمہ کی کمزوری) اور خیال (حافظہ کی کمزوری) سے موسوم کریگا۔

انسانی علمی قابلیت کا انحصار حافظہ پر ہی ہوتا ہے۔جس قدر واقعات خواہ کیفیاتی ہوں یا کتابی یہ سب حواس خمسہ کے ذریعہ حافظہ میں محفوظ رہتے ہیں۔انسان اپنی عمر میں حواس خمسہ کے ذریعہ جو بھی مشاہدات حاصل کرتا ہے۔حافظہ میں جمع رہتے ہیں۔انہیں مشاہدات کے مطابق انسان آئندہ واقعات کو پرکھتا ہے۔مثال کے طور پر اگر ایک بچہ کے سامنے شیر آئے۔اگر اسکے حافظہ میں اس سے پہلے شیر کی شکل موجود نہیں۔تو نہ واہمہ اسے کوئی صحیح واصل شکل دے سکتا ہے۔نہ حافظہ ہی

اسے شیر بتا سکتا ہے بلکہ بچہ ایک نا معلوم ہیئت کی ایک چلتی پھرتی شے ہی سمجھیگا۔ اسکی درندگی اور اسکی مضرت سے بھی خوف زدہ نہ ہوگا۔ جب شیر بچہ کو نقصان پہنچائے یا شیر کی درندگی کو حواس کے ذریعہ محسوس کریگا۔ تب ہی وہ شیر کے دیکھنے سے خوف زدہ ہوگا یا شیر سے بچنے کی تدبیر کریگا۔ اسی طرح انسان کے حافظہ میں جو واقعات جمع ہوں وہی آئندہ آنے والے واقعات کی صحیح و غلط ہونے کی تصدیق کریگا۔ انسان کے حافظہ میں اگر ایک طوطے کی ہیئت آچکی ہو۔ تو وہ ہر جگہ طوطے کو اپنے جمع شدہ خزانے کی مشابہت میں پہچانیگا۔ ورنہ وہ طوطے کو سوائے پرند کے اسکا کوئی نام نہ دے سکیگا۔ اور انسان آگاہی میں عقل کو بھی مجبوری ہوگی کہ وہ طوطے کو سمجھ سکے۔ مثال کے طور زید ایک طوطا لیکر کہتا ہے۔ یہ مینا ہے۔ بکر نے طوطا مینا دونوں دیکھے ہیں۔ بکر طوطے کی شکل سے چونکہ واقف ہے۔ صرف زید اپنی کمزوری کے باعث طوطے کو مینا کہہ رہا ہے۔ تو بکر اِسکی تردید کرتا ہے۔ کہ یہ طوطا ہے! اگر بکر بھی اپنی ہیئت کھو چکا ہے یا طوطا کبھی نہ دیکھا ہو۔ تو بکر بھی کہیگا۔ ہاں! یہ مینا ہے!۔ یہی کیفیت واہمہ حافظہ کی ہوگی۔ کہ حواس خمسہ ایک پرند کی شکل سامنے کردینگے۔ واہمہ۔ حافظہ ہی اسکی اصلی ہیئت کو تصور کرینگے اور جو ہیئت واہمہ حافظہ عقل کو دینگے۔ اسی پر جی ہاں کہیگا۔ نہ حواس ہی احساس کرینگے نہ تعقل ہی اس معاملہ میں تردید یا تائید کریگا۔ الغرض جس قدر واہمہ [1]۔ حافظہ میں علم و واقعات جمع ہوں۔ اسی قدر انسان کا علم ہوتا ہے۔ اور اسی حافظہ پر ہی انسانی تعقل کا دارومدار ہوتا ہے۔ جسقدر مشاہدات حافظہ میں جمع ہوں اسی قدر انسانی واہمہ۔ حافظہ کو (سوچ بچار) زور دیکر اپنے جمع شدہ خزانے کے سرمایہ کے مختلف اجزأ ایک جا کر کے نئی سے اختراع کر کے عقل کو دیتا ہے۔ تعقل اس نئی چیز کو ظاہری شکل میں لانے کی تحریک دیتا ہے۔ جب یہ نئی شے دوبارہ حافظہ میں Set ہو کر جمع ہو جاتی ہے اور ظاہراً اسکی شکل تیار ہو جاتی ہے۔ تو اسے اختراع یا ایجاد کہا جاتا ہے۔ گویا مخترع (ایجاد کرنے والا) اپنے حافظہ کے جمع شدہ خزانے سے ہی مختلف اجزأ سمیٹ کر ایک مستقل چیز بنالیتا

---

[1] واہمہ میں واقعات جمع نہیں ہوتے بلکہ یہ حافظہ کا دروازہ ہے۔ یہاں سے ہی گزر کر ہر شے جاتی ہے۔ اور اس میں پہچانکی صلاحیت ہوتی ہے۔

ہے۔اگر حافظہ میں یہ مختلف چیزیں موجود نہ ہوں۔اور ہوں تو بے ترتیب حالت میں یا بروقت سوچنے کی ترتیب میں نہ آسکتی ہوں تو ایسا شخص ایجاد نہیں کرسکتا۔نہ ہی کوئی چیز بن سکتی ہے۔یہ ایجاد ان لوگوں کا کام ہے۔جنہیں اپنے دماغ خصوصاً اپنے حافظہ پر پورا قابو ہو۔اور واہمہ حافظہ میں بھی اجزأ جمع کرنے کی صلاحیت ہو۔ورنہ عمومی حیثیت میں کوئی شخص اپنا دماغی توازن قائم رکھ سکتا ہے۔اور اکثر میں دماغی کمزوری یا دماغی قوی قوت مفقود ہوتی ہے۔

یہ ایک فطری نظام ہے۔کہ ہر شخص میں یہ قوتیں بحصۂ مساوی ودیعت ہوں۔حواس خمسہ ۔واہمہ۔حافظہ۔حس مشترک۔یہی قوتیں خصوصی ہیں۔جن پر انسانی عروج اور نشو وارتقاء کا دارومدار ہوتا ہے۔حواس خمسہ بیرونی واقعات کے بہم کرنے کا ذریعہ ہیں۔واہمہ۔حافظہ اسکی ترتیب دیکر ایک علم پیدا کرتے ہیں۔لیکن جب تک تعقل اس علم سے آگاہ نہ ہو۔انسانی علم تکمیل نہیں پاتا۔انسانی علم کیلئے یہ شرط ہے۔کہ اگر چہ تعقل صرف جی ہاں! کیلئے ہی حاضر ہے۔لیکن اسکی آگاہی ۔انسانی علم کیلئے لازمی ہے۔جاگتے میں جب انسان کے ہوش وحواس درست ہوں تو سب واقعات عقل تک پہنچتے ہیں۔اور انسان کسی علم سے آگاہ ہوتا ہے۔اگر تعقل کسی سبب سے معطل ہوجائے تو بھی یہ سب قوتیں اپنا عمل جاری رکھتی ہیں۔لیکن تعقل کے معطل ہونے کی وجہ سے وہ کوئی خبر قبول نہیں کرسکتا۔ اسلئے انسان حواس خمسہ اور واہمہ۔حافظہ سے حاصل کردہ واقعات سے آگاہی نہیں پاتا۔

جب سے زندگی کی ابتدأ ہوئی ہے۔زندگی کی ہر قوت اپنا تنزلی یا ارتقائی فعل جاری رکھے ہوئے ہے۔اس تسلسل میں ایک لمحہ بھر توقف نہیں ہوسکتا۔جہاں پر بھی اس تسلسل میں لمحہ بھر توقف ہو جائے زندگی کا نظام درہم برہم ہوجائیگا۔زندگی کی ابتدأ ازل سے شروع ہوتی ہے۔باالفاظ دیگر ہماری زندگی کی ابتدأ علتِ لامحدود (نورالٰہی) سے ہی شروع ہوئی اور اسی نور سے علی الترتیب مختلف کیفیات تنزلی (Analysed) حالت میں بنتی رہیں۔جہاں تک خالص نورانی کیفیات واقع ہوئی ہیں ہر نورانی کیفیت منتشر ہوکر مختلف کیفیتوں میں آگئی یہاں تک کہ یہ کیفیت زمین کی شکل پر نمودار ہوئی اور اسی کیفیت کا ایک جز آدم کی شکل میں نمایاں ہوا۔اور آدم سے لیکر ہر زمانہ میں جتنی زندگیاں وجود میں

آئیں۔ یہ سلسلہ بدستور بغیر توقف کے چلا آرہا ہے۔ اسی طرح انسانی پیدائش سے لیکر انسانی آخری موت تک اسکے اعضےٰ اور قوتوں کا فعل جن پر اِسکی زندگی اور نشوو ارتقاء کا انحصار ہے بغیر توقف کے جاری رہتا ہے۔ اس میں ایک لمحہ کیلئے بھی توقف نہیں ہوسکتا۔ اگر انسانی جسم میں اسکے ایک ذرہ میں بھی روکاوٹ پیدا ہو جائے تو وہی وقت اسکی موت کا ہوگا۔ اسی طرح انسان کے اعضےٰ۔ اعصاب۔ حواس خمسہ۔ واہمہ۔ حافظہ۔ حس مشترک اپنے افعال اور ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں ہر لمحہ برسر کار ہیں۔ معدہ اپنا کام کر رہا ہے۔ دل اپنی حرکت Pumping-Sumping جاری رکھے ہوئے ہے۔ پھیپھڑے گردے۔ جگر۔ آنتیں غرض کہ ہر شے اپنا کام بغیر توقف کے جاری رکھ رہی ہے۔ رات کو کھانا کھا کر آدمی سو جاتا ہے۔ صبح ہضم ہو چکا ہوتا ہے۔ گویا نیند کی حالت میں بھی اسکا عمل جاری رہتا ہے۔ نیند کی حالت میں صرف تعقل ہی ہے جو اپنے عمل میں کسی حد تک توقف کرتا ہے۔

انسان کی یہ دو حالتیں نیند اور جاگنا ضروری ہیں۔ ان میں انسان کے وجودی افعال میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یعنی جیسے جاگتے میں اسکے وجود کا ہر ذرہ اسکی زندگی کو چلانے کیلئے اپنا عمل جاری رکھتا ہے اسی طرح نیند میں بھی اسکے وجود کا ہر عمل جاری رہتا ہے۔ ان دو حالتوں میں فرق اگر ہے تو مجسم انسان کے فعل کا ہے۔ کہ انسان حرکت کرنے سے رہ جاتا ہے۔ یہ حرکت تعقل سے متعلق ہے اور تعقل کے تصرف میں Motor Area خصوصی طور پر ہوتا ہے۔ نیند کی حالت میں تعقل اپنا فعل حکمرانی چھوڑ دیتا ہے۔ گویا مثل انسان کے یہ بھی سو جاتا (معطل ہو جاتا) ہے۔ تعقل کا معطل ہونا کیا ہے؟ وہ یہ کہ حواس خمسہ اپنے افعال میں ہر خبر کو واہمہ تک پہنچاتے ہیں۔ واہمہ۔ حافظہ تک پہنچاتا ہے۔ حافظہ تعقل کو پہنچاتا ہے۔ تعقل اپنے جسم کے ان اعضےٰ و اعصاب کو (بذریعہ Motor Area) کنٹرول میں رکھتا ہے۔ جن سے انسان میں حرکت و ارادہ کی تحریک ہوتی ہے۔ تعقل معطل ہو جاتا ہے۔ تو انسانی ارادہ و تحریک بند ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جب انسان بیدار ہوتا ہے۔ تو وہ عقل کی تحریک (حکمرانی) کے ذریعہ ہر حرکت ہر فعل پورا کرتا ہے۔ یعنی حواس خمسہ کے ذریعہ جو واقعات تعقل تک پہنچتے ہیں اسکے ادراک و علم کی تکمیل کرتا ہے۔ اور نیند کی حالت میں حواس اپنا عمل جاری

رکھتے ہیں لیکن تعقل تکان کی وجہ سے ادراک کرنا چھوڑ دیتا ہے۔جس سے نہ وہ حافظہ سے عکس لیتا ہے۔نہ ہی وہ حکمران حیثیت سے ارادہ وحرکت کا حکم دیتا ہے۔اسطرح انسان کا سننا۔دیکھنا اور حرکت کرنا وغیرہ بند ہو جاتے ہیں۔اگر انسان کی پلکیں اٹھا کر آنکھ کی پتلی کے سامنے کوئی شے رکھی جائے تو اسکا عکس حصہ بصارت سے ہوتا ہوا۔حافظہ تک پہنچتا ہے اور حافظہ سے عکس عقل پر پڑتا ہے۔لیکن عقل کے کام چھوڑنے کی وجہ سے انسان عالم خواب میں (صرف عقل کی خوابیدگی کی وجہ سے) کسی شے کی ماہیت سے بے خبر رہتا ہے۔اسی طرح کان تک جو آواز پہنچتی ہے حافظہ تک یہ آواز پہنچ جاتی ہے۔لیکن تعقل اسکا علم نہیں رکھتا۔اور انسان نیند کی حالت میں سننے کے باوجود۔آواز سے باخبر نہیں ہوتا۔اسی طرح ہر حس کی حالت ہوتی ہے۔عقل کے معطل ہونے سے چونکہ متصرفہ (Motor Area) پر کنٹرول بھی ڈھیلا ہو جاتا ہے۔اس حالت میں حواس کسی خبر کو پانے کیلئے جو ذاتی کردار ادا کرتے ہیں۔اس میں ان میں کسی قدر کمی پائی جاتی ہے۔مثلاً اگر آنکھ کے سامنے کوئی چیز رکھی جائے تو آنکھ کا اندرونی لنز (Lens) نزدیک چیز کیلئے گھٹتا بڑھتا ہے۔جیسے کیمرے میں بھی دور و نزدیک چیز کیلئے لنز گھٹائے بڑھائے جاتے ہیں۔آنکھ کے اعصاب ڈھیلے ہونے کی وجہ سے نیند میں لنز گھٹنے بڑھنے کا فعل پورا نہیں کر سکتے اسلئے یہ تمام واقعات دھندلی کیفیتوں میں حافظہ کو ملتے ہیں اسلئے یہ کیفیتیں حافظہ میں جمع ہونے کی بجائے اکثر محو جاتی ہیں۔البتہ بعض ایسے واقعات جو شدت سے پیش آئیں اپنی پوری قوت سے حافظہ تک پہنچ جاتے ہیں۔جیسے اچانک شدید گڑگڑاہٹ یا زوردار آواز حافظہ تک پہنچ جاتی ہے۔اگر تعقل گہری نیند میں ہو تو متاثر نہیں ہوتا۔اگر لطیف حالت میں یا تکان ختم ہو چکی ہو تو اس آواز کے شور سے تعقل جاگ جاتا ہے۔اور یہ آواز سن لیتا ہے۔اس حالت میں اگرچہ اعصاب (کا ڈھیلا پن) واقعات کو دھندلی کیفیت میں حافظہ تک پہنچاتے ہیں۔تاہم ہر حس اپنا فعل پورا کرتی ہے۔کیونکہ مادہ سے علاوہ انکے اندرونی افعال کسی قدر لطیف ہوتے ہیں۔جو لطیف ذرات کی صورت میں قائم ہوتے ہیں۔یہ لطیف ذرات خود بخود ہر کام کی تکمیل کرنے میں کسی قسم کی روکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔کیونکہ ان ذرات کا نیند کی حالت میں زیادہ تر لطافت سے تعلق رہتا ہے۔اور

جاگتی حالت میں بھی یہی ذرات لطیف انداز میں اپنا عمل جاری رکھتے ہیں۔مثال کے طور پر۔آنکھ پر بیرونی فضا سے لطیف ذرات (ایثر) کے ذریعہ عکس آتا ہے۔آنکھ سے حصہ بصارت تک بیرونی روشنی پہنچ سکتی ہے۔حصہ بصارت سے تعقل تک عکس کا زاویہ (∠) بدل جاتا ہے اور اتنے حصے میں جہاں روشنی کا دخل نہ ہو ایک لطیف قوت (ایثر) ہی بیرونی اشیاٗ کا عکس قائم کرسکتی ہے۔حصہ بصارت سے واہمہ۔حافظہ اور حس مشترک تک جب یہ عکس پہنچتا ہے تو لطیف قوتوں (ایثر) کی مدد سے ہی پہنچ سکتا ہے۔اسی طرح کان کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔کہ بیرونی فضا سے ایتھری ذرات کی مدد سے کان کے ڈھول تک آواز پہنچتی ہے اسکے بعد واہمہ۔حافظہ اور تصرفہ تک یہ لہر لطیف ذرات میں جذب ہوکر ہی پہنچ سکتی ہے۔یہی حال باقی حس کا ہوتا ہے۔خصوصاً واہمہ۔حافظہ تقریباً مستقل لطافت میں ہوتے ہیں۔گویا واہمہ۔حافظہ بجائے خود لطیف ذرات کا ہی مرکب ہیں۔کیونکہ جو بیرونی واقعات ان تک پہنچتے ہیں۔انکو یہ Organ (قویٰ) لطیف ہیئتوں میں ہی اپنے میں سما لیتے ہیں۔حافظہ دماغی حیثیت میں ایک معمولی حجم (تقریباً ایک یا دو انچ) رکھتا ہے۔لیکن اس میں عمر بھر کے واقعات کا محفوظ ہونا۔یعنی ہاتھی کی جسامت۔سمندر کی پہنائی۔پہاڑوں کی ہیئت۔لمبی داستانیں وغیرہ کا نقش بھی موجود ہوتا ہے۔اگر یہ کیفیتیں لطیف حالت میں محفوظ نہ سمجھی جائیں تو دو انچ گودے میں اتنی وسعت کا تصور قائم رہنا مبالغہ ہی سمجھا جائیگا۔الغرض دماغ سے متعلق جو بھی حالتیں واقع ہیں۔وہ سب لطیف حالتوں میں ہی واقع ہوتی ہیں۔جنکی جسامت یا مادیت واقع نہیں ہوتی۔اگر مادی نہ ہوں۔تو انسان کا علم پانا تقریباً ایک لطیف حالت میں ہی ہوسکتا ہے۔جسے نیم روحانی کہا جاسکتا ہے۔

انسان جب تک عالم بیداری میں ہوتا ہے۔اُس وقت تک اسکے قویٰ کے صحیح یا کمزور ہونے کی حالت میں اسکے ادراک ومشاہدہ (حواس کے حصولِ علم) میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔البتہ عالم خواب (نیند) میں یا عالم بے ہوشی [1] میں علم سے (بوجہ تعقل کے معطل ہونے کے) بے خبر ہو جاتا

---

[1] عالم بیہوشی میں بھی نیند کی ہی کیفیت ہوتی ہے۔فرق صرف اتنا ہوتا ہے۔کہ نیند میں تعقل کا صرف فعل رکتا ہے۔ قوت نہیں رکتی۔بے ہوشی میں اسکی قوت کلی طور ساکت رہتی ہے۔نیند میں ہلانے سے تعقل (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ چونکہ انسان میں ادراک کرنے کی قوتیں برسرِعمل ہوتی ہیں۔ اسلئے نیند کی حالت میں بھی اسے کسی واقع کی علمیت ہونے کی قدرت موجود رہتی ہے۔ جسے ''خواب'' کے نام سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ انسان کو تب تک کسی روحانی یا ظاہری کیفیت کا ادراک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکے تعقل کو آگاہی نہ ہو۔ اگر تعقل کے معطل ہونے کے بعد انسان کو عالم خواب میں واقعات کا علم ہو جائے۔ تو اسکا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ایک تو واقعات لطیف ہونگے۔ جو بغیر حواس خمسہ کی مدد کے کسی دوسری راہ سے انسان پر اثر انداز ہیں۔ دوسرے اِنکے ادراک کیلئے کوئی اور لطیف قوت بھی شامل ہے۔ جو تعقل کے معطل ہونے پر بھی انسانی ادراک میں معاون ہوسکتی ہے۔ اسکی کئی نوعیتیں ہیں۔ ان انواع (قسموں) کو ابتداً ''خواب'' سے تعلق ہوتا ہے۔ جو خواب کہ انسان کے تعقل کے برسرِعمل نہ ہونے پر بھی علم میں آتی ہے۔ خواب سے مراد نیند۔ یعنی نیند میں مثل بیداری کے آگاہ ہونا۔ کیونکہ خواب میں تعقل کے معطل ہونے کے باوجود انسان مثل بیداری کے سنتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ حرکت کرتا ہے۔ (غیر جسمانی طور) ہر فعل کو محسوس کرتا ہے۔

خواب میں بعض ایسے واقعات ہوتے ہیں جو ہمارے ظاہری حواس کے احاطہ میں آتے ہیں۔ حس انہیں تعقل تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن تعقل بے خبر ہوتا ہے! اسلئے انسان بھی بے خبر رہتا ہے۔ یہ واقعات کچھ عرصہ حافظہ میں رہتے ہیں۔ اور تعقل کے جاگنے پر اسکے سامنے آتے ہیں۔ تو تعقل جاگنے پر نیند میں ہوئے ہوئے واقعات سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ ''میں خواب دیکھ رہا تھا'' یہ مادی حالت میں ہوتے ہیں۔ لیکن تعقل کے معطل ہونے (یعنی نیند میں ہونے) کے سبب اِنکی کیفیتِ ادراک غیر جسمانی صورت میں ہو جاتی ہے۔ یعنی یہی کیفیت اگر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اپنا عمل جاری کر دیتا ہے۔ بے ہوشی میں حرکت دینے سے بھی وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ جب تک کہ اسکے Nerves میں پوری روانی نہ آئے۔ اسی طرح جب جسم کے کسی حصہ کو کاٹنے کیلئے بے حس کیا جائے۔ تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ اسکے روانی کے سلسلہ کو اسی جگہ منقطع اور مسدود کیا جائے۔ تا کہ اسکی خبر تعقل کو نہ پہنچے جو درد محسوس کرنے کا ذریعہ ہے۔

جاگتے میں ہوتی تو حسب معمول انسانی آگاہی میں آکران میں خواب کی کیفیت نہ رہتی۔لیکن اسکی ہیئت تعقل کے معطل ہونے کی وجہ سے ہی غیر جسمانی (خواب) ہوجاتی ہے۔دراصل اس خواب کی کیفیت بھی وہی ہوتی ہے۔کہ انسانی تعقل کے معطل ہونے پر جسمانی ۱؎ اور غیر جسمانی ۲؎ ملی جلی قوتوں سے واقعات کو اخذ کر کے حافظہ تک پہنچایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر ایک شخص آگ کے سامنے بیٹھا ہوا ہو۔اچانک وہ سو جاتا ہے۔چونکہ انسان میں حس مشترک سے تعلق رکھنے والی قوت غیر ارادی طور پر بھی کام کرتی ہے۔تو اُسی قوت کے ذریعہ انسان میں حرکت قائم رہتی ہے۔اسکا ہاتھ آگ کے قریب ہوجاتا ہے۔حس لامسہ (چھونے کی قوت) آگ کی تمازت اور جلن کو واہمہ تک پہنچاتی ہے۔واہمہ اس کیفیت کو حافظہ تک پہنچاتا ہے۔لیکن تعقل کے معطل ہونے کی وجہ سے انسان کی وہی قوت جو غیر جسمانی حالت میں ادراک کرتی ہے۔اس کیفیت کو محسوس کرنا شروع کرتی ہے۔ظاہری صورت میں اس واقعہ کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے۔کہ جاگتی حالت میں تعقل ہوشیار ہوتا ہے۔اور آنکھ بھی آگ کی ہیئت جلن کے ساتھ محسوس کراتی ہے۔تو یہ صورت ظاہری ہوجاتی ہے۔کہ انسان آگ سے بچنے یا محفوظ ہونے کی تدبیر کرتا ہے۔نیند کی حالت میں آنکھ دیکھ نہیں سکتی اسلئے اصل کیفیت کا نقشہ نہ آنکھ تعقل کو پہنچاتی ہے۔نہ ہی تعقل ادراک کرنے کی قوت رکھتا ہے۔اسلئے انسانی ادراک کیلئے یہی غیر جسمانی قوت باطنی حس (آنکھ) کا کام کرتی ہے جو اس کیفیت کو غیر جسمانی (روحانی) ہیئت میں واہمہ کے پیش کرتی ہے۔واہمہ حافظہ تک پہنچاتا ہے۔واہمہ۔حافظہ اپنی صحت و کمزوری کے مطابق اخذ کر کے اپنی قوت کے مطابق ہیئت و رنگ دیکر حس مشترک تک پہنچاتے ہیں۔یعنی یہ غیر جسمانی (روحانی) قوت اور حس لامسہ ظاہری واہمہ کو بتاتے ہیں کہ ہاتھ آگ کے سامنے ہے۔اگر واہمہ درست حالت میں ہو تو یہ خواب کی حالت میں بھی آگ اور جلن کا نقشہ دیکھ لیگا۔(قائم کریگا)۔اگر کمزور حالت میں ہو تو غلط نقشہ (وہمی نقشہ) بنائیگا۔مثلاً واہمہ۔لامسہ کے

۱؎ حواس ۲؎ غیر حواس یا روحانی۔

ذریعہ۔ نیز غیر جسمانی قوت آنکھ کا کام دیکر جلن کو درد کی صورت میں محسوس کرتا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی درد کے ساتھ کسی درندہ کا تصور بھی قائم کر کے کُتے کا نقشہ قائم کرتا ہے۔ اسوقت انسان خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ کتا اسکا ہاتھ کاٹ رہا ہے۔ غیر جسمانی قوت اور لامسہ تو صحیح نقشہ بتاتی ہیں ـــ لیکن واہمہ حافظہ اس کیفیت کو غلط انداز میں پیش کرتے ہیں ـــ دیکھنا تو یہ ہے! کہ اگر چہ حس اپنے واقعات کو مثل جاگنے کے پہنچاتے ہیں۔ اور آدمی بے خبر ہوتا ہے۔ تو پھر نیند کی حالت میں وہ ان واقعات کو تعقل کے سونے کے باوجود کیسے محسوس کرتا ہے؟ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ تعقل کے معطل ہونے پر ایک قوت مثل تعقل کے ہی ہوسکتی ہے۔ جو عالمِ خواب میں واقعات کو غیر جسمانی صورت میں ادراک کر لیتی ہے۔ اور اسطرح انسان مثل بیداری کے خواب میں بھی واقعات کا غیر جسمانی شکل میں غیر جسمانی قوت (حس) کے ذریعہ ادراک کر لیتا ہے۔ چونکہ واہمہ۔ حافظہ حسبِ معمول خواب اور بیداری کی حالت میں ایک ہی طریقہ پر واقعات حاصل کر کے حس مشترک کی طرف عکس ڈالتے ہیں اسلئے یہی حس مشترک ہی ان واقعات کا ادراک کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حس مشترک بجائے خود دو حصص میں منقسم ہے۔ ایک حصہ جسمانی ۱ واقعات کا ادراک اور جسمانی اعضأ کا (عالم بیداری میں) کنٹرول کرتا ہے۔ اور اسکا دوسرا حصہ غیر جسمانی ۲ قوت سے متعلق ہے۔ یہ حصہ غیر

---

۱ اس حصہ کو تعقل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تعقل ظاہری اشیأ کا ادراک کرتا ہے۔

۲ اس حصہ کو شعور کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شعور ظاہری باطنی کیفیات کا ادراک کرتا ہے۔

چنانچہ قرآن ان دونوں قویٰ کے ادراک کیلئے نام اور کیفیت کا حوالہ دیتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰت م بِاَمْرِهٖ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ لا (پارہ ۱۴ سورۃ ۱۶ آیت ۱۲) اور مسخر کئے تمہارے واسطے رات۔ دن۔ اور سورج اور چاند اور ستارے مسخر ہیں اللہ کے حکم سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں تعقل رکھنے والوں کیلئے۔

یہاں تمام اشیأ جسمانی ہیں اسلئے انکا تعلق تعقل سے بتایا گیا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۱۵۴) اور مت کہو ان لوگوں کو جو قتل ہوئے اللہ کی راہ میں مردہ بلکہ زندہ ہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جسمانی حالت میں ہر غیر جسمانی کیفیت کا ادراک اور ظاہری حالت میں ظاہری کیفیتوں کا بھی ادراک کرتا ہے۔ ظاہری کیفیتوں کا اسلئے ۔ کہ یہ حصہ چونکہ روحانی قوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلئے اپنی ہیئت کے اعتبار سے۔ یہ حصہ جسمانی اور غیر جسمانی دونوں کیفیتوں کا ادراک کرتا ہے۔ لطیف (روحانی) ہونے کی حیثیت سے یہ جسمانی حصہ اول سے قوی ہے۔ اسلئے یہ حصہ نیند کی حالت میں معطل نہیں ہوتا بلکہ دوسرا حصہ ہی معطل ہوتا ہے۔ حسِ مشترک کا جز ہونے کی حیثیت سے لازمی طور پر یہ حصہ جاگتی حالت میں بھی ظاہری واقعات کا ادراک کرسکتا ہے۔ جاگنے کی حالت میں چونکہ حواس ۔واہمہ۔ حافظہ۔ تعقل خود بھی واقعات کو آسانی سے ادراک کرسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں غیر جسمانی حصہ شعور کا ادراک محسوس نہیں کیا جاتا۔ غیر جسمانی ہونے کی صورت میں لازمی ہے۔ کہ واقعات روحانیت کے اعتبار سے خالص اور حقیقی صورت میں ادراک کئے جائیں۔ لیکن اسکا سلسلہ ترسیل واہمہ وحافظہ سے ملتا ہے۔ اسلئے ان واقعات کے صحیح وغلط ہونے کا دارومدار واہمہ۔ حافظہ کی صحت پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ شعور کے ادراک کرنے کی نوعیت بھی ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی تعقل واہمہ۔ حافظہ کی احتیاج میں صحیح وغلط کی تمیز کئے بغیر کر لیتا ہے۔ یعنی جس وقت شعور پر غیر جسمانی (روحانی) کیفیات کا عکس آتا ہے۔ یہ کیفیات واہمہ حافظہ کے ذریعہ ہی (مثل تعقل کے) شعور تک پہنچتی ہیں۔ اگر واہمہ حافظہ درست ہو تو کیفیات اپنی اصلی حالت میں شعور تک پہنچ جاتی ہیں۔ ورنہ واہمہ۔ حافظہ کی کمزوری کے سبب یہ کیفیات بھی غلط رنگ میں شعور کو ملتی ہیں اور شعور انھیں کیفیات کو قبول کر لیتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ شعور باقی قویٰ کے مانند بیداری اور خواب دونوں حالتوں میں جاگتا[1] رہتا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) لیکن تم غیر جسمانی کیفیتوں کا ادراک نہیں کرسکتے (شعور نہیں رکھتے)۔ یہاں واقعہ میں ظاہر طور انسان مرجاتا ہے۔ لیکن کیفیت غیر جسمانی ہے اسلئے اسکا تعلق شعور سے بتایا گیا ہے۔

[1] بعض بیمار ایسے پائے جاتے ہیں جو نیند کی حالت میں اٹھتے ہیں اور مثل بیداری کے حرکت کرتے ہیں۔ نیند میں گاتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ چلتے پھرتے بھی ہیں۔ لیکن وہ اپنے ہر فعل سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے۔ کہ انکا شعور چونکہ ہر وقت جاگتا رہتا ہے۔ اس حصہ کی تحریک پر یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ لیکن تعقل (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔اگر کوئی واقعہ روحانی۔ جاگتی حالت میں روح کے ذریعہ عکس پذیر ہوتو اسکی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ ایک طرف شعور غیر جسمانی (روحانی) واقعات سے آگاہ ہوتا ہے۔اور ساتھ ساتھ تعقل بھی حافظہ میں منتقل شدہ روحانی کیفیات کو پڑھکر (عکس پذیر ہوکر) آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔اور خواب کی حالت میں بھی یہی کیفیت رہتی ہے۔ کہ واہمہ و حافظہ کی قوت کے مطابق خواب میں کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔اگر واہمہ حافظہ قوی ہوں تو جو کچھ روح کے ذریعہ روحانی عالم کے واقعات سامنے آئیں وہی عکس شعور حاصل کرتا ہے۔اگر واہمہ حافظہ کمزور ہوں تو کیفیات گنجلک کیفیت اختیار کر لیتے ہیں۔اسی طرح اگر خواب میں آگ کے قریب ہاتھ ہو۔تو حس لامسہ آگ کی تمازت کو واہمہ تک پہنچائیگی کہ ہاتھ پر آگ کی جلن ہورہی ہے۔واہمہ ہر کیفیت کو پرکھتا ہے۔تو واہمہ آگ اور جلن کا رنگ دیکر حافظہ تک پہنچائیگا۔حافظہ اس کیفیت کو اپنے جمع شدہ خزانے سے مشابہت دیکر تصدیق کریگا۔اور حافظہ کی اس کیفیت کو شعور حاصل کریگا (کیونکہ تعقل اسوقت معطل ہوگا) خواب کی حالت میں آگاہی کا کام شعور ہی کریگا۔ چونکہ اس حالت میں ۔آنکھ اور تعقل کام نہیں کرتے اسلئے شعور اپنی روحانی قوت کے ذریعہ ہی آگ اور ہاتھ وغیرہ کو محسوس کریگا اور اس واقعہ کی کیفیت ''خواب'' کی ہو گی۔ یہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ جسطرح جس کیفیت میں انسان عالمِ بیداری میں واقعہ کو محسوس کرتا ہے۔ باوجود شعور کے ادراک کرنے کے بھی انسان تعقل کے معطل ہونے کی صورت میں مانند عالم بیداری کے ادراک نہیں کررہا ہے۔ جو کچھ عالم روحانی میں واقع ہورہا ہے اس

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کے معطل ہونے کی وجہ سے یہ اپنے خواب کے افعال سے بیخبر ہوتے ہیں۔ایسی حالت میں اگر انہیں جھنجھوڑا جائے تو انکی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے نیند سے جاگنے کی حالت ہوتی ہے۔گویا وہ اسوقت ہوش میں آتے ہیں۔انکی خوابی (نیند) کیفیات جوان پر وارد ہوئے ہیں انسے بیخبر ہی ہوتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بجائے خود دماغ کے دو حصص ہیں ایک دائمی حیثیت میں جاگتا ہے اور لطیف ہے جسے شعور کہتے ہیں اور دوسرا حصہ نیند کی حالت میں معطل ہوتا ہے جسے تعقل کہتے ہیں۔تعقل کا کام Motor Area پر قابو رکھنا۔بغیر اسکے کنٹرول کے انسان سوتی حالت میں جبکہ تعقل واقعات کو حاصل نہ کرتا ہو۔انسان کا حرکت کرنا ایک بیماری سمجھا جاتا ہے۔

سے شعور ہی واقف ہے۔ تعقل نہیں۔ کیونکہ انسان میں ظاہری طور آگاہی حاصل کرنے والی قوت صرف تعقل ہے۔ اور وہ نیند میں معطل ہوتا ہے۔ بلکہ اسوقت یہ واقعہ شعور تک پہنچنے کے ساتھ ساتھ حافظہ میں جمع رہیگا۔ اور جب تعقل خود بخود۔ یا شدتِ جلن سے بیدار ہوگا تو حافظہ کے نقوش پڑھنا (عکس لینا) شروع کریگا۔ تعقل کے حافظہ سے آگاہ ہونے پر ہی جسمانی طور انسان کو اس خواب کی کیفیت کی آگاہی کی تکمیل ہوگی۔ ورنہ اگر حافظہ اس خواب کے واقعات کو محفوظ نہ کر سکے تو انسان بیدار ہونے پر یہ محسوس کریگا کہ میں نے خواب دیکھی ہے۔ لیکن خواب کے واقعات کو یاد نہ ہونے کی صورت میں دہرا نہ سکیگا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر خواب دیکھنے کے بعد بھی۔ جاگنے پر حافظہ کی عدم ترتیب کے باعث خواب یاد نہیں رہتی۔ کہ جو کچھ شعور کو آگاہی ہوتی ہے۔ چونکہ شعور بھی حس مشترک کا ایک حصہ ہے لیکن زیادہ تر روحانیت سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان خواب کی حالت میں ہی دیکھنا محسوس کرتا ہے لیکن تعقل کے بے خبر رہنے کی وجہ سے اس مشاہدہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔

ان واقعات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ کہ انسان خواب کی حالت میں حس کے احاطہ میں آنے والی اشیاً کا علم۔ حواس خمسہ اور واہمہ۔ حافظہ سے حاصل کرتا ہے۔ لیکن تعقل کے معطل ہونے کی وجہ سے مادی حیثیت میں ادراک نہیں کرتا۔ بلکہ جاگنے کے بعد اسے علم ہو جاتا ہے۔ شعور کو آگاہ ہونے کیلئے اگر چہ حواس خمسہ کام کرتے ہیں۔ لیکن حواس خمسہ میں آنکھ کام نہیں کرتی۔ جاگتی حالت میں ہر کیفیت کی تصدیق آنکھ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن خواب میں آنکھ کام نہیں کرتی کہ کیفیت کا مقام دیکھ سکے۔ ایسی صورت میں حواس ایک کیفیت کا پتا دیتے ہیں۔ اور جب یہ کیفیت شعور تک پہنچتی ہے۔ تو خواب کی حالت میں وہ ایک واقعہ کو مثل جاگنے کے دیکھتا ہے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان خود دیکھ رہا ہے۔ تعقل کے معطل ہونے سے اور آنکھ کے کام نہ کرنے کیوجہ سے اس مشاہدہ کی کیفیت عالم خواب میں غیر جسمانی ہو جاتی ہے۔ اور یہ طریق غیر جسمانی (بغیر تعقل اور آنکھ کے بغیر) ایک تصوراتی کیفیت میں اور جسمانی یعنی حواس لامسہ۔ یا سامع کے ذریعہ ملی جُلی

قوتوں سے حاصل ہوتا ہے۔

آنکھ کے نہ دیکھنے اور تعقل کے معطل ہونے پر جبکہ انسان سویا ہوا ہے کسی واقعہ کو مثل بیداری کے دیکھے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی غیر جسمانی قوت ہی اس واقعہ کو دیکھتی ہے۔ ایک طرف حس لامسہ محسوس کر کے واہمہ۔ حافظہ کو خبر پہنچاتی ہے۔ حافظہ شعور کو خبر پہنچاتا ہے۔ تو اس خبر کی اصل کیفیت کا مشاہدہ ایک غیر جسمانی قوت ہی کرتی ہے۔ جسے روح کہا جاتا ہے۔ گویا عالم خواب میں روح اور شعور کے کیفیت حاصل کرنے کو خواب کہا جاتا ہے۔ یعنی روح دیکھتی ہے۔ حس بھی ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں۔ یہ خبر واہمہ تک پہنچتی ہے۔ واہمہ درست ہو تو یہی خبر حافظہ کو اصلی حالت میں دیتا ہے۔ حافظہ شعور تک پہنچاتا ہے۔ تو اس حالت میں انسان ''رویا'' یعنی خواب دیکھتا ہے۔

یہ بات ثابت ہے۔ کہ انسان بغیر تعقل کے مادی حیثیت میں علم سے آگاہی نہیں پا سکتا۔ اور نیند کی حالت میں بھی مثل بیداری کے آگاہ ہوتا ہے۔ تو اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کیفیات کی نوعیت لطیف صورت میں واقع ہوتی ہے۔ اور ان کیفیتوں کو لطیف ہیئت میں لطیف قوتوں کے ذریعہ ہی ادراک میں لایا جاتا ہے۔ تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان میں ایک ایسی قوت بھی ادراک کرنے کیلئے موجود ہے جو غیر جسمانی کیفیتوں کو غیر جسمانی ہیئت میں حاصل کرتی ہے۔ اس قوت کو روحانی قوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ گویا اس روحانی قوت کی کیفیت یہ ہے۔ کہ جسمانی ادراکی قوتوں سے بااعتبار اپنی روحانیت کے زیادہ قوی اور وسیع ہے۔ یہ قوت انسان کے بالکل قریب وابستہ ہے۔ ایسی صورت میں یہ قوت عالم خواب اور بیداری میں اپنی قوت کے اعتبار سے دونوں حالتوں میں مادی اور روحانی کیفیات سے آگاہ کر سکتی ہے۔ چونکہ ظاہری طور انسان عالم بیداری میں اپنے حواس سے پورا کام لیتا ہے۔ جس میں خصوصی طور قوت بصر (آنکھ) انسانی آگاہی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اسلئے انسان اپنے ادراک میں (حس میں آنے والی کیفیتوں کیلئے) عاجز نہیں ہوتا۔ مادی حیثیت سے انسان کو علم حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے جب تک تعقل جاگتا ہو۔ تو یہ علم حاصل ہوتا ہے۔ یہاں روحانی قوت کا احساس نہیں کیا جاتا۔ اور جب تعقل کے معطل ہونے پر یا

آنکھ کے کام نہ کرنے پر حصولِ علم اور ادراک میں روکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔تو اسوقت لازمی طور روح کومحسوس کیا جاتا ہے۔اور یہی روح خواہ عالم بیداری ہو یا خواب (نیند) دونوں حالتوں میں ادراک کرتی ہے۔

علاوہ ازیں۔بعض واقعات بیداری میں بھی اور خواب میں بھی ایسے ہوتے ہیں جو حس کے احاطہ میں نہ آتے ہوں۔انکے حصولِ علم کیلئے بھی یہی صورت پیش آتی ہے۔اور یہی روحانی قوت ادراک کا کام کرتی ہے۔خواب کی حالت میں۔چونکہ براہ راست یہی قوت کام کرتی ہے۔اسلئے نیند کی حالت میں جو بھی واقعات حس میں آنے والے ہوں یا حس سے باہر[1] ہوں ان سب کا ادراک یہی قوت کرتی ہے اور اسطرح یہ واقعات حافظہ میں جمع ہوتے ہیں۔اور تعقل کے بیدار ہونے پر مادی حیثیت میں انسانی آگاہی وعلم میں آتے ہیں۔ایسی صورت میں انسان کی حالت یہ ہوتی ہے۔کہ روحانی حالت میں وہ واقعات کا مکمل ادراک بھی کرتا ہے۔اور مادی حیثیت میں غیر واقف بھی ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے۔کہ خواب دیکھنے پر انسان یہ محسوس کرتا ہے۔کہ میں ایک ایسے واقعہ کو جسکا مادی حیثیت میں اسکے سامنے کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔اس حالت میں بھی مثل بیداری کے۔دیکھنا۔سننا۔چکھنا چھونا۔سونگھنا۔مس کرنا۔لذت حاصل کرنا۔آرام۔درد۔خوف وغیرہ ہر کیفیت کو محسوس کرتا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے۔انسان عالم خواب میں جو کیفیات محسوس کرتا ہے۔وہ مادی حیثیت میں نہیں۔بلکہ روحانی حیثیت میں ہوتی ہیں۔اور ماوراء ادراک کیفیتوں کو ادراک کرنے والی روحانی قوت بھی مادی جسم کی طرح باصرہ۔سامع۔لامسہ۔شامہ۔ذائقہ کی روحانی حس رکھتی ہے۔جو روحانی (غیر جسمانی) عالم میں ہر کیفیت کو محسوس کرتی ہے۔البتہ اس روحانی کیفیت کا واہمہ۔حافظہ۔یا حس مشترک نہیں ہوتی۔یہ قوت اپنے وجود کے اعتبار سے قوی صورت میں ہوتی ہے۔اسلئے اسکی روحانی ہیئت میں حد نہیں ہوتی۔نہ ہی اسے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔کیونکہ انسانی وجود میں

---

[1] حس سے باہر مراد وہ واقعات ہوتے ہیں جو انسان خواب میں دیکھتا ہے۔لیکن اس سے ہزاروں میل دور ہوتے ہیں۔انکا ادراک روحانی قوت کے اعتبار سے ہونا یقینی ہے۔

یہ علم ومشاہدہ کا ایک ذریعہ ہے۔اسکے حس۔باصرہ۔لامسہ۔سامع۔شامہ۔ذائقہ مثل حواس ظاہری کے نہیں ہوتے۔بلکہ یہ اپنی وسعت میں وسیع۔اوراپنے ادراک میں خود ایتھری قوت سے زیادہ قوی ہرحس کے مقابلہ میں براہ راست اثر لینے والی ہوتی ہے۔چونکہ انسانی جسم مادی ہوتا ہے۔اسلئے یہ محدود ہوتا ہے۔اوراسے ادراک کیلئے۔حواس خمسہ۔واہمہ۔حافظہ۔حس مشترک کی ضرورت پڑتی ہے۔کیونکہ ان قویٰ کے بغیر انسان کے جسم کا کوئی حصہ براہ راست ادراک نہیں کرسکتا۔وہ عالم روحانی ہو یا عالم بیداری (مادی) انسان انہیں تین Organs (واہمہ۔حافظہ۔حس مشترک) کی مدد سے ہی ادراک کرتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک دیوانے آدمی کا (جو اپنے نفع ونقصان سے بیخبر ہو) تعقل اور کسی قدر واہمہ حافظہ خراب ہو چکا ہوتا ہے۔باقی حس اسکے بھی درست ہوتے ہیں۔اوراسکی روحانی قوت بھی درست ہوتی ہے۔نیند کی حالت میں خواب دیکھ سکیگا۔آگ کی جلن حس محسوس کرینگے۔صرف ان تین قویٰ کے خراب ہونے کی وجہ سے وہ ادراک اور تعقل کی حکمرانی سے محروم ہوگا۔اور کسی کیفیت کو اسکی اصلی حالت میں حاصل نہ کرسکیگا۔الغرض انسان مادی حیثیت میں ہی کسی علم کے ادراک کیلئے عاجز ہوتا ہے۔جس کیلئے واہمہ۔حافظہ۔تعقل خصوصی قویٰ اس میں موجود ہیں اور روحانی حیثیت میں یہ قویٰ (واہمہ۔حافظہ) خود علم حاصل نہیں کرتے بلکہ روحانی وجود سے عکس لیکر شعور کو پہنچاتے ہیں۔اوران دونوں صورتوں میں تعقل کو آگاہی ہونے کے بعد ہی انسانی علم کی تکمیل ہوتی ہے۔یعنی اگر روح اپنی ہیئت کے اعتبار سے عالم روحانی کا ادراک کرے اور تعقل آگاہ نہ ہوسکے تو انسان کسی شے کے ادراک سے آگاہ نہ ہوسکیگا۔اگرچہ وہ روحانی حیثیت میں شعور کے ذریعہ ادراک کر بھی لے۔لیکن اس صورت میں بھی اگر تعقل اسکا عکس نہ لے تو انسان روحانی کیفیتوں سے اپنی ہوشیاری (بیداری) کی حالت میں بے خبر رہیگا۔چونکہ شعور وتعقل حس مشترک کے دو حصص ہیں جو ایک دوسرے سے پیوست (ملے ہوئے) ہیں اسلئے جہاں شعور روحانی کیفیت کا عکس حاصل کرتا ہے تعقل بھی ساتھ ساتھ (بیداری میں) عکس لیتا ہے۔

جہاں بیداری میں انسان اپنے حس میں آنے والی کیفیتوں کا ادراک کر لیتا ہے۔ وہاں حس میں نہ آنے والی روحانی کیفیتوں کو بھی روح کے ذریعہ ادراک کر لیتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اور بھی نوعیتیں (قسمیں) ہیں جنکا تعلق واہمہ۔ حافظہ سے ہی ہے۔ گویا عالم روحانی کی کیفیتوں کو واہمہ۔ حافظہ کے راستے گزر کر ہی حس مشترک تک پہنچنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص حس میں آنے والی مندرجہ بالا کیفیت کو عالم روحانی میں محسوس کرتا ہے۔ تو یہ خواب کی شکل میں ہوگی۔ اگر واہمہ۔ حافظہ درست ہوں تو عالم روحانی میں یہ اس کیفیت کو اپنی اصلی ہیئت میں اخذ کرینگے اور انسان (خواب میں) دیکھیگا کہ سامنے آگ ہے۔ اسکے قریب میرا ہاتھ ہے۔ جو جل رہا ہے۔ یہاں حس لامسہ (چھونے کی حس) درد کو محسوس کریگی۔ لیکن آنکھ کے نہ دیکھنے کی وجہ سے یہ کیفیت غیر جسمانی ہیئت اختیار کریگی۔ دوسری طرف انسان کے جسم کو خود بخود جلن کا درد ہوگا۔ یہ دونوں ذرائع بیک وقت اپنا کام کرینگے۔ درد کی شدت سے انسان کے جسم میں دفاعی تلاطم پیدا ہوگا۔ تو تعقل جاگ جائیگا۔ اور درد کو پائیگا۔ اسوقت انسان سمجھیگا کہ میں خواب دیکھ رہا تھا۔ چونکہ اسوقت اسکے تعقل کو بیداری کی حالت میں یہ درد محسوس ہوگا۔ تو وہ خواب کی حالت کا درد محسوس نہ کریگا۔ حالانکہ خواب کی نوعیت کے لحاظ سے روحانی حس کے ذریعہ بھی خواب میں درد محسوس کیا تھا۔ اگر چہ اس میں درد نہ ہو گا پھر بھی وہ درد محسوس کرانے کا ذریعہ ہوگی۔ جیسے ایک شخص خواب میں عطر سونگھتا ہے۔ یا لذیذ شربت پیتا ہے۔ مادی طور وہ شربت یا عطر استعمال نہیں کرتا۔ لیکن عالم روحانی میں اِنکی لذت اسے محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ لذتیں واہمہ حافظہ سے گزر کر شعور تک پہنچتی ہیں۔ جہاں حافظہ انہیں محفوظ کر لیتا ہے تو جاگتے وقت تعقل حافظہ سے ان لذتوں کا اثر لیگا۔ تو وقتی طور انسان بھی ان لذتوں کو بیداری میں محسوس کریگا۔ تو اسے معلوم ہوگا کہ میں نے خواب میں ایسا لذیذ شربت پیا جسکی لذت ابھی تک بھولتی نہیں۔ ان حالتوں میں واہمہ۔ حافظہ حس مشترک کی صورت میں کام کرینگے۔

یا مثال دیگر۔ ایک شخص کسی جنگل میں سویا ہے۔ ایک رسی یا کسی درخت کی شاخ اس سے لپٹ جاتی ہے۔ انسانی قوتِ ادراک (حس) اس کیفیت کو واہمہ۔ حافظہ تک پہنچائینگی۔ اور اِدھر آنکھ

اور تعقل کے کام نہ کرنے کے باعث اسکی کیفیت خواب [1] کی سی ہو جائیگی۔ اگر واہمہ حافظہ درست ہو گا۔ تو انسان خواب میں بھی یہی حالت دیکھیگا جو حس محسوس کر رہا ہے۔ صرف فرق یہ ہوگا کہ آنکھ کی جگہ روحانی قوت کام کریگی اور تعقل کی جگہ شعور کام کریگا۔ یعنی خواب میں بھی یہی دیکھیگا کہ رسی یا شاخ جسم سے لپٹ گئی ہے۔ اگر واہمہ حافظہ کمزور ہوں تو انسان واہمہ کی کمزوری کے باعث رسی یا شاخ کو سانپ کے رنگ میں سمجھیگا۔ کیونکہ سونے سے قبل لازمی طور جنگل اور سانپ کا احساس حافظہ نے خود دلایا ہے۔ اس احساس نے حافظہ پر سونے کے وقت تک عکس باقی رکھا ہے۔ اور سوتے ہی ذرا سی غیر معمولی (رسی کی) کیفیت کو واہمہ نے سانپ کی شکل دی۔ اور حافظہ کے سامنے ہی ابھی یہ کیفیت باقی ہے اسلئے سانپ کا ہونا قوی صورت اختیار کر گیا۔ یہاں یہ خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ روحانی حس جو آنکھ کا کام کر رہی ہے۔ شاخ یا رسی کا صحیح عکس واہمہ تک پہنچاتی ہے۔ کیونکہ یہ قوت قوی ہے۔ اور اسکا ذریعہ ادراک بھی قوی ہے۔ لیکن واہمہ کی کمزوری اس عکس کی مبدل شکل بنائیگی۔ اور حافظہ بھی اپنے وقتی تاثرات اور کمزوری کے باعث رسی کو سانپ کی شکل سے مشابہت دیکر سانپ کہیگا تو شعور بھی سانپ کا علم حاصل کریگا۔ چونکہ انسانی حافظہ میں سانپ کی مضرت جمع ہے۔ لہٰذا غیر ارادی قوت دفاعی ردِّ عمل کے تحت حرکت میں آئیگی۔ خواب میں یا تو بھاگنے کی کوشش کریگا۔ اور خوفزدہ ہو کر بڑ بڑائیگا۔ ورنہ تعقل اس شدتِ خوف اور ردِّ عمل کی تحریک سے بیدار ہوگا۔ تو گھبرا کر اچھلیگا۔ کیونکہ اِسوقت تعقل بھی دہشت کے اثر سے Motor Area کو بھاگنے کا حکم دیگا۔ تو یہ خواب وہم اور خیال سے تعبیر ہوگی۔ وہم اور خیال اسی وقت تعبیر دیئے جاتے ہیں جب واہمہ حافظہ کمزور ہوں۔

اسی طرح اگر ایک شخص جنگل میں سے جا رہا ہو۔ تو جنگل کے مناظر جو دیکھنے میں آئے ہوں یا وہ مناظر جو جنگل سے تعلق رکھتے ہوں مثلاً سانپ۔ یا شیر یا دیگر درندے وغیرہ۔ حافظہ میں جمع

---

[1] یہ ضروری نہیں کہ ہر واقعہ خواب بنتا رہے۔ یہ صرف اس شخص کیلئے ہوتی ہے۔ جو پہلے جنگل کے کسی واقعہ سے متاثر ہو چکا ہو اور اسکا اثر دل یا حافظہ میں شدت اختیار کر گیا ہو۔ یا اسکی روحانی قوت تیز ہو۔ اسکی مکمل تشریح آگے کی جائیگی۔

ہونگے۔اس شخص کو واہمہ حافظہ خود بخود ان مناظر کا احساس ۱؎ دلائیگا۔اور انسان کو شیر کے ہونے کا خوف بھی لگا رہیگا۔ اگر یہ شخص جنگل میں کسی جگہ سو گیا۔تو اسکے حافظہ کی یہی Reel دوبارہ ROUND کریگی یعنی تعقل کو عکس دینا شروع کریگی۔چونکہ انسان پر قبل از وقت بھی ان چیزوں کی دہشت تھی۔سونے کی حالت میں چونکہ تعقل معطل ہوگا۔اسلئے مثل بیداری کے نیند کی حالت میں بھی انسان پر دہشت ۲؎ طاری ہوگی اس میں نیند اور بیداری کی کیفیت میں کچھ فرق نہ ہوگا۔صرف فرق یہ ہوگا کہ تعقل کے سونے کی وجہ سے حافظہ کا عکس شعور کی طرف ہوگا۔اور دہشت کا یہ اثر ہوگا کہ انسان اس کیفیت کو خواب کی صورت میں پائیگا کہ ریچھ یا شیر اسکی طرف بڑھ رہا ہے۔گویا اس خواب کا محرک خود واہمہ اور حافظہ ہی ہوگا لیکن اسکی تحریک دل سے ہوگی کیونکہ دہشت کا اثر دل ہی قبول کرتا ہے۔اسلئے انسان خواب میں بھی ڈر محسوس کر کے بھاگنے کی کوشش کریگا۔ چونکہ بھاگنا یا جان بچانا Motor Area اور تعقل (حکمران) پر منحصر ہے۔اسلئے آدمی شدت خوف سے جاگ جائیگا تو جاگنے پر کوئی شے موجود نہ ہوگی۔تو اس خواب کو وہم اور خیال سے تعبیر دیا جائیگا۔اگر دل و دماغ قوی ہو تو انسان جنگل کے دہشتناک مناظر سے متاثر نہ ہوگا۔اور نہ ہی اُسے کوئی ایسی خواب ہی آئیگی۔ خواب کی یہ ایک علیٰحدہ کمزور صورت ہوتی ہے۔اس قسم کی خوابوں کا سبب انسانی دل و دماغ کی کمزوری ہوتی ہے۔

انسان کا دل بھی ان کیفیات و مشاہدات میں شامل ہوتا ہے۔کیونکہ جب انسان کا دل اپنے افعال ۳؎ میں کمزور ہو تو یہ خوشی ۔غم اور خوف وغیرہ کا اثر جلد قبول کر لیتا ہے۔جس اثر کے تحت انسان کا یہ خواب بھی تعلق رکھتا ہے۔الغرض انہیں مندرجہ بالا وجوہات پر انسان کا خواب دیکھنا منحصر

۱؎ یعنی حافظہ اپنے جمع شدہ خزانے سے ان کیفیتوں کو تعقل کے سامنے لائیگا۔

۲؎ یہ کیفیت جب ہوگی جب واہمہ حافظہ درست نہ ہو۔

۳؎ انسان کے دل کے کمزور ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے۔یا تو جسمانی حالت میں اس میں خامی ہوتی ہے۔یا لطافت میں کمی واقع ہوتی ہے۔اسکی پوری تشریح آگے آئیگی۔

ہے۔انسان عالم بیداری میں تعقل کے ذریعہ مادی حیثیت میں حس کے ذریعہ ادراک کرتا ہے۔اور نیند کی حالت میں اگر چہ حس بھی کام کرتی ہے۔لیکن تعقل کے معطل ہونے کی صورت میں اسکا ادراک کرنا شعور سے وابستہ ہے۔اور شعور کا مشاہدہ غیر جسمانی (عالم روحانی) نوعیت اختیار کرتا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ عالم روحانی کی کیفیت کیا ہے؟ اور عالم روحانی کی نسبت انسان سے کیسے ہوتی ہے؟

جہاں تک مادی ادراک ومشاہدہ کا تعلق ہے۔اسکے لئے مادی حس کا براہ راست دماغ سے تعلق ہوتا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے۔کہ غیر جسمانی مشاہدات وکیفیات کن ذرائع سے حاصل کئے جاتے ہیں اور انکا تعلق انسانی دماغ سے کسطرح ہوتا ہے؟

اسکی مثال اس طرح ہے۔کہ ہم ایک تنہا جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ جہاں پر ہمارے حواس خمسہ کے ذریعے کوئی واقعہ ہمارے تعقل تک نہیں پہنچتا۔انسانی تعقل میں یہ ایک فطری قاعدہ ہے۔کہ جاگنے کی حالت میں ہر وقت حس کے ذریعہ واہمہ۔حافظہ تک واقعات آتے رہتے ہیں۔اور حافظہ ہر وقت تعقل کو واقعات کا عکس دیتا رہتا ہے۔جہاں انسان زمانہ کے ماحول سے علیٰحدہ ہوا۔یہ سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔لیکن حافظہ پھر بھی برسرِ عمل رہتا ہے۔یعنی حافظہ تنہائی میں اپنے جمع شدہ خزانے کے واقعات دہرانے لگ جاتا ہے۔تو انسان تنہائی میں خیالات کی رو میں بہہ کر ایک خیالی دنیا کا مطالعہ کرنا شروع کرتا ہے۔کسی وقت گزشتہ واقعات کا نقشہ حافظہ دہراتا ہے۔تو انسان ان واقعات کے ماحول کو دیکھنا شروع کرتا ہے اسکے سامنے انسانوں۔حیوانوں اور مقامات یعنی گزشتہ ماحول کا سین آجاتا ہے۔یہ ہر شے کے ایک موہوم (غیر جسمانی) وجود کو اور خود کو بھی محسوس کرتا ہے۔اسکی وجہ یہی ہوتی ہے۔کہ اُس ماحول کے تمام واقعات ذرہ ذرہ حافظہ میں لطیف حالت میں جمع ہوتے ہیں۔اسی لطیف حالت میں یہ واقعات شعور کے سامنے آتے ہیں۔اور وہی محسوس کرتا ہے۔چونکہ ان واقعات کی ترسیل حافظہ سے ہی ہوتی ہے۔اور تعقل بھی بیدار ہوتا ہے۔اسلئے جاگتی حالت میں حسِ مشترک کے دونوں حصص بیک وقت اس ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔چونکہ واقعات غیر جسمانی ہوتے ہیں اسلئے یہاں شعور کا خبر پانا مقدم رہتا ہے۔اسطرح انسان جاگتی حالت میں ایک غیر جسمانی تخیلی

ماحول کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر نیند کی حالت میں (جبکہ حافظہ تک بیرونی واقعات نہ پہنچتے ہوں) حافظہ کے یہی واقعات عکس دینا شروع کریں۔ تو اسوقت صرف شعور ہی ان واقعات کو حاصل کریگا۔ جس سے خواب کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اور جب جاگنے کی حالت میں یہ کیفیت پیدا ہوتو اسے ''انہاک'' ۔ ''استغراق ۱؎'' یا خیالات کی رو میں بہہ جانے سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اسکی جاگتی حالت میں ایک اور

۱؎ ''انہاک'' ۔ ''استغراق'' ۔ خیالات کا تسلسل Chain of Thought: انکی کیفیت حافظہ سے ہی ہوتی ہے۔ انہاک واستغراق میں دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اگر ان قویٰ کی صحت میں ہو۔ تو واقعات بیرون سے بھی حاصل ہوتے ہیں یعنی روح جب کسی واقع کا عکس واہمہ۔ حافظہ تک پہنچاتی ہے۔ تو جاگتی حالت میں۔ ان واقعات کا ایک قوی سلسلہ تعقل تک پہنچتا ہے۔ چونکہ واقعات غیر معمولی۔ لطیف اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ نیز روحانی قوت ان واقعات کو شدت سے بھیجتی ہے۔ تو اس تاثر سے یہ سلسلہ ٹوٹنے نہیں پاتا۔ تو تعقل اسکے مطالعہ میں محو ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ واہمہ۔ حافظہ۔ تعقل کو حواسِ خمسہ سے آمدہ اطلاعات کی طرف رجوع کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں۔ اگر کان۔ آنکھ۔ یا لامسہ کے ذریعہ کوئی خبر آئے تو یہ تینوں قویٰ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ کیونکہ انکا رخ دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور وہ مادی کیفیات کا احساس کرنے سے عاری ہوتے ہیں۔ یہی کیفیت انہاک واستغراق کہلاتی ہے۔ اسکی مادی حیثیت بھی ہوتی ہے۔ وہ حافظہ کے اپنے جمع شدہ واقعات کا ہجوم ہوتا ہے۔ یعنی بعض اوقات حافظہ (تنہائی ہو یا مجلس) اپنے جمع شدہ واقعات کو تعقل کی طرف ڈالتا ہے۔ اور تعقل ان واقعات کے مطالعہ میں محو ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بھی حواس خمسہ سے آمدہ اطلاعات پر حافظہ (تعقل) کا رجوع نہیں ہوتا۔ اس حالت کو بھی استغراق کہا جاتا ہے۔

مثال کے طور ایک شخص دو میل لمبی سڑک پر جا رہا ہے۔ سفر کی ابتدأ میں حافظہ کسی واقعہ کو تعقل کے سامنے کر دیتا ہے۔ اور یہ سلسلہ لگاتار چلا جاتا ہے۔ آدمی سڑک پر چل بھی رہا ہے۔ ادھر اُدھر کے واقعات بھی دیکھ رہا ہے۔ سن بھی رہا ہے۔ لیکن جب تک حافظہ کا سلسلہ جاری ہے انسان حواس کے ذریعہ آمدہ واقعات کو کلی طور حاصل نہیں کرتا۔ نہ ہی یہ واقعات حافظہ میں محفوظ ہوتے ہیں۔ اختتام سڑک پر ایک شخص اچانک راہ رو سے سوال کرتا ہے۔ ''کیا تم نے سڑک کے درمیان حادثہ (Accident) ہوا ہوا دیکھا؟'' یا ''فلاں جگہ سڑک میں درخت گرا ہوا دیکھا؟'' تو راہ رو گویا جاگ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے خیال نہیں کیا۔ لفظ خیال اس امر کی خود دلیل ہے۔ یعنی خیال کا تعلق آنکھ سے نہیں بلکہ حافظہ سے ہے۔ اور واقع بھی یہی ہے کہ حافظہ خود واقعات تعقل کو دے رہا ہوتا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نوعیت بھی ہوتی ہے۔وہ یہ کہ بعض اوقات حافظہ مختلف واقعات یکے بعد دیگرے پیش کرنا شروع کرتا

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ہے۔اور تعقل بھی مصروف مطالعہ ہوتا ہے۔اسلئے درمیانی حادثہ کا ہونا انسانی آگاہی میں نہیں آتا۔اسکا سبب استغراق ہوتا ہے۔

مثال دیگر: ایک شخص کو پیاس لگی ہے۔وہ یا تو کسی کام میں مصروف ہے۔جس کیلئے۔حافظہ اسکی تکمیل کیلئے اجزأ جمع کر کے تعقل کو دینے میں مصروف ہے۔یا پیاس کی شدت میں پانی کی خواہش کر رہا ہے۔پانی مل گیا۔لیکن گلاس نہیں مل رہا۔وہ گلاس تلاش کر رہا ہے۔لیکن گلاس نہیں ملتا۔کیفیت یہ ہے کہ چند مختلف چیزوں کے درمیان گلاس بھی موجود ہے۔جو اسکی آنکھ سے زیادہ سے زیادہ دو فٹ کے فاصلے پر ہے۔وہ گلاس کی تلاش میں ہر جگہ دیکھ رہا ہے۔حالانکہ گلاس اسکے سامنے پڑا ہوا مل نہیں رہا ہے۔گلاس نہ ملنے کی وجہ؟

گلاس کا عکس حصہ بصارت سے ہوتا ہوا۔واہمہ تک جاتا ہے۔لیکن حافظہ و تعقل اپنے کام میں مصروف ہیں۔یا پانی کی تلاش اور پیاس کی شدت کے احساس میں گلاس کے عکس کو قبول نہیں کرتے۔اسلئے باوجود گلاس پر نظر پڑنے کے بھی گلاس کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شے کو محسوس کرنے کا ذریعہ حافظہ اور حافظہ کے ذریعہ تعقل ہی ہوتا ہے۔اور جب شدت پیاس سے حافظہ کی ترسیل یک لخت بند ہو جائے۔تو آنکھ کے عکس کو حافظہ پر اثر کرنے کا موقع ملتا ہے۔تو فوراً گلاس سامنے نظر آتا ہے۔تو انسان کہتا ہے۔کہ پیاس کی توبہ اوسان خطا کر دیئے۔گلاس سامنے پڑا ہوا نظر نہیں آیا۔یہ کیفیت بھی مثل استغراق کے ہوتی ہے۔گویا تعقل اور حافظہ کا رابطہ ہونے سے حواس خمسہ کے واقعات تعقل و حافظہ پر اثر انداز نہ ہونے کو انہماک و استغراق کہتے ہیں۔

اسی طرح کیفیت Chain of Thought کی ہوتی ہے۔یعنی کسی معاملہ میں سوچنے پر ہم حافظہ سے اسکے وجود کو شعور یا تعقل کے سامنے لاتے ہیں۔دراصل واقع چونکہ غیر جسمانی ہوتا ہے۔اسلئے اسکا زیادہ تر تعلق شعور سے ہی ہوتا ہے۔تعقل حافظہ کے دوران تخیل پر مطالعہ کرتا جاتا ہے۔اس مطالعہ کی کیفیت بھی مثل خواب کے ہوتی ہے۔جسطرح ایک شخص شعور کے ذریعہ خواب دیکھتا ہے اور مابعد تعقل مطلع ہوتا ہے۔سوچتے وقت حافظہ معاملہ متعلقہ کا ایک عکس شعور کے آگے پیش کرتا ہے۔اگر حافظہ کمزور ہو اور بروقت حسب ضرورت اجزأ نہ نکال سکتا ہو۔اور اسکی Setting درست نہ ہو تو حافظہ بے لگام طریقہ پر مختلف اشکال سامنے کرتا ہے یہی ہم مشابہ پے در پے واقعات ایک معاملہ کے متعلق سوچنے کے وقت تعقل کے سامنے آجاتے ہیں تو معاملہ اصل بھول جاتا ہے۔اور واقعات کی بے ترتیب Chain شروع ہو جاتی ہے جسے Chain of Thought کہتے ہیں مثال کے طور پر اگر ایک شخص ایک فیکٹری بنانے کی تجویز پر سوچتا ہے۔تو اسکے لئے لازمی ہے کہ وہ زمانہ کے ماحول سے علیٰحدہ ہو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔تو ان واقعات کی ایک کڑی بن جاتی ہے۔ جو غیر مادی حالت میں شعور و تعقل کے سامنے آجاتی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کریکسوئی کی کوشش کریگا۔ تا کہ ظاہری واقعات کی ترسیل حافظہ تک آنا بند ہو جائے۔ اور کان آنکھ سے آنے والی اطلاعات سے حافظہ کو فرصت ملے۔ اور حافظہ اپنے جمع شدہ خزانے سے معاملہ کی تکمیل کیلئے اجزأ نکالنے کا کام شروع کرے۔ جن اجزأ سے فیکٹری کا خاکہ تیار ہو۔ یہی طریقہ ان موجدوں کا ہوتا ہے۔ جو تحقیقات میں کسی مشینری کی ایجاد کرتے ہیں۔ اُنکا واہمہ۔ حافظہ قوی ہوتا ہے۔ اور وہ حافظہ سے حسب ضرورت مواد جمع کر کے ایک مکمل خاکہ تیار کر لیتے ہیں۔ برعکس اسکے جسکا حافظہ کمزور ہو وہ حافظہ کی ترتیب پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ اور جسوقت وہ کسی معاملہ پر سوچنے لگتا ہے۔ تو حافظہ بہک جاتا ہے اور مختلف اشکال شعور و تعقل کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسلئے ایسا سوچنے والا فیکٹری پر سوچنے میں پہلے قدم پر ہی بہک جائیگا۔ اور حافظہ اچانک Chain of Thought (خیالات کی کڑی) میں بہا لے جائیگا۔ جب انسان فیکٹری کیلئے لوہے کی سکیم پر لوہے کا خیال کریگا۔ معاً لوہے کی کیفیت کے ساتھ ایک لوہے کا کارخانہ۔ کاریگر۔ لوہا پگھلانا۔ پھر گولیاں بننا۔ بندوقیں بننی اور بندوقوں کے ساتھ لڑائی۔ لڑائی کے کے ساتھ جنگ عظیم۔ ہٹلر۔ مسولینی۔ ایٹم۔ پھر ایٹم کی بناوٹ۔ ہوائی جہاز وغیرہ تو یہ اسکا بہکنا ہوگا۔ اور ان خیالات کا مسلسل حافظہ میں آنا Chain of Thought کہلاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں یہ بات ضروری ہے۔ کہ کیفیات کا مشاہدہ غیر جسمانی ہیئت میں ہوتا ہے۔ اور یہ ہیئت و کیفیات عالم مثالی کہلاتا ہے۔ یعنی یہ کیفیات ایک ایسی فضا میں محسوس کئے جاتے ہیں جہاں نہ مادی ہیئتیں ہوتی ہیں نہ انکا کوئی ٹھوس وجود ہوتا ہے۔ بلکہ ایک موہوم (غیر مادی) دنیا ہوتی ہے۔ یہ دنیا اگر چہ حافظہ اور شعور سے ہی وابستہ ہوتی ہے۔ پھر بھی اسکی کیفیت غیر مادی ہوتی ہے۔ یہ دنیا ہوتی کہاں ہے؟ یہ دنیا حافظہ میں ہوتی ہے۔ جو اپنی لطافت میں اسے قائم کرتا ہے۔ اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ حافظہ۔ واہمہ۔ تعقل اور شعور کا ہر حال میں غیر جسمانی طور پر ہی مشاہدہ ہوتا ہے۔ دوسری نوعیت مشاہدہ کی یہ ہوتی ہے کہ انسان بغیر حافظہ کے جمع شدہ خزانے کے ایسے واقعات بھی مشاہدہ کرتا ہے جس میں مکاں و زماں (وقت اور مقام) کی حد نہیں ہوتی ایسی حالت میں ماضی و مستقبل کے حالات بھی مشاہدہ ہوتے ہیں یہ دنیا حافظہ سے نہیں بلکہ انسانی وجود سے بیرون (باہر) ہوتی ہے۔ جو قلب و روح کے ذریعہ مشاہدہ ہوتی ہے کیونکہ ان کیفیات میں ایسے واقعات ماوراء ادراک بھی ہوتے ہیں جو پیشتر حافظہ میں جمع نہیں ہوتے ہیں۔ انہیں واقعات میں ایسی بھی کیفیات ہوتی ہیں۔ جو روحانی ہونے کے لحاظ سے روشن اور قوی ہوتی ہیں۔ یہ کیفیات مبنی بر حقیقت ہوتی ہیں۔ انکی خوبصورتی دلچسپ ہوتی ہے۔ اور یہ کیفیات مشاہدہ میں آتی ہیں تو انسانی تعقل و شعور انکے مشاہدہ میں اس قدر منہمک ہو جاتا ہے کہ دیگر کسی خبر کی قطعاً خبر نہیں رہتی یہ کیفیت بھی انہماک و استغراق کی صفت کہلاتی ہے۔

ہے۔جسے Chain of Thought کہتے ہیں۔اس میں بھی اگر نیند کی حالت میں یہ واقعات پیش آئیں تو ایسی خواب بے ترتیب اور گنجلک صورت میں واقع ہوتی ہے۔اسکے علاوہ حافظہ سے علاوہ بھی غیر جسمانی واقعات واہمہ تک پہنچتے ہیں اور واہمہ انکی اصلی شکل نہیں پا سکتا۔یہی واقعات حافظہ کے ذریعہ شعور پالیتا ہے۔ایسی کیفیت بھی غیر مترتب حالت میں پائی جاتی ہے۔اورانسان کے جاگنے پر یہی کیفیت حافظہ سے دوبارہ تعقل کے سامنے آتی ہے تو انسان اس خواب کے سمجھنے میں دقت محسوس کرتا ہے۔جس میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے اگر یہ واقعات حافظہ سے نکلے ہوں تو اسے خیالی خواب کہا جاتا ہے۔جسکی تعبیر کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔اگر یہ واقعات بیرونی ہوں اور واہمہ حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے بے ترتیب ہو گئے ہوں۔تو اسکی تعبیر کی جاتی ہے۔تعبیر سے مراد یہ ہوتی ہے۔کہ روحانی قوت کے ذریعہ واقعات اپنی اصلی حالت میں اخذ کئے جاتے ہیں۔کیونکہ روح ہر حال میں قوی ہوتی ہے۔اور جو عکس ماوراء ادراک سے حاصل کرتی ہے۔وہ اپنی قوت کے مطابق حاصل کرتی ہے۔کیونکہ اس میں مادی جسم نہ ہونے کی وجہ سے ادراکی قوت قوی اور مستقل ہوتی ہے۔اسلئے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہوسکتا۔یہ اپنے اخذ کردہ واقعات کو بعینہٖ قلب کے ذریعہ واہمہ تک پہنچاتی ہے۔اور اگر واہمہ درست ہو تو اسی کیفیت کو اپنی اصلی حالت میں لے لیتا ہے۔اور اسی واقعہ کو حافظہ حاصل کرتا ہے۔اگر یہ واقعات بیرونی ہوں۔تو حافظہ اسکی تصدیق نہیں کرتا (جیسے حافظہ کی حالت ایک نئی بات پر جو پیشتر نہ سنی ہو ہوتی ہے) اور اسی کیفیت کو شعور حاصل کر لیتا ہے۔تو اس میں واقعہ اپنی اصلی حالت میں ہوتا ہے۔جو جاگنے کے بعد بھی اپنی اصلی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔البتہ جب واہمہ۔حافظہ کمزور ہوں تو واہمہ واقعات کو غلط کر دیتا ہے۔اور حافظہ بھی انہی واقعات کو شعور کے سامنے پیش کرتا ہے۔تو ایسی خواب کے واقعات جو واہمہ۔حافظہ کی کمزوری نے غلط شکل میں پیش کئے۔تو خواب کے انہی واقعات کو بنیادی نقش پا رکھکر اصل واقعات کا کھوج لگایا جاتا ہے۔کہ دراصل یہ واقعات کیا تھے۔بہر حال یہ کیفیت تو خواب کی ہوتی ہے۔لیکن تنہائی میں جب حافظہ کے ذریعہ ایسے واقعات پیش آئیں۔تو اسوقت ایک موہوم (غیر مادی) ماحول کو محسوس کیا جاتا ہے۔ایسی حالت میں

اگرایک شخص سوچناشروع کرتا ہے۔تو وہ حافظہ کے جمع شدہ واقعات کوشعور کی طرف منتقل کرنے کیلئے یکسوئی کرتا ہے۔تا کہ حافظہ اپنے جمع شدہ خزانے کے واقعات کی ترسیل کو بند کردے اور ساکن ہو جائے۔اور جو معاملہ ہماری دل کی خواہش نے پیدا کیا ہے۔اسی کے مطابق (جسکے متعلق سوچنے کا ارادہ کیا ہو) اسی واقعہ کے مختلف اجزأ کوسمیٹ کر حافظہ سے نکالکر ایک مترتب خاکہ بنایا جائے۔ جسے یکسوئی (Concentration) کہتے ہیں۔اس سے انسان میں یہ قدرت ہو جاتی ہے۔کہ حافظہ پر زور دینے سے اس میں ضبط ونظم اور ترتیب کی قوت قوی ہو جاتی ہے۔یہ قوت چونکہ خواہش کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔اور خواہش دل سے پیدا ہوتی ہے۔اسلئے اس قوت میں لطافت بھی ہوتی ہے۔جسے قوت ارادی کہتے ہیں۔انسان کی قوت ارادی قوی ہونے پر انسان اپنے ہر فعل میں لطافت حاصل کرلیتا ہے۔اسوقت انسان خیالات میں نہیں الجھتا بلکہ اپنی خواہش کے مطابق حافظہ کو چلاتا ہے۔اور اس سے سوچنے میں کام لیتا ہے۔اسی سوچنے کو اصطلاحی الفاظ میں یاداشت (Memory.To think) کہا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک طالب علم سے ایک سوال کیا جاتا ہے۔تو وہ جواب نہیں دے سکتا تو اُسے کہا جاتا ہے۔''سوچ کر جواب دو'' اسکا مطلب یہ ہوتا ہے۔کہ اپنے حافظہ کو Set کر کے اس میں سے یاد کیا ہوا (جمع کیا ہوا) مواد جمع کرو تو حل تعقل کے سامنے آجائیگا۔تو یہی حافظہ ہی ہے۔جو کسی معاملہ کو حل کرتا ہے۔اسی حافظہ اور قوت ارادی سے ایک موجد اپنے حافظہ سے مختلف اجزأ سمیٹ کر ایک مشین کے کل پرزے کا خاکہ بنالیتا ہے۔اسی حافظہ سے ایک سائنسدان کسی نقطہ کو حل کرلیتا ہے اور اسی قوتِ ارادی سے جسکا تعلق دل سے ہے۔ایک محقق فلسفی ماوراء ادراک ماحول کا اپنی دل کی لطافت سے۔قوتِ ارادی سے۔دل اور حافظہ کو ایک صحیح معیار پر لاکر شعور کو ماوراء ادراک کیفیات کا عکس دیکر کسی کیفیت کی حقیقت معلوم کرلیتا ہے۔یہی حافظہ ہی ہے۔جو انسانی عروج کیلئے عظیم الشان نقوش پیدا کرتا ہے۔

الغرض جب انسان کسی معاملہ میں سوچنا شروع کرتا ہے۔تو سوچنے کے ساتھ ہی اسکے

سامنے ایک موہوم دنیا آجاتی ہے۔جس میں وہ ہر کیفیت کولطیف حالت میں محسوس کرتا ہے۔اور شعور کے سامنے ایک تصوراتی دنیا قائم ہو جاتی ہے۔ جسے وہ غیر جسمانی ہیئت میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہاں تعقل ان واقعات کو براہ راست محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ تعقل حواس خمسہ کے ذریعہ آمدہ اطلاعات کو واہمہ۔حافظہ کے ذریعہ محسوس کرتا ہے۔ چونکہ یہ واقعات مادی نہیں ہوتے ہیں بلکہ مادی حواس سے باہر ہوتے ہیں۔اسلئے ان واقعات کو شعور محسوس کرتا ہے۔البتہ جب یہ واقعات حافظہ میں محفوظ ہونے شروع ہو جاتے ہیں تو تعقل بھی محسوس کرتا ہے۔ اگر تعقل کو محسوس کرنے کی یہ صورت نہ ملے تو انسان کو شعور کے محسوس کئے ہوئے واقعات سے بھی آگاہی نہیں ہوسکتی۔اور وہ یہ نہیں سمجھ سکیگا کہ غیر جسمانی عالم میں کیا واقعات رونما ہو رہے ہیں۔

سوچتے وقت اگر انسان اس سے پیشتر ان واقعات کو حافظہ میں (دیکھنے۔سننے سے) جمع کر چکا ہو تو اس تصوراتی دنیا کا نقشہ حافظہ کے جمع شدہ واقعات کے مطابق ہی بنتا جاتا ہے۔ جسے تصور خیالی کہتے ہیں۔اگر حافظہ میں واقعات جمع نہ ہوں تو پھر انسانی خواہشاتِ دل کا سلسلہ واہمہ تک پہنچتا ہے۔ واہمہ خود بخود اسکی شکلیں پیدا کرتا ہے (جیسے وہمی ایک صحیح چیز کو غلط نام دیتا ہے) چونکہ یہ واقعات اس سے قبل مشاہدہ میں نہیں ہوتے ہیں۔ اور حافظہ میں بھی نہیں ہوتے ہیں۔اسلئے واہمہ حافظہ کی ملاوٹ سے اسی قسم کا نقشہ پیدا ہوتا ہے۔ جس قسم کے نقوش واہمہ پیشتر اسی قسم کے مشابہ حاصل کر چکا ہوگا۔لیکن یہ نقشہ حافظہ کے جمع شدہ نقوش کی مشابہت میں اصل ہیئت کے مطابق نہیں ہوگا۔اسلئے اس تصور کو تصور واہمی سے تعبیر دیا جائیگا۔مثال کے طور پر ایک شخص گاؤں کا رہنے والا ہے شہر کبھی دیکھا نہیں البتہ اپنے گاؤں کے کسی بڑے آدمی کا مکان دیکھا ہوگا اسکے حافظہ میں سوائے گاؤں کے کھیتوں پگ ڈنڈیوں اور گارے کے مکانوں کے سوائے کچھ نہیں تو جب یہ شہر کا تصور کریگا تو اپنے حافظہ کی جمع شدہ کیفیتوں کے ہم مشابہ ہی ایک تصور قائم کریگا۔اسی طرح اسکے واہمہ میں اگر کوئی بالاتر شے آئی تو وہ حقیقت نہ ہوگی بلکہ بناوٹی ہوگی۔ یہ وہمی تصور ہوگا۔البتہ واقعہ کی اصل کیفیت اسوقت صحیح ہوسکتی ہے۔ جب انسان کے تمام قویٰ صحت مند ہوں۔اسکا قلب صحیح لطیف حالت میں

ہو۔اسکا واہمہ۔حافظہ درست ہو۔اس حالت میں ماسوائے ۔واہمہ۔حافظہ کے ذاتی تصورات کے روحانی کیفیات کیلئے روحانی قوت ۔ماوراء ادراک کیفیات کا عکس حاصل کریگی۔چونکہ انسان کے مشاہدہ میں غیر جسمانی واقعات بھی آتے ہیں اور انکے لئے واہمہ۔حافظہ۔شعور بھی پائے جاتے ہیں۔اسلئے ماوراء ادراک غیر جسمانی کیفیات حاصل کرنے کیلئے بھی مادی حس کا بدل روح ہوتی ہے۔جوفطری طور واہمہ۔حافظہ اور شعور کے ساتھ اسے حاصل ہے۔یہی روح اس تصوراتی دنیا میں اصل واقعات کا عکس لیکر واہمہ۔حافظہ کے ذریعہ شعور تک پہنچاتی ہے۔اور شعور اسی روح کے ذریعہ (آنکھ کا کام لیکر) ایک حقیقی تصوراتی دنیا کا ادراک کرسکتا ہے۔جو اپنی اصلی حالت میں واقع ہوگا اسے تصور حقیقی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔اس تصور حقیقی کا تعلق روح سے ہے۔جوخواب کی حالت میں بھی ماوراء ادراک کیفیات وواقعات کا ادراک کراتی ہے۔اس کیفیت میں بھی دو قسمیں ہیں۔اگر خواب کی مانند واہمہ کمزور ہوتو پھر وہی صورت پیش آئیگی۔کہ روح ایک واقعہ کا صحیح عکس حاصل کریگی۔لیکن واہمہ کی کمزوری کے باعث واقعہ واہمی ہوجائیگا۔اگر حافظہ کمزور ہوتو یہ صورت خیالی ہوجائیگی۔

انسانی ادراک کیلئے روح بھی کام کرتی ہے۔جسکا تعلق انسانی ذہن سے ہوتا ہے۔لیکن یہ تعلق براہ راست نہیں ہوتا ہے۔بلکہ ایک حس (عضو) سے ہوتا ہے۔جو اپنی بناوٹ میں مثل حافظہ کے مادی بھی ہو اور اسکا عمل لطیف بھی ہو۔گویا جہاں پر اس روح کا احساسات سے تعلق ہو وہی ہمارے شعور وتعقل اور اس روح کا رشتہ قائم کرنے والی قوت (حس) ہوگی۔بظاہر ہمارے حواس خمسہ سوائے مادی اشیاً کے کسی لطیف شے کا ادراک نہیں کرسکتے۔پھر کونسی شے ہوسکتی ہے؟ جولطیف حالت میں لطیف کیفیتوں سے متاثر ہوتی ہے۔ہم دیکھتے ہیں۔کہ بعض واقعات وکیفیات ایسے بھی ہیں جنکا کوئی مادی وجود نہیں ہوتا ہے۔لیکن ہم ظاہری صورت میں انہیں محسوس کرتے ہیں۔انسان کے سر میں درد ہوتا ہے۔یا پیٹ میں۔یا جسم کے کسی حصہ میں مرض یا درد ہوتا ہے۔مادی حیثیت میں ہم انکے اسباب وعلل کیلئے ایک ٹھوس قاعدہ پاتے ہیں۔کہ سر میں درد۔دماغ کی کمزوری۔یا بخارات کی وجہ۔پیٹ میں درد ہونا۔معدہ یا آنتوں میں خلطوں اور مادیات کی کمی بیشی کے سبب ہوتا ہے۔

لیکن بعض اوقات کسی دردناک یا فوری حادثہ کی خبر کانوں کے ذریعہ یا آنکھوں کے ذریعہ دیکھنے سننے میں آتی ہے۔ جسکا اثر ہمارے دل پر ہوتا ہے۔ جس سے ہم۔ درد یا رنج وغم کا اثر پاتے ہیں۔ مادی صورت میں دل پر اثر ہونے کے اسباب بھی اگر چہ ہمارے مادی Glands [1] (غدود) ہوتے ہیں۔ تاہم۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صورت میں ہمارے جسم میں کوئی بیرونی مضر مادہ داخل نہیں ہوتا

---

[1] مثال کے طور پر ایک شخص بے حد صدمات اور پریشانیوں سے متاثر ہوتا ہے۔ جنکا اثر دل پر پڑتا ہے۔ ان کیفیات کے تواتر سے انسان وجودی حیثیت میں کمزور پڑ جاتا ہے۔ اسکے مادی جسم پر اثر پڑ کر کئی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ جیسے غم کی خبر سنکر بھوک نہ لگنے سے کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے۔ بعض اوقات دل پر شدید قسم کا اثر پڑنے سے دق وسل کے مہلک مرض میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ بظاہر ان امراض کے ظاہری اسباب نہیں ہوتے ہیں۔ جن سے دق وسل یا بدنی بیماری (کمزوری) پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ انسانی لطیف ذرات پر اثر پڑنے سے انکی ہیئت مادی ہو جاتی ہے۔ اور یہی لطیف ذرات بیماریوں کے اسباب بن جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے منہ سے خون آتا ہے۔ بار بار کی دیگر کمزوریوں کے باعث واہمہ۔ حافظہ۔ قلب کمزور ہونے کی وجہ سے انسان کی قوت تمیز مفقود ہو جاتی ہے۔ اور وہ وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ دل کی کمزوری کے باعث معمولی سے معمولی تکلیف کو حد سے زیادہ محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں واہمہ وحافظہ اور دل کی کمزوری کی وجہ سے انسان منہ سے خون آنے کو بجائے دانتوں یا حلق کی خرابی سے خون آنے کو اندرونی مرض تصور کرنے لگتا ہے۔ اور وہم ہو جاتا ہے کہ پھیپھڑوں سے خون آتا ہے۔ اس تصور کے مستقل ہونے سے یقینی طور دق وسل کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور پختہ یقین ہونے پر دق ہو ہی جاتا ہے۔ یا اسی قسم کے کئی وہمی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتاً وہ بیماری نہیں ہوتی ہے اور نہ بیماری کے ظاہری اسباب موجود ہوتے ہیں۔ اس قسم کی بیماری کو Psychic effect کہتے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ واہمہ کی خرابی سے مرض محسوس کیا جاتا ہے۔ دراصل اسکے اسباب ظاہری نہیں پائے جاتے ہیں۔ اگر بیماری کے اسباب موجود نہیں تو پھر بیماری کا وجود کیسے بنتا ہے۔ یعنی مرض میں مبتلا ہونے پر اُس مرض کے جراثیم ہونے ضروری ہیں۔ یہ جراثیم جبکہ بیرون سے داخل نہ ہوں تو پھر جسم کے اندر ہی بنتے ہیں۔ اسکے اسباب یہ ہیں۔ کہ اول تو جسم میں ہر قسم کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جو وجود کی کمزوری کے باعث گھٹنے بڑھنے لگتے ہیں۔ ان جراثیم کا گھٹنا بڑھنا ہی بیماری پیدا کرتا ہے۔ دوسرے۔ واہمہ یا دل کی کمزوری کیوجہ سے۔ جب دل کسی بیماری سے متاثر ہوتا ہے۔ دل چونکہ خواہش اور ارادہ کا مخزن ہے۔ خواہش اور ارادے کا وجود اسکے خون (روح) سے وابستہ ہے۔ اور خون کبھی لطیف حالت میں ہوتا ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔جسکے سبب ہم پر یہ اثر غالب ہو۔اور نہ ہی کوئی مادی وسیلہ ان اثرات کیلئے پایا جاتا ہے۔تو پھر اسکی نوعیت یہی ہوسکتی ہے۔کہ ایسی کیفیتوں کا اثر کسی قدر غیر مادی صورت میں ہو۔اگر اس قسم کے واقعات میں رنج وغم اور خوشی کے ذریعہ ہی ہماری جسمانی صحت کا متاثر ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔تو اسکا مطلب یہی ہوسکتا ہے۔کہ ہر وہ کیفیت جو غیر مادی حیثیت میں ہم سے متعلق ہو جاتی ہے۔وہ دل کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔اسلئے تمام روحانی قوتوں کا صدور ہمارے قلب کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔اور اس روحانی قوت کی نسبت (تعلق) جو ہمارے وجود سے وابستہ ہے اور بیرونی (ماوراء ادراک) واقعات کے مشاہدہ کا ذریعہ ہے۔اُسی قلب سے ہوتی ہے۔ہماری خواہشات۔اور ارادے جن کیلئے ہم اپنے جسم کے کسی حصہ میں (یا دماغ میں) جگہ نہیں پاتے اسی قلب سے پیدا ہوتے ہیں۔جنکی تحریک پر ہمارے عمل کا اجرأ ہوتا ہے۔گو اسکی کیفیت بھی حافظہ جیسی ہے۔جو دو انچ سے کم حجم میں اپنے میں بحر قلزم کی وسعت سمالیتا ہے۔اور خواب کی صورت میں بھی دل پر اثر ہوئے ہوئے خوشی۔غم۔خوف کے تاثرات روحانی ہیئت میں حافظہ پر عکس پذیر ہو کر ایک خواب کی شکل پیدا کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) کبھی کثیف حالت میں۔اسلئے قلب کی کمزوری سے اسکے لطیف مادہ میں مادیت کا اثر آجاتا ہے۔اور انسان جس قسم کی بیماری کو محسوس کرتا ہے۔یہ لطیف مادہ کثیف ہو کر اسی بیماری کے جراثیم کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔چونکہ اسکا تعلق خون سے ہی ہے۔اسلئے یہ مادہ خون سے ہی اثر پذیر ہوتا ہے یہی کیفیت واہمہ کی ہوتی ہے۔اس میں بھی لطیف ذرات ہوتے ہیں یعنی یہ خود لطیف ذرات کا مرکب ہوتا ہے۔اس میں کمزوری آنے سے اسکے لطیف ذرات کثیف ہو جاتے ہیں اور جس قسم کی بیماری کا وہم اس پر ہوتا ہے اسی ہیئت کے ذرات مبدل ہو کر جراثیم کی ہیئت اختیار کر کے بیماری کا سبب بن جاتے ہیں۔اسکا سب سے بڑا علاج یہی بتایا جاتا ہے کہ انسان ان تفکرات سے دور رہنے کی کوشش کرے جو دل پر اثر انداز ہوں۔اور واہمہ حافظہ پر بھی اثر انداز ہوں جن سے وہم پیدا ہوتا ہے۔گو دل بجائے خود صرف Sumping کا کام ہی کرتا ہے مگر روحانی حیثیت میں بھی یہ اپنی لطافت کے اعتبار سے لطیف قوتوں کو تحریک دینے کا آلہ ہے اسلئے لازمی طور جب ہم اپنے وجود میں لطافت کی تحریک کیلئے اور کوئی ذریعہ نہیں پاتے۔تو دل ہی خصوصی طور لطافت کا حامل ہوتا ہے۔اسی طرح غیر جسمانی قوت جو ہمارے ادراک کیلئے ہم سے وابستہ ہے اسی قلب کے ذریعہ ہم سے تعلق پیدا کئے ہوئے ہے۔

اسلئے تمام تر خوابوں کی اصل ونقل کا دارومدار دل سے بھی متعلق ہوتا ہے۔مثال کے طور پر ایک انسان کے دل میں ایک محل حاصل کرنے کی خواہش ہے۔اور وہ اسے حاصل نہیں کرسکتا۔تو اسکے خواب کی نوعیت اس خواہش کے تحت یہ ہوگی۔کہ یہ خواہش ظاہراً کوئی وجود نہیں رکھتی۔اسلئے لطیف حالت میں ہوگی۔یہ خواہش عالم خواب میں کسی وقت بھی نقش [1] پیدا کر کے واہمہ پر اپنی لطیف حالت میں عکس پذیر ہوسکتی ہے۔اگر واہمہ کمزور ہوتو اسکی شکل بنا کر حافظہ کو عکس حاصل ہوگا۔اور حافظہ تعقل کے معطل ہونے پر شعور کو اسکی اسی غیر مادی کیفیت کا رنگ پیش کریگا۔تو انسان خواب میں دیکھیگا۔کہ ایک محل بنا رہا ہے۔یا اسے مفت محل حاصل ہوا ہے۔اور وہ اس میں رہ رہا ہے۔یہاں دل کی کیفیت کو بنیادی صورت میں دیکھنا ہے۔کہ یہ خواہش کیوں اور کس طرح پیدا ہوئی۔یہ اسلئے کہ انسان اپنی قوت و استطاعت سے زیادہ کی طلب کرتا ہے۔اس میں لالچ کا مادّہ ہے۔گویا انسانی دل کی کیفیت بھی مثل واہمہ۔حافظہ کے کمزور ہے۔ورنہ انسان ایسی خواہش نہیں کرتا۔جو اسکی بساط سے باہر ہو۔یہی خواہش ایک کیفیت کی صورت میں آتی ہے جسے نفسانی خواہشات (یا حیوانی) کی خواب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

جہاں تک تفکر کا تعلق ہے۔انسان کیلئے ہر شے پر سوچنا۔کھوج لگانا۔لازمی ہے۔کیونکہ دماغ سے سوچنا اور تعقل۔شعور وقلب کا حاصل ہونا ہی انسان کو باقی مخلوقِ حیوانی سے ممتاز کئے ہوئے ہے۔اسلئے دماغ سے سوچنا اور فکر کرنا ہی اسکا خصوصی کام ہے۔تعقل اور تفکر کا نتیجہ ہی کسی شے کے علم کا ادراک حاصل ہونا ہے اور ادراک کیلئے ہی انسان میں خصوصی قوتیں موجود ہیں۔

انسانی ادراک کیلئے دو نوعیتیں ہوتی ہیں۔ایک ان کیفیتوں کا علم و ادراک جو ہمارے ظاہری حس کے احاطہ میں آنے والی ہوں۔دوسری وہ جوان احساسات کے احاطہ میں نہیں آتیں خواہ وہ مادی صورت میں ہوں یا روحانی صورت میں۔ان کیفیات کو ماوراء ادراک سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔

مس کرنا۔سونگھنا۔ذائقہ ہماری قریبی اور محدود حس ہیں۔سامع (سننا) دور تک کام کرتی ہے اور باصرہ (دیکھنا) ان سب سے دور تک کام کرتی ہے۔اور باصرہ ہی ہمارے مادی کیفیت کے

---

[1] جسطرح حافظہ میں کیفیات جمع ہوکر عالم تنہائی میں تعقل یا شعور کے سامنے آجاتے ہیں۔

وجود کی علم کی صورت میں تصدیق و تکمیل کرتی ہے۔ مثلاً ہم کان سے دور کی ایک آواز سنتے ہیں۔ لیکن آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ واہمہ اسکی کئی تاویلیں بنا سکتا ہے۔ آواز کے سننے پر اگر چہ ہم کسی رنگ میں بھی اسکے وجود کے قائل نہیں ہوتے لیکن ہمارے تصورات ایک موہوم وجود کا لازمی طور یقین کر لیتے ہیں۔ اور جب آنکھ اس شے کو دیکھ لے۔ تو ہمارے تصور میں حقیقت جگہ پکڑتی ہے۔ اور ہمارا واہمہ بھی تاویل کرنے سے رہ جاتا ہے۔ یہ کیفیتیں ہمارے ادراک ظاہری میں خواہ کان سے ہوں یا آنکھ سے ماوراء ادراک حیثیت نہیں رکھتیں۔ البتہ وہ کیفیتیں۔ جو اگر چہ مادی ہی ہوں۔ کان۔ آنکھ کے احاطہ میں آئیں۔ ماوراء ادراک کہلاتی ہیں۔ مثلاً ہم اپنے اردگرد ماحول میں بہت سی کیفیتیں پاتے ہیں۔ جو ہمارے حس کے احاطہ میں آتی ہیں۔ لیکن ہم سے بہت دور جہاں ہمارے کان۔ آنکھ کام نہیں کرتے۔ ہم اِنکے وجود کیلئے کوئی تصور پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارے لئے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لیکن مادی حیثیت میں اس سے انکار نہیں۔ کہ جہاں تک اس مادی دنیا کی وسعت ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے احساسات میں نہیں۔ لیکن انکا وجود لازمی ہے۔ انکے وجود کیلئے ہم دنیا کی وسعت کو ہی دلیل (ثبوت) میں رکھکر انکے وجود کا بن دیکھے قائل ہونگے۔ لیکن ان چیزوں کو ماوراً ادراک تعبیر دیا جائیگا۔ مثال کے طور جب ہم ایک جگہ بیٹھے ہوں۔ اور ہماری قریبی اشیاً ہمارے ادراک کی حد میں ہونگی۔ اور جو اشیاً حد نظر سے باہر ہمارے احساسات کے دائرے میں نہ ہوں اور وہ ہمارے ادراک میں نہ آنے والی ہوں وہ ہمارے لئے جب تک ہم انکے قریب نہ ہوں اور ہماری نظر کی حد میں نہ آئیں ماوراء ادراک ہی ہونگی۔ وہ سیّارے جو ہماری نظروں سے دور ہیں۔ یا ایک ذرّہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ یا سورج کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ ہم نظر کے ذریعہ انکے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن ہمارے لئے یہ بھی ماوراء ادراک ہیں۔ کہ ہمیں انکی صحیح کیفیت کا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ یا ایک شہر سے دوسرے شہر کے مقامات جہاں ہمارے حواس نہیں پہنچتے ہمارے لئے ماورائے ادراک ہیں۔ ایسی چیزوں کے علم وادراک کیلئے ہمارے پاس ضرور سامان ہونا چاہیے۔ جن کے ذریعہ ہم انکا علم وادراک حاصل کر سکیں۔ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ہمارے ادراک کیلئے

ایسی چیزیں بھی موجود ہیں جن سے ہم ماوراء ادراک ہیئتوں کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسے دور بینی آلات۔ ریڈیو۔ ٹیلی فون۔ ریڈیائی ذراتِ فضائی۔ ٹیلی ویژن۔ ایتھر اور دیگر قسم کی جدید ایجادات وغیرہ۔ جن سے ہم ماوراۓ ادراک (لاکھوں میل دور) اشیأ کے وجود کے قائل ہو رہے ہیں۔ اس امر کا ضروری لحاظ رکھا جائے۔ کہ یہ سامان وقتی طور پر ہی موجود نہیں ہوتے۔ بلکہ انسان کی اولین پیدائش کے ساتھ ہی کائنات میں موجود ہوئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ساتھ ہی اسکے ادراک و مشاہدہ کیلئے ہر کیفیتِ ماوراء کے علم کا سامان بھی مہیا ہوا ہے۔ مثلاً دور بنی (آتشی) شیشہ۔ یا ریڈیو۔ ٹیلی فون وغیرہ ان تمام اشیأ کا وجود مستقل نہیں۔ صرف تحقیق انسانی کے ذریعہ ایک مرکب کی صورت میں ترتیب دی گئی ہیں۔ جن سے ہم اپنے علم و مشاہدہ کا کام لیتے ہیں۔ ورنہ جہاں زمین کا وجود ابتدائی قائم ہوا۔ وہاں یہ اشیأ بھی بنیادی طور وجود میں زمین کی علت کے ساتھ موجود ہوئیں۔ الغرض جہاں ہمیں مادی حیثیت میں ماوراء ادراک کے علم کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو اسکے علم کیلئے ہمارے پاس اسی قسم کے آلات (ذرائع) مہیا ہیں۔ یہ امر لازمی ہے۔ کہ مادی کیفیات خود مستقل نہیں بلکہ معلول کی حیثیت سے ہیں (یعنی خود نہیں بنیں بلکہ کسی علت سے بنی ہیں) کائنات کے منظم نظام میں کوئی ایسی شے نہیں جو بے ترتیب ہو۔ اور یہ بھی امر واقع ہے۔ کہ ہر علت اپنے معلول کے مقابلہ میں قوی اور وسیع ہوتی ہے اور لطیف بھی ہوتی ہے۔ ایسی ہیئتوں کا علم ہمارے تمام مادی ذرائع کے احاطہ سے باہر ہے۔ کیونکہ جہاں باریک مادہ کا تعلق ہے۔ ہم ہر باریک سے باریک قوت (ذرائع) سے انکا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں مادہ سے لطیف قوتیں جو اپنی روحانیت (خالصیت) میں بغیر مادہ کے خالص (لطیف) ہوں وہاں کوئی مادی ذریعہ کارآمد نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ایک فطری قانون ہے۔ ہم اس کائنات کے ہر ذرہ کی تحقیق کیلئے ایک نہ ایک ذریعہ ضرور پاتے ہیں۔ تو لازمی ہے۔ کہ ہمارے لئے ماوراء ادراک لطیف قوتوں کیلئے بھی ایک خصوصی لطیف ذریعہ حاصل ہو۔

جہاں تک ہم اشرف المخلوقات جو ہر مرکب حیثیت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ تو ہم یقینی طور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ ہماری ہیئت کے اعتبار سے ہم میں ایک ایسی بھی قوت ہو سکتی ہے۔ جو اپنی

لطافت میں اسقدر لطیف ہوسکتی ہے۔ جو دنیا کی تمام ایٹمی ۔ ایتھری۔ الیکٹرسٹی وغیرہ قوتوں سے بھی زیادہ قوی ہو۔ اور اس قوت کی ہیئت بھی ایسی ہوسکتی ہے۔ جو ان تمام لطیف اور غیر جسمانی قوتوں کو اپنے احاطہ میں لاسکتی ہے۔ جسے روح کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسکے ثبوت کیلئے ہمارے پاس ہمارے ادراک کرنے والی قوت شعور کافی ہوسکتا ہے۔ جو نیند کی حالت میں۔ یا جاگتے ہوئے بھی۔ ایک غیر جسمانی عالم (کیفیت) محسوس کرتا ہے۔

چونکہ ہمارے وجود میں ماسوائے جملہ قوائے وجودی کے خصوصاً۔ واہمہ۔ حافظہ اور شعور کے دل بھی ایک لطیف کیفیت کا حامل ہے۔ اسلئے دل کی لطیف ہیئت کے مطابق اس روح کا Connection (تعلق) بھی دل کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔ اسکی ترکیب یہی ہے کہ جہاں مادی حیثیت میں حافظہ بحر قلزم کی وسعت کا تصور اپنے میں (لطیف ہیئت میں) سما سکتا ہے۔ اسی طرح دل بھی اس وسیع روحانی کیفیت کو اپنے میں سمالیتا ہے۔ چونکہ روح لطیف اور قوی ہے۔ اسلئے اسکا وجود بھی ایک طرف دل میں سما جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ خود اتنی وسیع اثر رکھتی ہے۔ کہ علت لامحدود (اللّٰہ) سے لیکر زمین کے ایک ادنیٰ ترین ذرہ کو اپنے ادراک میں لاسکتی ہے۔ اسلئے روح کے توسل سے انسان ۔ خواب ہو یا عالم بیداری۔ ہر ماوراً ادراک اور قریبی شے کو بھی بحیثیت مساوی ادراک کرسکتی ہے۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ ہر ماوراً ادراک کیفیت کیلئے ہمارے یہ تین Organ واہمہ حافظہ ۔ شعور جذب کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں اور ساتھ ساتھ چونکہ دل بھی بظاہر مادی ہیئت میں ہے۔ اس میں بھی مثل واہمہ حافظہ کے کمزوری پائی جاتی ہے۔ اسلئے باقی Organ کے ساتھ خصوصی طور اسکا قوی ہونا ازبس ضروری ہے۔ ورنہ ماوراً ادراک کیفیات کا حاصل ہونا مشکل ہوگا۔

خواب یا بیداری کی حالت میں دل بھی اگر کمزور ہو تو یہ بھی کمزور ہونے کی صورت میں حیوانی تاثرات کا نقشہ بنا کر واہمہ حافظہ کو عکس دیتا ہے۔ انسانی تمام خواہشات نفسانی کا مخزن بھی دل ہے۔ اگر انسان کا کردار غیر فطری ہو تو انسان کے دل میں حیوانی خواہشات جمع ہوتی ہیں اور انسان کا غیر فطری کردار ہونا بھی دل کی کمزوری پیدا کرتا ہے۔ اسلئے دل ہر وقت نفسانی خواہشات کی تکمیل پر

مصروف رہتا ہے۔اور خواب کی حالت میں یہی تکمیلِ خواہشات نفسانی حافظہ واہمہ سے متصل ہوکر نفسانی خواب کی شکل پیدا کرتی ہے۔ برعکس اسکے اگر انسان کا کردار قوانین فطرت کے مطابق ہو۔تو لازمی طور یہ دل کے قوی ہونے کی علامت ہوتی ہے۔قوی ہونے کی صورت میں اس میں بجائے شہوانی قوت کے لطافت پیدا ہوتی ہے۔ لطافت چونکہ روحانی ہوتی ہے۔اسلئے دل کا تعلق روحانی قوت سے متعلق ہوجاتا ہے۔اور روحانی قوت۔جب اپنی ہیئت کے اعتبار سے عکس (ماوراُادراک غیر جسمانی یعنی روحانی عالم کا) حاصل کرلیتی ہے۔تو دل اس اثر کو صحیح طور پر قبول کرلیتا ہے۔جس طرح Area of Sight سے واہمہ عکس لیتا ہے۔اسی طرح اس روحانی قلبی کیفیت کا عکس بھی واہمہ حاصل کرلیتا ہے۔ چونکہ یہ واقعات شہوت سے پاک ہوتے ہیں۔اسلئے اس حالت میں انسان خالص واقعات اس روح کے ذریعہ مشاہدہ کرتا ہے۔جس میں ہر نوع (قسم) کے ماوراُادراک واقعات۔ ماضی۔حال۔مستقبل کے بلاتعینِ زماں (وقت) اور دور ونزدیک کے واقعات بلاتعین مکاں (جگہ) مشاہدہ میں آتے ہیں۔خواب کی حالت ہوتو یہ خواب ''رویائے صادقہ'' یعنی سچے خواب کہلاتے ہیں اگر جاگتی حالت میں ہوں تو یہ واقعات کشف والہام کے نام سے تعبیر دیئے جاتے ہیں۔ البتہ یہ ضروری اور لازمی امر ہے کہ اس کشف والہام کا دارومدار انسانی افعال وعقائد پر ہوتا ہے۔اور عقائد و افعال کا دارومدار دین (پیغمبر کی تعلیم دین الٰہی) پر منحصر ہوتا ہے۔یعنی عقائد وافعال سے انسان جسقدر اپنے آپکو عروج یا تنزل کی طرف لے جائے دل اسی قسم کی کیفیات (خواہشات) سے ملوث ہوگا۔اگر نیک افعال کا صدور اس سے ہوتو انسان کے قلب میں روحانی قوتیں قوی ہوجائینگی۔اور اگر قوانین فطرت کے خلاف غیر دینی (غیر شرعی) افعالِ بد کا ارتکاب کیا تو اسکے قلب میں باطل (شہوانی) خواہشات اور مادی قوتیں ترقی کرجائینگی اور اسی قسم کی خواہشات پر اسکے کشف والہام کا انحصار ہوتا ہے۔

انسانی وجود کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ انسان اگرچہ جواہر مرکب ہے لیکن یہ تمام جواہر اسی زمین خاکی (مادی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ تمام جواہر بھی مادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلئے انسان اپنی وجودی ہیئت میں خاکی وجود کا حامل ہے۔اور خاکی وجود کو مرکب حیوانی کہا جاتا

ہے۔اور جہاں اسکا تعلق ماورأ ادراک کیفیتوں سے ہو جاتا ہے۔اسکے لئے اسکے مرکب میں ایک لطیف روح بھی ودیعت کی گئی ہے اور انہیں دو (حیوانی و روحانی) قوتوں کا مرکب مکمل انسان کہلاتا ہے۔انہی دو اجزأ پر انسان کے تمام ادراک کا دارومدار ہے۔ان دو اجزأ کی ترقی وتنزلی کا دارومدار انسانی عمل پر ہی منحصر ہے۔اچھے عمل سے روح قوی ہوتی ہے۔برے عمل سے شہوانی قوت غالب آتی ہے۔ جہاں مادی حیثیت سے ہمارا کریکٹر غیر فطری ہوگا۔ہم حقیقت سے دور۔انحراف وفساد کی طرف چلے جائینگے اور جہاں ہمارا کریکٹر فطری اور روحانی ہوگا۔تو اسکا اثر ہمارے۔قلب۔روح۔ واہمہ۔ حافظہ۔حس مشترک پر بھی اثر انداز ہوگا ہمارا ہر قوی Organ لطیف ہیئت اختیار کریگا اور ہمارا مشاہدہ اپنی ذات کے ایک ذرہ سے لیکر۔منجملہ تمام روحانی ماورأ ادراک کیفیات کی علتِ لامحدود (اللہ) تک براہ راست جاری ہوگا۔

یہ بات حقیقت ہے۔کہ انسان فطرت کے صحیح اصولوں پر پیدا ہوتا ہے۔اشرف المخلوقات انسان ہونے کی حیثیت سے۔اسکے تمام قویٰ۔روح۔قلب۔حواس خمسہ۔واہمہ۔ حافظہ۔حس مشترک مکمل اور قوی ہوتے ہیں۔اسکے قلب میں فطری لطافت (نور) ہوتی ہے۔اسکے واہمہ۔ حافظہ میں بھی لطافت ہوتی ہے۔اگر پیدائش کے وقت بچہ میں قوتِ گویائی ہو اور اپنے حالات کے اظہار کی قدرت رکھتا ہو۔تو انسان ہر ماورأ ادراک کیفیت کے مشاہدہ کا اظہار کرتا۔لیکن بچہ کی گویائی ہوتی ہے نہ تعقل اسقدر قوی ہوتا ہے۔کہ وہ مادی حیثیت سے اپنے شعوری مشاہدات کا اظہار کر سکے۔ بچہ مادی حیثیت میں گویائی (بولنے) اور تعقل میں نامکمل ہوتا ہے۔ورنہ اسکا قلب۔اسکا حافظہ۔اسکا شعور فطری طور پر مکمل ہوتا ہے۔کیونکہ یہ قویٰ اگرچہ مادی ہوتے ہیں۔لیکن انکا تعلق روحانیت یعنی لطافت سے بھی ہوتا ہے۔روح اور روحانی قویٰ بجائے خود لطیف ہونے کی حیثیت سے ابتداً مکمل ہوتے ہیں اور آخر تک اِنکی ہیئت ایک ہی انداز پر رہتی ہے۔کیونکہ نور (روح) ایک ایسی لطیف شے ہے جو اپنی ہیئت کے لحاظ سے غیر محدود اور قوی ہوتی ہے۔اسلئے اسے کسی تبدیلی (تنزل وعروج) کی ضرورت نہیں رہتی۔اسی لحاظ سے بچہ اپنی اشرف المخلوقات شرفِ نوری میں مکمل ہوتا ہے۔اسلئے کہ مادہ

ہر حال میں ہیئت تبدیل کرنے والا اور محدود ہوتا ہے۔ مادہ ابتدائی حالت میں ایک حالت پر ہوتا ہے۔ جوں جوں یہ نشو وارتقاء کی منزلوں سے گزرتا ہے۔ یہ اپنی ہیئتیں بدلکر تکمیل کی طرف جاتا ہے۔ جہاں تک کہ اسکے وجود میں ارتقائی وسعت وقوت ہو۔ اسکے بعد تنزل کی طرف آکر اپنے اصل کی طرف رجوع ہونے کیلئے منتشر ہوجاتا ہے یہ ترکیب ایک فطری قانون کے مطابق ہوتی ہے۔

یہی حالت ایک انسان کی ابتدائی پیدائش میں ہوتی ہے۔ کہ روحانی حیثیت میں اسکا قلب خواہشاتِ باطل سے خالی ہوتا ہے۔ اسکا واہمہ قوی ہوتا ہے۔ وہ کسی نقش وصورت کو غلط رنگ نہیں دیتا۔ اسکا حافظہ باطل اور مادی واقعات سے خالی ہوتا ہے۔ جوں جوں انسان مادی غذاؤں سے اپنی نشو ونما پاتا ہے۔ اس پر مادی اثرات کا اثر پڑتا جاتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی جوں جوں اسکا تعقل پختہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ حواسِ خمسہ سے حاصل شدہ واقعات سے اپنی قوتِ تعقل کے مطابق آگاہی حاصل کرنا شروع کرتا ہے۔ اور جب اسکا تعقل سنِ بلوغت کے مقام پر پہنچتا ہے۔ اُسوقت اسکا تعقل اسقدر پختہ ہوجاتا ہے کہ وہ ہر کیفیت کو پورے طور پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور ان کیفیات کو اپنے ماحول کے مطابق ہی حاصل کر کے دل اور حافظہ میں جمع کرنا شروع کر دیتا ہے۔ چونکہ تعقل اسوقت پختہ ہوتا ہے۔ اسلئے اسکے حافظہ ودل میں جمع شدہ واقعات کا اسے واسطہ رہتا ہے۔ اسکا ماحول ابتداً اسکے والدین کی صحبت سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس ماحول میں والدین کے افعال وکردار وعقائد کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت اسکے گھر کے افراد میں سے والدین ہی اسکے قریب ہوتے ہیں۔ اور اسکا ماحول گھر کی چاردیواری میں ہی محدود ہوتا ہے۔ اصول ہے۔ کہ ہر ذی روح کی پیدائش میں فطری طور پر اکثر خصائص ورثہ میں آتے ہیں۔ جیسے ہر حیوان میں ماں باپ کی فطری عادات مثل ورثہ کے پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور۔ مرغی انڈے دیتی ہے۔ تو پہلے جگہ تلاش کرتی ہے۔ پھر انڈے سی لیتی ہے۔ پھر بچوں کی پرورش اور انکی خوراک کے حصول کی راہنمائی کرتی ہے۔ اسی طرح جب مرغی پہلی مرتبہ انڈے دینے۔ سینے وغیرہ کا عمل کرتی ہے۔ تو یہ بغیر کسی راہنمائی کے مثل ماں کے عمل کرتی ہے۔ یا بلی۔ یا کوئی اور جانور اپنی ابتدائی حالت میں ماں کا سا فعل بغیر کسی

راہنمائی کے کرتا ہے۔تو یہ خصائص فطری ہوتے ہیں جو مادۂ منویہ (نطفہ) کے ذریعہ (جس پر بچہ کی بنیاد ہوتی ہے) منتقل [1] ہوتے ہیں۔اسی طرح انسان میں بھی فطری طور اکثر خصائص ورثہ میں منتقل ہوتے ہیں۔ان میں خصوصی طور وہ عادات ہوتے ہیں۔جو بچہ کی نشو ونما کی راہنمائی کرتے ہیں۔ جیسے بچہ کا دودھ پینا۔اور وہ خصائص جو والدین کے خصائص میں عادتِ ثانیہ بنی ہوں اور ان میں بچہ کی پیدائش اور بعد میں۔تواتر اور دوام پایا جائے۔یہ چیزیں بھی بعدۂ ماحول میں شامل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر والدین عادتاً نیک ہوں۔اور دینی امور میں فطرت کے قوانین کے پابند ہوں۔تو بچہ جب تک گھر کی چاردیواری میں ہو۔بغیر اس ماحول کے اور کوئی دوسری کیفیت نہیں پاتا۔بچے پر یہی ماحول وخصائص اثر انداز ہونگے۔اور جب بچہ گھر سے باہر قدم رکھتا ہے۔تو بیرونی ماحول سے جس قسم کے عادات واطوار سے سابقہ پڑتا ہے۔اسی قسم کے افعال اسکے گھریلو عادات میں شامل ہو جاتے ہیں۔جیسے والدین کی صحبت میں صبح سویرے اٹھنا۔منہ ہاتھ دھونا۔عبادت کرنا۔اور دیگر اچھے اخلاق کا حامل ہونا حاصل کر لیتا ہے۔اگر گھریلو ماحول مستحکم ہو تو وہ باہر کے اثرات کم قبول کرتا ہے۔ اگر زیادہ دیر بیرونی ماحول میں گھرا رہے۔تو بیرونی ماحول اسی قدر اثر انداز ہونا شروع ہوتا ہے۔اگر بچے اچھے اخلاق کے عادی ہوں تو بچہ اپنی گھریلو عادات میں پختہ ہو جاتا ہے۔اگر بیرونی ماحول غلیظ ہو تو اسکے حافظہ میں بداخلاقی۔گالیاں۔اور دیگر مذموم قسم کے عادات جمع ہونے لگتے ہیں۔یہی ملے جلے واقعات انسانی افعال پر اثر انداز ہو کر انسان کے افعال وعقائد کو بناتے بگاڑتے ہیں۔جس قسم کے واقعات پیش آئیں۔اسکے قلب وحافظہ میں اسی قسم کی خواہشات اور ذہنی واقعات جمع ہوتے رہتے ہیں۔اسی ماحول کے مطابق انسانی نشو وارتقاء کے ساتھ جسقدر انسان بیرونی ماحول میں گھر

---

[1] یہ چیز اگرچہ خود بخود ہونے والے اثرات ہیں۔لیکن گزشتہ نسل انسانی پر اگر نظر ڈالی جائے تو انکی اصلی بنیاد بھی بطریقِ فطرت ابتداً سے مسلسل چلی آتی ہے۔اور جب ہم اسے کسی خاص منبع حقیقی سے وابستہ کریں۔تو اسکی بنیاد ایک علت لامحدود اللہ سے جا ملتی ہے۔اسلئے اسکا محرک بھی اسکا منبع حقیقی ہوتا ہے۔لیکن منبع حقیقی خود نور ہے اسلئے روحانی خصائص کا خود وہی خالق ہوتا ہے۔اور برے خصائص چونکہ مادہ سے متعلق ہیں اسلئے انکا محرک خود انسان ہوتا ہے۔

جاتا ہے۔ یہاں تک کہ گھر کے بعد۔ مدرسہ۔ مدرسہ کی تعلیم واخلاق ۔اور محلّہ ۔شہر اور ملک کے قومی طرز تمدن اور عقائد اس پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔انسان فطری طور پر شعور وقلب اور دیگر قوائے ادراکی ساتھ لیکر آتا ہے۔ تعقل کی مکمل پختگی کے ساتھ ساتھ وہ خود اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ اپنی اندرونی آواز پر کان دھرے۔ کہ انسان اور دیگر ماحول کو دیکھکر یہ ضرور ذاتی طور پر محسوس کرسکتا ہے۔ کہ یہ مخلوق۔ کیسے۔ کس سے اور کب بنی۔ اس پر تفکر کرنے کی صلاحیت بھی فطری طور ودیعت کی گئی ہے۔ تو انسان اپنے اور قومی افعال وعقائد پر جائزہ لینے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ کہ ہم میں کون سے افعال نیک ہیں اور کونسے برے ۔پھر انسان اسکی راہنمائی کیلئے بھی اپنے ماحول میں کسی خاص ماحول و قانون کی تلاش کرتا ہے۔ جس میں فطری قوانین پائے جائیں ۔انسان خود اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اپنی اخلاقی ہدایت کیلئے وہ خود اپنا سامان مہیا کرے۔

انسان اپنے حواس اور تعقل کی تکمیل کے بعد گزشتہ جس قسم کے ماحول سے اثرات لے چکا ہو۔ تو انکا جائزہ لے کہ ان اثرات میں کونسے مضر اثرات ہیں ۔اور کونسے قوانین فطرت کے ساتھ مطابقت کرتے ہیں ۔ اسکے بعد اگر انسان اپنے ارادۂ خود اختیاری سے کام لیکر قانونِ الٰہی سے ہدایت کی طرف رجوع کرے۔ تو پھر اسکے ہر برے فعل اور عقائد کی اصلاح ہوگی ۔ورنہ انسان برے ماحول سے متاثر ہوکر تساہل ۔نفس پرستی ۔تن آسانی اور دیگر بدعادات کا شکار ہوگا ۔اور انسان انحراف و فساد کی طرف مائل ہوگا۔

یہی وہ اثرات ہیں جن سے انسان کا قلب ۔ واہمہ۔ حافظہ ۔اپنے میں خواہشات و واقعات کا خزانہ جمع کرتا ہے۔ اسی خزانے کے مطابق اسکا ادراک صحیح و ناقص ہوتا ہے۔ یعنی اگر انسان قوانین فطرت کی مطابقت کرے تو قلب میں ناقص خواہشات کا ورود (دخل) نہ ہوگا اور اسی طرح اگر چہ اسکے قلب وحافظہ میں ناقص سے ناقص خواہشات وواقعات جمع ہوں ۔اسکے حقیقت کی طرف رجوع کرنے سے اسکے ارادہ میں تحریک ہوگی ۔انسان اپنے ارادے سے بار بار کام لیکر اپنے قلب وحافظہ کے تمام واقعات پر کنٹرول کرنا شروع کریگا۔ یہاں تک کہ دل کی تمام خواہشات اور

حافظہ کے تمام جمع شدہ واقعات پر اسقدر قدرت ہوگی۔ کہ انسان اپنے ارادہ سے جس خواہش کو چاہیگا روبہ کار لائیگا۔ اور اسی طرح حافظہ سے جس خیال کو سامنے لانا ہو اسی خیال کو سامنے لاسکیگا۔ حافظہ چونکہ ہر وقت واقعات کو تعقل کے سامنے لاتا رہتا ہے۔ اسکا فعل Automatically تعقل کی طرف چلتا رہتا ہے۔ اسلئے تعقل بھی حافظہ کے واقعات حاصل کرنے میں منہمک رہتا ہے۔ جب تک حافظہ اپنی ترسیل جاری رکھے تعقل باقی معاملات کی طرف رجوع نہیں کرسکتا ایسے وقت میں اگر انسان ماوراً ادراک واقعات کا مشاہدہ کرنا چاہے۔ تو یہ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ جب دل اور ارادہ قوی ہو۔ کہ دل روح کے ذریعہ واقعات حاصل کرے اور ارادہ حافظہ پر کنٹرول کر کے اِسے پابند کرے (جسے Concentration کہتے ہیں) اور یکلخت دل اور حافظہ کا رابطہ قائم ہوکر ماوراً ادراک کیفیات کا سلسلہ جاری ہو تو پھر اسکے ادراک میں اسکے ارادہ کے مطابق جس قسم کی کیفیت چاہے۔ پاسکیگا۔ یہی کیفیت خواب اور کشف والہام [1] میں ہوتی ہے۔ جب تک انسان اپنے قلب کی خواہشات کے تابع ہو انسان کا قلب کمزور سمجھا جائیگا۔ کیونکہ ارادہ کا تعلق بھی قلب سے ہے۔ جو خواہشات میں دبا ہوتا ہے۔ جب ارادہ قوی ہو تو خواہشات اسکے تابع ہو جاتی ہیں۔ قلب کی کمزور حالت میں خواہشات خود بخود واہمہ۔ حافظہ کے ذریعہ شعور و تعقل کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں۔ جبکہ سب قویٰ کمزور ہوں۔ انسان خواہشاتِ باطل (حیوانی) کے مطابق جاگتی حالت میں بھی حیوانیت پر اتر آتا ہے۔ اور خواب میں بھی یہی تاثرات حاصل کرتا ہے۔ جنکی کوئی اصل نہیں

---

[1] کشف والہام میں فرق ہوتا ہے۔ کشف اپنے ارادہ سے کیفیات حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ الہام بغیر ارادہ کے روح کے ذریعہ خود بخود کیفیات کے حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ روح ایک نوری اور وسیع قوت ہے۔ اسلئے عالم روحانی سے جہاں تک روح وسیع ہو اس پر کیفیات کے اثرات طاری ہوتے ہیں۔ وہی اثرات براہ راست قلب حاصل کرتا ہے۔ جو مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان اثرات کی کیفیت مثل ایتھری ذرات کے ہوتے ہیں جیسے روح نے اپنی وسعت میں خواہ وہ عالم روحانی میں ہزاروں سال کی مسافت میں کیوں نہ ہوں اُسی آن قلب ان کیفیات سے عکس پذیر ہوکر شعور کے مشاہدے میں لاتا ہے۔ اسے الہام کہتے ہیں۔

ہوتی ہے۔اگر انسانی ارادہ صحیح عقائد وافعال پر قوی ہو۔تو ارادہ اپنی صحیح قوت (نیک افعال کی جلا) سے ہر برائی سے نفرت ہی کریگا۔اسلئے ہر خواہشِ نفسانی ارادہ کی یا تو مقید ہو جائیگی۔یا قلب سے ضائع ہوگی۔البتہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے۔کہ جب تک انسان مادی غذا حاصل کرے اس میں مادیت کا اثر رہتا ہے۔اسلئے ایک ایسے شخص میں جسکے اعمال وعقائد خالص نیکی پر مبنی ہوں بصورتِ انسان اس میں شہوانی اثرات پائے جاتے ہیں اور یہ اثرات بھی دل میں (یا وجود میں) رہتے ہیں۔اور یہی اثرات کسی وقت بھی ایک مرد مومن کی خواہشات بن کر خواب میں شہوانی خواب کی صورت میں آسکتے ہیں۔لیکن اس بات پر تسلیم کرنے سے قبل یہ دیکھنا ضروری ہے۔کہ ایک نیکوکار انسان کے وجود پر اسکی نیکیاں (اسکے افعال حسنہ) کیا اثر رکھتی ہیں۔وہ یہ کہ انسان جب قوانین فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔تو اسکا مرکب روحانی بلاشبہ اسکے وجود میں قوت پکڑتا ہے۔یعنی اسکے وجود کے مادی ذرات میں یکسر لطافت پیدا ہوتی ہے۔اور یہ لطیف ذرات مادی ذرات پر غالب آتے ہیں۔اسکی مثال ایسی ہے۔کہ اگر ایک شخص کے وجود میں ذراتِ محافظ دق وسل (Anti. T.B.) زیادہ قوی ہوں۔تو وہ شخص باوجود دق وسل کے مریضوں میں رہتے ہوئے بھی۔اس مرض کا شکار نہیں ہوسکتا۔اور اگر ہر وقت یہی انسان حفاظتی تدابیر[1] بھی ساتھ ساتھ جاری رکھے تو کسی صورت میں بیمار نہیں ہوسکتا۔تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے۔کہ Anti.T.B کے ذرات (جراثیم) ہر وقت مریض جراثیم کو ضائع کر دیتے ہیں۔یا ان پر کنٹرول کر کے بڑھنے نہیں دیتے۔یہی صورت ایک مرد مومن عبادت گزار نیک عمل کرنے والے کی ہوتی ہے۔کہ افعال نیک سے اسکے وجود میں اسقدر لطافت پیدا ہوسکتی ہے۔کہ اسکے ایتھری۔ایٹمی۔الیکٹرسٹی جواہرات قوت پکڑتے ہیں۔اس حالت میں جبکہ اسکی یہ قوتیں عروج پر ہوں تو وہ اپنے ارادہ صرف ارادہ سے ان قوتوں کو استعمال کر کے اسی قسم کے تاثرات کا اظہار کرسکتا ہے۔جسے خوارق عادات یا مافوق الفطرت واقعات (کرامات ومعجزات) کہا جاتا ہے۔ایسے شخص میں اگرچہ مادیت کا اثر پایا بھی جائے۔وہ یا تو زائل ہو جاتا ہے۔یا کنٹرول میں لایا جاتا ہے۔اسلئے

[1] روزمرہ عبادت

ایسے شخص کی خوابوں میں خواہشات باطل کا دخل نہیں ہوسکتا۔ایسی صورت میں اگر انسان بالارادہ کسی ماوراً ادراک کیفیت کا یکسوئی (Concentration) میں تصور کرے ۔تو روح اس کیفیت کو واہمہ۔حافظہ کے ذریعہ شعور تک پہنچائیگی۔ اگر عالم خواب ہوتو یہ رویائے صادقہ کہلائیگی۔ اگر بیداری ہوتو شعور کے ساتھ ساتھ تعقل بھی حافظہ سے عکس حاصل کریگا۔تو اسے کشف والہام سے تعبیر کیا جائیگا۔البتہ یہ بات ضروری ہے۔کہ دنیوی امور میں دخل دینے کی وجہ سے بعض اوقات دنیوی الجھنوں کے باعث حافظہ اور قلب پر چند ساعت ضرور اثر پڑتا ہے۔اگر واقعات میں زیادہ دیر گھرا رہے تو قلب وحافظہ کی Setting میں کسی قدر خلل آجاتا ہے۔اسوقت ان کمزوریوں کے باعث کیفیات میں وہم وتخیل اثر کر جاتا ہے۔مگر ایک مکمل انسان کیلئے یہ کیفیت زیادہ دیر نہیں رہ سکتی کیونکہ اسکا مجاہدہ (یعنی نیک عمل) متواتر رہنے سے اسکی اصلاح ہوجاتی ہے۔اور جب انسان اپنے افعال و اعمال میں راسخ ہوجائے تو یہ روحانی کیفیت اپنی قوت کے اعتبار سے واہمہ۔حافظہ میں بھی اپنی اصلی ہیئت قائم رکھتی ہے۔جس سے وہم وخیال کا احتمال نہیں رہتا۔

رہا یہ سوال کہ انسان مدتوں غلط ماحول میں رہ کر جب ہر نقص اسکی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔کیسے نجات حاصل کرسکتا ہے؟

اسکا جواب بھی فطری قانون کے مطابق ہے۔کہ ہر زمانہ میں انسان فساد وخونریزی اور باطل پرستی پر آمادہ ہوا اور یہ آمادگی حقیقتاً انسان کی ایک فطرت بنی۔بارہا تنبیہ کے بعد بھی انسان اسی فطری کمزوری پر آجاتا ہے۔جسکی ذمہ داری خود اسی پر عائد ہوتی ہے۔کیونکہ تعقل وقلب کی نورانی کیفیت ودیعت ہونے کے باوجود انسان باطل کی طرف آمادہ ہوجاتا ہے۔لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان ۔اپنی خودغرضی ۔تن آسانی۔ہوس۔لالچ کے تحت جان بوجھ کر قوانین فطرت کی خلاف ورزی۔روگردانی۔اور ظلم کرنا شروع کرتا ہے۔اور جب ان افعال پر صرف اپنی لذتوں کے تابع دوام رکھتا ہے۔تو لازمی چیز ہے۔کہ ان عادتوں میں روز بروز پھنستا جاتا ہے۔اور یہی چیزیں اسکی عادت ثانیہ بن جاتی ہیں۔مثال کے طور۔اگر ایک شخص کسی غلط ماحول میں۔جان

بوجھ کر جاتا ہے۔ جہاں لوگ شراب ۔جوا۔زنا کے عادی ہوں۔تو خواہ مخواہ انسان ان عادات سے متاثر ہوجاتا ہے باوجود جاننے کے کہ یہ افعال غیر فطری اور سوسائٹی کے نزدیک برے ہیں۔لیکن اپنی لذت کے تابع انسان ان عادتوں سے کنارہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔یہاں تک کہ یہ عادتیں اسکی بھی عادت ثانیہ بن جاتی ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے۔کہ وقت پر ضرورت مہیا نہ ہونے کی وجہ سے۔انسان چوری۔جھوٹ ڈاکہ مارنا شروع کرتا ہے۔اسکا بھی یہی نتیجہ ہوتا ہے۔کہ ذلیل ہوتا ہے۔جیل جاتا ہے۔تباہ ہوتا ہے۔اور آخر انسان بے شمار مصائب میں پھنس کر بیمار ہوجاتا ہے۔مریض ہوجاتا ہے۔ نوبت یہ پہنچتی ہے کہ ڈاکٹر کی ضرورت پڑتی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ڈاکٹر وہی ہوسکتا ہے۔جو مرض کا مکمل علاج کر سکے ورنہ صحت ناممکن ہوگی۔ یہاں ڈاکٹر کی ضرورت اسلئے ہوئی کہ انسان اپنی صحت کیلئے عاجز ہے۔اور جانتا ہے کہ اپنی قوت سے صحت ہو نہیں سکتی۔اور ڈاکٹر ہی اس صحت کو درست کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔کہ وہ انسانی جسم اور ادویات کا پورا تجربہ رکھتا ہے۔اور اسی سے مرض دور ہوسکتا ہے۔ڈاکٹر اگر ان صلاحیتوں میں مکمل نہ ہو تو بھی وہ علاج کریگا۔یعنی ڈاکٹر بیمار کو دیکھیگا کہ اسے بخار آتا ہے۔ بدن کمزور ہے۔یا بلڈ پریشر ہے تو وہ وقتی تکلیف کو دیکھکر اندرونی خلطوں کی کمی بیشی سمجھکر ان خلطوں کو پورا کرنے کی کوشش کریگا۔جب یہ کمی پوری ہوئی تو بیمار صحت مند ہوگا۔صحت کے بعد اسکی عادات بد پھر اِسے انکے پورا کرنے کی تحریک دینگی ۔اور پھر بیمار بیمار ہی رہیگا۔لیکن ڈاکٹر وہی مکمل ہوگا جو خلطوں کی کمی بیشی کے ساتھ اسکے بنیادی اسباب بھی تلاش کریگا۔اور اسکی عادت ثانیہ اور برے افعال کی بھی اصلاح کریگا۔یہی کیفیت ان افعال بد اور خلاف قوانین فطرت اعمال کی ہوتی ہے۔سوسائٹی ۔یا سوسائٹی کے دانشمند ایک قانون ذاتی اختراع سے وقتی نقائص کو دیکھکر پیدا کر لیتے ہیں۔لیکن انکی اختراع اسی ڈاکٹر کی سی ہوتی ہے جو وقتی اسباب کو دیکھکر علاج کرتے ہیں۔البتہ دنیا جانتی ہے۔اور تواریخ شاہد ہے۔کہ انسان میں ایسے افعال کا تدارک سوائے پیغمبر کے اور کسی سے نہیں ہوتا۔ جو دل کی کیفیتیں اپنی روحانی قوت سے بدلتا ہے۔ کیونکہ یہ نقائص قلب سے ہی متعلق ہیں۔اسلئے اسکا علاج اسی قلب سے ہوسکتا ہے۔جو اپنی لطافت میں اسقدر قوی ہو کہ اس میں ایٹمی۔

ایتھری۔الیکٹرسٹی جواہرات سے زیادہ قوی مادہ ہو۔جو روحانی طرز پر ارادہ (توجہ) سے کسی کے قلب کے مرض کو مثل الیکٹرسٹی کے محو کردے۔اسلئے ایسے نقائص جو انسان کی عادت ثانیہ بن چکی ہوں۔ایک راہنمائے کامل (ڈاکٹر) اور اسکی الٰہی تعلیم سے ہی ضائع ہو سکتے ہیں۔ہر زمانہ میں پیغمبر آئے۔اور چلے گئے لیکن پیروان مذاہب نے پیغمبر کے بعد دین میں اپنی خودغرضی کی بنأ پر تحریف کی۔لہٰذا علم وعمل اور راہنمائی پیغمبر کے جانے کے ساتھ ہی مفقود ہوتی رہی۔یہی حال زمانہ کے مشہور پیغمبروں کا ہوا۔ جیسے نوح۔لوط۔سلیمان۔داؤد۔یعقوب۔یوسف۔موسیٰ۔عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ۔زمانہ میں جو تعلیم بھی مل سکتی ہے۔انکے پیروان کے کردار سے اندازہ لگ سکتا ہے۔کہ آیا کس کے پاس مکمل تعلیم ہے۔

لیکن قرآن اور حضرت محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا مطالعہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس علم کی وسعت کو انسان پورے طور نہیں پا سکا۔چنانچہ مغربی ممالک کی غیر اسلامی یونیورسٹیاں اور کتب خانے اس امر کے شاہد ہیں ــــ باقی آسمانی کتب کے مقابلہ میں قرآنی علم میں کائنات فطرت کی نشانیوں کے اشارات۔ان پر تفکر اور تفکر کے طریق اور انسانی اصلاح کے اصول خود مقابلہ کر کے مطالعہ ہو سکتے ہیں۔کہ جو راز ہائے دقیق قرآن نے بتائے شاید کسی کتاب میں پائے جائیں یہ اسلئے کہ زمانہ کے طول۔انسانی دماغ کے عروج۔اور انسانیت کی انتہا پر یہ قرآن نازل ہوا ہے۔جسوقت کہ ایک ایسے علم کی ضرورت تھی جو ہر واقعہ کی تکمیل کر سکتا ہو۔چنانچہ حضرت محمد رّسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک راہنمایانہ حیثیت میں اس تعلیم کو بدرجہ کمال تعمیل کر کے ایک ایسی قوم (پیروان مذاہب) پیدا کی جو قیامت تک ختم نہیں ہو سکتی۔نہ علم ختم ہو سکتا ہے۔نہ عامل ختم ہو سکتا ہے۔

الغرض ایسی صورت میں جبکہ ایک انسان تفکر میں تلاش مقصود کیلئے علم کے مشاہدہ وادراک کیلئے جستجو کرے۔تو اسے ہر حال میں۔علم۔عمل۔مشاہدہ حقیقی اور کیفیات حقیقی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور یہ تمام ترقوتیں انسان میں پائی جاتی ہیں۔

تمت بالخیر

مطبوعات سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز

۱	نورالعرفان	از	جناب محمد نورالدین اویسی رحمتہ اللہ علیہ
۲	منازل فقر مع شرح		ایضاً
۳	حقیقتِ تصوف		ایضاً
۴	راہِ حقیقت		ایضاً
۵	علم العرفان		ایضاً
۶	فتنہ مرزائیت ایک تجزیہ		ایضاً
۷	تاریخ خلافت اسلامی		ایضاً
۸	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم		ایضاً
۹	روح البیان		ایضاً
۱۰	عرفان حقیقت	از	ریاض احمد خیال اویسی
۱۱	نور بصیرت	مرتبہ	ایضاً
۱۲	صراط المستقیم	مرتبہ	ایضاً

برائے رابطہ وحصول مطبوعات

۱ محمد بشیر اویسی بلیک برن انگلینڈ فون: 00441254671126

۲ ریاض احمد خیال اویسی بھمبر آزاد کشمیر فون: 03007424574,03451566483

۳ محمود احمد طائر پلاہل کلاں ضلع کوٹلی آزاد کشمیر فون: 03465259352